سلسلۂ مطبوعات عثمانیہ

تاریخ یونان قدیم

جلد چہارم

تالیف
پروفیسر اڈولف ہولم

ترجمہ
پروفیسر محمد ہارون خاں شروانی ایم اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا
صدر شعبہ تاریخ جامعۂ عثمانیہ - رفیق (فیلو) جامعۂ عثمانیہ
ممتحن جامعات علیگڈھ پنجاب ناگپور بمبئی مدراس

۱۳۵۵ھ م ۱۳۴۶ف م ۱۹۳۶ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارعالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب مسرز میکملن اینڈ کمپنی پبلشرز کی اجازت سے
جن کو حق اشاعت حاصل ہے اردو میں ترجمہ کرکے
طبع و شایع کی گئی ہے۔
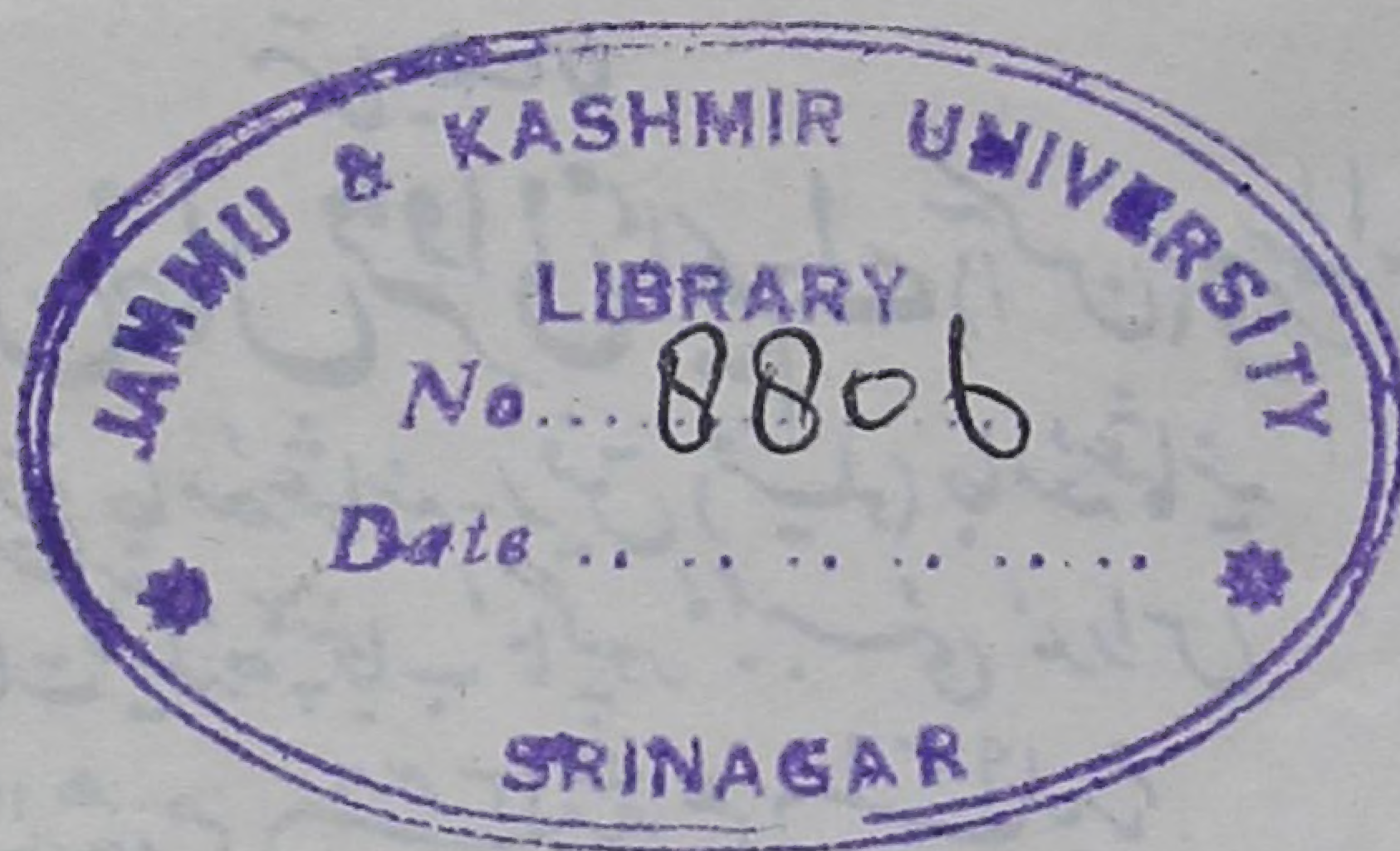
فہرست مضامین

تاریخ یونان قدیم (جلد چہارم)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	انتی گونوس گوناتاس؛ جنگ خرمیونڈیز۔	
۱۴	باب دہم۔ مشرق اور یونان ۲۴۶ سنہ ق م سے ۲۲۰ سنہ ق م تک۔ شام اور مصر کے مابین آویزشیں۔ یونان کی لیگیں۔ آراتوس؛ اگِس؛ کلیومنیس؛ انتی گونوس دوسون۔	۲۸۰
۱۵	باب یازدہم۔ رومن اور یونانی ۲۲۰ سنہ ق م تک پہلی فنیقی جنگ۔	۳۲۲
۱۶	" یادداشت۔	۳۷۵
۱۷	باب دوازدہم۔ دنیائے یونان تقریباً ۲۲۰ سنہ ق م میں (۱) دیار مغرب اور ارض یونان۔	۳۸۱
۱۸	یادداشت۔	۳۸۲
۱۹	باب سیزدہم۔ دنیائے یونان تقریباً ۲۲۰ سنہ ق م میں (۲) دیار مشرق۔	۴۱۲
۲۰	باب چہاردہم۔ دنیائے یونان، بالخصوص ملوکی درباروں میں۔ تہذیب و تمدن کی کیفیت (سنہ ۳۰۰ ق م) تا ۲۲۰ سنہ ق م)	۴۱۴
۲۱	یادداشت۔	۴۵۸
۲۲	باب پانزدہم۔ رومن عہد کی ابتدا۔ انطاکوس اور فیلقوس؛ لیگ والی جنگ؛ دوسری فنیقی جنگ؛ سرقوسہ؛ فلوپوئے من۔ ۲۲۰ سنہ ق م تا ۲۰۵ سنہ ق م)	۴۸۲
۲۳	باب شانزدہم۔ مشرقی معاملات؛ یونان؛ فیلقوس کی روما کے ہاتھوں شکست۔ ۲۰۵ سنہ ق م تا ۱۹۲ سنہ ق م۔	۴۸۳
۲۴	باب ہفدہم۔ رومنوں کی آویزش، انطاکوس؛ ایتولیوں اور رغالیطیوں کے ساتھ ۱۹۲ سنہ ق م تا ۱۸۹ سنہ ق م۔	۵۰۸
۲۵	باب ہژدہم۔ روما اور پرسیوس ۱۸۹ سنہ ق م تا ۱۶۸ سنہ ق م؛ مشرق تقریباً ۱۶۹ سنہ ق م میں۔	۵۳۰
۲۶	باب نوزدہم۔ تاراجی کورنتھ؛ دنیائے یونان، خصوصاً مشرق کی حالت	۵۵۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اس جلد میں سکندر کی وفات سے جنگ اکتیوم تک یورپ کی اور بحیرۂ روم کے دوسری جانب کی یونانی زندگی اور یونانی فکر کا حال بیان کیا گیا ہے، اور میری دانست میں یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کسی جلد میں اس کا مفصل ذکر کیا گیا ہو۔ اگر غور کیا جائے تو یہ اُس خیال کا گویا بدیہی نتیجہ ہے جس کے تحت سکندر کو تاریخ یونان ہی کا فرد قرار دیا گیا ہے، اور میری رائے یہ ہے کہ اگر گروٹ اس عظیم الشان فرمانروا کے ساتھ معاندانہ سلوک نہ کرتا اور اس کا ذکر اس قدر تامل کے ساتھ نہ کرتا تو وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچتا۔ ابتداء میں میں نے چاہا تھا کہ میں سنہ ۱۴۶ ق م پر اپنے بیان کو ختم کر دوں لیکن خود میرے پیش کردہ حالات سے معلوم ہو جائے گا کہ میں اس سنہ سے آگے کیوں بڑھ گیا۔ زمانے اور فاصلے کی وسعت ہی کی وجہ سے ایک نہایت اہم نتیجہ برآمد ہوا، وہ یہ کہ اُس عہد کی دنیائے یونان، بالخصوص اُس زمانے کے آزاد بلدیات کی شہری زندگی کا صحیح اندازہ ممکن ہو گیا۔ ساتھ ہی، جہاں تک میرے معلومات کا تعلق ہے، اس وقت تک کسی نے روما اور یونانیوں

کے باہمی تعلقات کا صحیح اندازہ نہیں کیا۔ یہاں مجھے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس موضوع پر میں اپنی رائے کی توثیق بعض نہایت ممتاز علمار کی آرار کی مخالفت کے بغیر نہیں کرسکا۔

اس کے علاوہ دوسرے امور کے اعتبار سے بھی اس جلد میں بہت سی نئی باتیں ملیں گی۔ میں نے ایشیائے کوچک کے معاملات پر خاص توجہ کی ہے، اور یہ زمانۂ حال کے خیالات کے عین مطابق ہے۔ پچیسویں باب سے ستائیسویں باب تک کے لئے رائناش Th. Reinach کی کتاب متھری دائیس یوپاتور "Mithridate Eupator" نے گویا میری رہبری کی ہے اس لئے کہ یہ کتاب تاریخ قدیم کی ان کتابوں میں سے ایک ہے جو صحیح معیار پر پوری اترتی ہوں، اور نہ صرف علمیت کے اعتبار سے ہی بلکہ سلاست بیان کے لحاظ سے بھی ایک ممتاز کتاب ہے۔ اس کے برخلاف میں نے اسکندریہ کی اہمیت کو مناسب حدود کے اندر محدود کردیا ہے۔ آخر میں یہ بیان کرنا مناسب ہے کہ بادشاہوں اور رومنوں کی ماتحتی میں یونانیوں کو سوا راجی اختیارات حاصل ہونا ایک اہم تاریخی واقعہ ہے، چنانچہ اُس عہد قدیم کی مفصل تاریخ کا مطالعہ میرے نزدیک نہایت سودمند ثابت ہوگا۔

بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں جن پر ذرا زیادہ مفصل تبصرہ کیا جاسکتا تھا، لیکن میری دانست میں سکندر کی وفات کے بعد کا زمانہ عروج یونان کے عہد سے زیادہ تفصیل کا مستحق نہیں تھا۔

تمہید

تاریخ یونان کی اس چوتھی اور آخری جلد میں یونانی مقدونوی عہد کا ذکر ہے جس میں ایک طرف تو بادشاہ اور دوسری طرف یونانی لیگیں ممتاز ہیں، اور یہ عہد سکندر کی وفات سے لے کر آخری مقدونوی ملوکیت کے الحاق سلطنت روما تک جاری رہتا ہے۔ یہ عہد وہ ہے جسے تاریخ یونان میں شامل کر کے کبھی بھی تبصرہ نہیں کیا گیا ہے، لیکن ساتھ ہی ہمارے نزدیک اس کا مفصل تذکرہ ہر آئین مناسب ہے۔ بلاشبہہ اس مضمون کو تاریخی اعتبار سے بیان کرنا کچھ آسان کام نہیں اسلئے کہ اس میں ہم ایسی سلطنتوں اور ملتوں سے دوچار ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکلیہ آزاد تھیں اور ہمیں ایسے ممالک بھی ملتے ہیں جن میں یونانیوں کی آبادی صرف جزوی ہی تھی۔ خوش قسمتی سے یونانی تمدن نے، جس کا ان سب پر کم وبیش گہرا اثر پڑا تھا، ان میں ایک اندرونی توحد کی کیفیت پیدا کردی تھی، اور دراصل اسی تمدن کے تدریجی انتشار کا تسلسل بیان کرنے میں عہد زیر بحث کی خوبصورتی نظر آتی ہے۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہمارا واحد نصب العین

یہ ہوگا کہ اس عہد کے تہذیب وتمدن کی تاریخ بیان کریں اس لئے کہ تاریخ یونان کا تخیل اس اصول کے بالکل منافی ہے، اور واقعاً اس عہد میں بھی دُنیا سے یونان کی سیاسی حیثیت برابر برقرار رہتی ہے۔ زمانۂ مابعد میں ایک عہد ایسا ضرور آیا جب اس مُلک کی سیاسی اہمیت کا آخر کار خاتمہ ہوگیا اور یونانیت صرف ایک سطحی قوت کا نام رہگیا، لیکن یہ عہد ہمارے حدود سے باہر ہوگا، چنانچہ سنہ ۳۰ ق م میں ہم نے اپنی کتاب ختم کردی ہے۔ بلاشبہہ اس کے بعد بھی بعض یونانی جمہوریتوں نے اپنی آزادی محفوظ رکھی، جن میں جزیرہ رھوڈز سب سے نمایاں ہے، لیکن ایسے خطے مستثنیات سے ہیں، اور حقیقت میں ممالک عالم کی سیاسی کیفیت ایسی ریاست کے وجود کی وجہ سے شمہ بھر بھی متاثر نہیں ہوئی جس کا سلطنت روما سے بجنسہٖ ویسا ہی تعلق تھا جیسا آجکل سان مارینو کا سلطنت اٹلی سے ہے۔ محض اسی قسم کے اسباب کی بناء پر ہم اس عہد کے آخری حصے پر زیادہ وقت صرف نہیں کریں گے۔ جب پومپی خاندان سلیوکوس کی لرزہ براندام سلطنت پر آخری کاری زخم لگاتا ہے تو ہماری تاریخی دیچسپی کا مرکز خود رومن سپہ سالار کے ذاتی خصائص رہجاتے ہیں، اور ان خصائص کا نہایت مشترح وبسیط تذکرہ کسی بھی تاریخ روما میں کافی وضاحت سے لکھا ہوا ملے گا۔ ہمارے نزدیک آخری کلیوپاترا کی حکومت کی اہمیت اس سے بھی کم ہے اور اس پر مفصل تبصرہ کرنا محض تضئیع اوقات ہوگی۔ اس کے برعکس گو متھری ڈاتیس یوپاتور ایرانی الاصل تھا، لیکن تاریخ یونان کے مقاصد کے لئے اُس کا تمدن اور اُس کے حوصلے نہایت درجہ دلچسپ ہیں اسی لئے ہم نے اُس کے سوانح حیات کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہم اس تصفیئے کو دوسروں پر چھوڑتے ہیں کہ ہم نے سنہ ۳۲۳ ق م سے سنہ ۳۰ ق م تک کی اُن مملکتوں کے ارتقاء کا حال، جن میں یونانی

تمدن سرایت کئے ہوئے تھا، اور جو فتوحات مقدونیہ کی وجہ سے عدم سے وجود میں آئی تھیں، یا اُن فتوحات کے باوجود برابر اپنی اپنی جگہ قائم رہنے میں کامیاب ہوئی تھیں، اور اُن کے مختلف مسائل کا ذکر صحیح انداز سے کیا گیا ہے یا نہیں، کم از کم ہم تو یہ ضرور کہیں گے کہ ہم نے جس قسم کی کوشش کی ہے وہ ضرور کئے جانے کے قابل تھی۔

میں چاہتا ہوں کہ میں ناظرین کے سامنے اُن مدارج کا ذکر کروں جو میری دانست میں دُنیائے یونان کے ارتقاء میں پیش آئے ہوں گے۔ میدان میں اُترتے ہی ہمارے سامنے سیاسی، قومی اور مرکزی قوتوں اور لہروں کا ایک بحر زخار آجاتا ہے۔ سیاسیات میں ہمیں ملوکی اور جمہوری اصولوں کے مابین کشمکش کی کیفیت نظر آتی ہے، قومی آزادی اور حوصلوں کے سلسلے میں مشرق و مغرب دست و گریبان دکھائی دیتے ہیں، اور یہ تباین اس باہمی آویزش کے بالکل مطابق ہے جو میدان تہذیب و تمدن میں علی العموم نظر آتا ہے۔ پھر بہت سے اضلاع ور قبہ جات میں یونانی عناصر بالکل مرکب ہیں۔ یہ سب باتیں ہمیں ملحوظ رکھنا پڑیں گی۔ گو مختلف ممالک کے کسی ایک عہد میں ان سب باتوں میں یکسانی نہیں پائی جاتی، تاہم بعض قطعی اور معیّن لہریں ایسی ہیں جو عالمگیر طور پر نظر آتی ہیں اور ان کی وجہ سے ہر ایک تاریخی دور میں چند ایسے مخصوص امتیازات پائے جاتے ہیں جو سسلی سے دریائے سندھ تک تمام دُنیائے یونان میں ملتے ہیں۔ ان مشترک کیفیات کو پیش نظر رکھ کر میں نے ۳۲۳ سنہ ق م سے ۳۰ سنہ ق م تک کی تاریخ کو تین مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے:-

(۱) یونانیوں کی بڑھتی ہوئی اہمیت، خصوصاً بین الاقوامی نقطۂ نظر سے ۳۲۳ سنہ ق م تا ۲۲۰ سنہ ق م۔ یہ عہد دیادوخی، پرصوس، اراتوس، اور کلیومنیس کا عہد ہے، اور اس کا ذکر پہلے باب سے چودھویں

باب تک کیا گیا ہے۔

(۲) یونانی امور میں رومنوں کی فیصلہ کن مداخلت، ۲۲۰ سنہ ق م سے۔ یہاں ہم تیتوس کوئنکتیوس، فلوپوئے من، ایمیلیوس پولوس اور اور پولی بیوس جیسی ہستیوں سے دو چار ہوتے ہیں۔ باب ۱۵ تا باب ۲۴۔

(۳) ۱۴۹ سنہ ق م سے مشرق کی اہمیت کا احیاء۔ اس زمانے کا ممتاز ترین شخص متھری دائیس ہے۔ باب ۲۵ تا باب ۲۹۔

ذرا نظر غائر ڈالی جائے تو ہر عہد مقصلۂ بالا کے دو دو حصے کئے جا سکتے ہیں:-

عہد (۱):- ۱۔ سکندر کے کارناموں کے باعث ملوکی اُصول کی اہمیت، از ۳۲۲ سنہ ق م تا ۲۸۰ سنہ ق م۔ سکندر کی وفات کے بعد یہ اُصول یونانیت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ابواب ۱ تا ۳۔

۲۔ یونانی اصول آزادی کی طرف ردّ عمل۔ ایشیا میں غالویوں کے چھاپوں اور یورپی یونان میں لیگوں کے قیام کی وجہ سے اُسے فروغ پہنچتا ہے۔ تاہم یورپی یونان میں آزادی کی طرف جو میلان تھا اُس میں رُکاوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں اور مقدونیہ اس کا ایک حد تک خاتمہ کر دیتا ہے۔ ۲۸۰ سنہ ق م تا ۲۲۰ سنہ ق م۔ ابواب ۴ تا ۱۴۔

عہد (۲):- ۳۔ میدان سیاسیات میں رومن قوم مقدونیہ کے خلاف اُترتی ہے اور اپنے اثرات سے اُسے بے دخل کر کے یونانیوں کو آزاد چھوڑ دیتی ہے ۲۲۰ سنہ ق م تا ۱۹۷ سنہ ق م۔ انطاکوس سوم ایشیائے کوچک اور یونان میں مقدونوی ملوکی اصول کا احیاء کرنا چاہتا ہے

لیکن ناکام ہوتا ہے۔ اب رومن ایشیائے کوچک میں
بھی اپنے قدم جما لیتے ہیں۔ ۱۹۷ء ق م تا ۱۸۹ء ق م۔
ابواب ۱۵ تا ۱۷۔

۴۔ مقدونیہ کے خلاف کشمکش کی وجہ سے رومنوں کو خود مختار یونانی ریاستوں کے خلاف بھی اترنا پڑتا ہے، اور یہ ریاستیں فطرۃً ایسی قوم کے خلاف ہو جاتی ہیں جو انکی دانست میں مقدونیہ کا جانشین بننا چاہتی ہے۔ مشرق میں انطاکوس چہارم تمدن یونان کو پھیلاتا ہے لیکن اسے کہیں بھی زیادہ کامیابی نہیں ہوتی۔ ۱۸۹ء ق م تا ۱۴۶ء ق م۔ ابواب ۱۸ تا ۲۴۔

عہد (۳): ۵۔ سب سے پہلے تو مشرق میں ایک طرح کا سیاسی ردّعمل رونما ہوتا ہے، لیکن یہ وہ مشرق ہے جو اس وقت تک برابر یونانی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو رہا ہے اور دراصل صرف روما ہی کا مخالف ہے۔ لیکن فتح و نصرت کا سہرا آخر کار روما ہی کے سر رہتا ہے۔ ۱۴۶ء ق م تا ۶۳ء ق م۔ ابواب ۲۵ تا ۲۷۔

۶۔ یولیوس قیصر کے عالی شان کارہائے نمایاں کے بعد انتونی یہ کوشش کرتا ہے کہ یونانی دلدل کی متزلزل بنیادوں پر ایک یونانی مشرقی اور ازاں بعد ایک رومانی مشرقی سلطنت قائم کرے۔ لیکن اگسٹس کے زمانے میں روما از سر نو تمام متمدن مغربی دنیا کا مالک بن جاتا ہے اور عرصۂ دراز تک یونان محض معیار تمدن کے طور پر باقی رہتا ہے۔ ۶۳ء ق م تا ۳۰ء ق م۔
ابواب ۲۸ و ۲۹۔

الغرض جس زمانے کا اس جلد میں ذکر کیا گیا ہے اُس میں مختلف

قوّتوں کے عمل و ردّعمل سے دوچار ہوتے ہیں اور ہمیں باہمی مناقشوں اور آویزشوں کے نتائج قلمبند کرنے پڑتے ہیں۔ پہلے، یعنی بالکلیہ یونانی عہد میں ملوکی اُصول کے عمل (حصّہ ۱، ابواب ۱ تا ۳) اور آزادی کے ردّعمل (حصّہ ۲، ابواب ۴ تا ۱۴) کا سامنا ہوتا ہے؛ دوسرے یعنی رومن عہد، روما کے عمل (حصّہ ۳، ابواب ۱۵ تا ۱۷) اور یونان کے ردّعمل کی وجہ سے ممتاز ہے (حصّہ ۴ جس میں سیاسی نقطۂ نظر سے ابواب ۱۸ و ۱۹ میں اور ذہنی نقطۂ نظر سے ابواب ۲۰ تا ۲۴ میں بحث کی گئی ہے)؛ تیسرے یعنی مشرقی عہد میں مشرق کی کوششیں (حصّہ ۵ ابواب ۲۵ تا ۲۷) اور روما کی فاتحانہ مخالف کوشش نمایاں ہیں (حصّہ ۶ ابواب ۲۸ تا ۲۹۔)

اس دور میں ذہنی تمدّن کے ارتقاء کی روش ذرا زیادہ پیچیدہ ہے یعنی موضوع زیر بحث اور اُس کی ذہنی پیداوار کی شکلوں میں ہمیشہ تطابق نہیں ہوتا۔ سنہ ۲۰۰ ق م تک تو ادبیات ترقی پذیر ہیں، لیکن اُس وقت سے اس میں تنزّل کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور صُوَرِ ظاہری میں خاص طور پر بے ربطی نظر آتی ہے۔ جہاں تک ہم حکم لگانے کے اہل ہیں، پولی بیوس کی جو دوسری صدی ق م کے یونانی ادیبوں میں بہترین سمجھا جاتا ہے، زبان بھی ایسی اچھی نہیں ہے۔ بعض ادبی شاخوں میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ ہی منقطع ہوجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ ہر شعبۂ زندگی کے لئے نہایت ہی کشمکش کا زمانہ تھا۔ لیکن جب آخر کار مُہر لگ جاتی ہے، جب ہر شخص کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یونانی شہروں کی سیاسی اہمیت ہمیشہ کے لئے فنا ہوگئی ہے تو پھر یونانیوں کی ادبی زندگی کا از سرِ نو احیاء ہوتا ہے جس کے ساتھ ہی ظاہر صُوَرِ ادبی میں بھی یونانی کمال حاصل کرلیتے ہیں۔ لیکن ہم اس احیاء کا صرف سرسری ذکر ہی کریں گے اس لئے کہ یونانی ادبیات کی نئی بہار کا زمانہ دراصل

سلطنت روما کے عروج کا زمانہ ہے۔ سکندر کی وفات کے بعد فنون لطیفہ میں بڑی بھاری ترقی ہوئی اور اس میں ایشیائی یورپی یونان تک سے بازی لے گیا، تاآنکہ آخری صدی ق م میں یونان کے پرانے مرکز کو پھر وہی قدیم فوقیت حاصل ہوگئی۔ ان سب میدانوں میں ۳۲۳ق م سے ۳۰ق م تک کے مکمل عہد میں خطۂ یونان میں بڑی بھاری جلت پھرت نمایاں ہوتی ہے۔ اس مکمل دور کے نام کی بابت اس تمہید کے سلسلے میں جو یادداشت ناظرین کے سامنے پیش کی گئی ہے اُسے دیکھنا چاہیئے۔

اب ہم مختلف واقعات کا ذکر کریں گے۔ ابتداء ہی میں ہمارے سامنے جو منظر آتا ہے اُس میں تقریباً غیر محدود افراتفری نظر آتی ہے جو رفتہ رفتہ مستقلانہ صورت حال میں تبدیل ہوتی جاتی ہے۔

یادداشت متعلق تمہید

۳۲۳ قم سے ۳۰ قم تک کے مکمّل عہد کا نام

کچھ عرصے تک الفاظ "ہیلے نسٹک" ("مائل بیونانیت") اور "ہیلے نزم" (یونانیت) عام طور پر استعمال کئے جاتے تھے، لیکن آجکل "عہد اسکندریہ" زیادہ مقبول معلوم ہوتا ہے۔ اوّل الذّکر الفاظ ڈروائے سن کے استناد کی وجہ سے مروّج ہوئے تھے، لیکن گروٹ اپنی کتاب کے باب ۹۴ میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے اور اسی طرح سے بعض دوسرے مصنّف، مثلاً پوتیئے Pottier بھی اسے پسند نہیں کرتے ("پختہ مٹی کے مجسّمے" 'Sta tuettes de terre cuite' پیرس ۱۸۹۰ء صفحہ ۱۱۵) ہمارے نزدیک "ہیلے نسٹک" اور "ہیلے نزم" کے الفاظ درست نہیں ہیں اس لئے کہ Hellenistikos سرے سے یونانی زبان کا لفظ ہی نہیں، اور Hellenismos کے معنے تمدّن یونانی کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ ہیلے نزم یعنی "یونانیت" کی تاریخ سے محض اس زمانے کی تاریخ مراد نہیں ہو سکتی جس سے پہلے بھی صدی ہا صدی تک یونانیت اپنی مکمّل حالت میں مروّج تھی۔ الغرض اب اس عہد کے لئے "ہیلے نزم" کا لفظ جو صرف و نحو کے اعتبار سے درست ہے،

استعمال نہیں کیا جاتا، لیکن دوسرا لفظ یعنی "ہیلے نسٹک" جس کا یونانی زبان
میں پتا نہیں، قائم رکھا گیا ہے، اور اس سے مراد اُن عناصر سے لی
جاتی ہے جو اصل میں یونانی ہیں لیکن جن پر بربری اثرات پڑے ہیں،
چنانچہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے سکندر کے بعد کا یونانی تمدن مراد
لیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کی غلط تشکیل کو نظر انداز بھی کیا جائے
تاہم اس کے مفروضہ معنے اُس زمانے کی زندگی کے مظاہروں
کے مطابق نہیں۔ سکندر کے بعد یونانی ادبیات پر تو بربری اثرات
بہت کم پڑے، فنون لطیفہ پر اس سے بھی کم اور ایتھنزی زندگی اور
خصائص بالکلیہ ان اثرات سے آزاد رہے۔ الغرض سکندر کے
بعد کے یونانی تمدن کو "یونانی کے بجائے" مائل بہ یونانیت" کہنے کی کوئی
وجہ سمجھ میں نہیں آتی، اور صحیح معنے میں دیکھا جائے تو "ہیلے نسٹک"
کے لفظ کا انطباق صرف ایسے ممالک کے تمدن پر کیا جاسکتا ہے
(جیسے مُلک شام) جن میں ایسا یونانی تمدن رائج تھا جو بربری کھوٹ
سے بھرا ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ دمشق کے کسی باشندے کا تمدن اُس کے
زمانے میں یونانی تمدن کا معیار نہیں قرار دیا جاسکتا۔ شیورر Schueret
اپنی کتاب "تاریخ قوم یہود" Geschichte des juedischer Volkes
۲، ۲۶ میں بالکل ٹھیک کہتا ہے کہ " مائل بہ یونانیت" تمدن یونانی
تمدن کے خلاف اس لائلگی تمدن کا نام ہے جس نے جملہ غیر ملکی
تمدنوں کے عملی عناصر کو جذب کرلیا ہو۔ اس خیال کے مطابق اراتوس
یا پولی بیوس، اپی قوروس یا مناندر، یا پرگاموم کے حاشیے کا تعمیر کار،
ان میں سے کوئی بھی محض " مائل بہ یونانیت" نہیں کہا جاسکتا اسلئے
کہ ان میں سے ہر ایک کامل یونانی ہے۔ ان باتوں کے تحت
لفظ "ہیلے نسٹک" کی ساخت پر اُس کی تردید یا تائید کا دار و مدار
ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح یونانی زبان میں لفظ" اٹیکس تیکوس"
Attikistikos ("مائل بہ اٹیکائیت") یا "آرخائستیکوس" Archaistikos

(" مائل بہ قدامت") نہیں ملتے اسی طرح اس میں لفظ ہیلے نستکوس
Hellenistikos کا بھی پتا نہیں، حالانکہ اس زبان میں الفاظ "ہیلے نستی"
Hellenisti "یونانی روش کے مطابق") "اٹیکستی" Attikisti
(" اٹیکائی زبان میں") اور "آرخائستی" Archaisti ملتے ہیں، اور اگر
لفظ "آرخائستک" سے اس چیز کا مفہوم ادا ہو سکتا ہے جو جدید ہو سکے گی
جس میں قدامت کا بھی کوئی پہلو ہو تو پھر جس وقت لفظ ہیلے نسٹک
یہ صرف یونانی انجیل Septuagint کے لئے جس کے الفاظ اور
موضوع دونوں نیم بربری ہیں، صحیح معنے میں استعمال نہیں کیا جاتا اسلئے
کہ تھیوکرتیوس جیسے "مائل بہ یونانیت" سمجھا جاتا ہے اتنا ہی یونانی تھا
جیسے یوری پڑیس، اور فنون لطیفہ، ادبیات اور سیاسی زندگی میں
جتنی بھی ممتاز ہستیاں ہو گزری ہیں سب کی یہی کیفیت ہے۔ معلوم
ہوتا ہے کہ لفظ "ہیلے نستی کوس" ایک دوسرے لفظ "ہیلے نستیز"
Hellenistes سے بنا ہے جس سے مراد ایک ایسی یہودی سے لی
جاتی ہے جو یونانی بولتا ہو، لیکن متناسب یہی ہوتا کہ یہ لفظ مستشرقین
کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے اس لئے کہ کم از کم تاریخ یونان میں یہ
نہایت ہی مغالطہ آمیز ہے۔ ڈرواے سن کی کتاب میں
لفظ "ہیلے نسموس" اور جلد ۲ و ۳ کے مخصوص ابواب کے ناموں
کے مابین باہمی تضاد معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ان ابواب کی
سرخیاں اور نفس مضمون ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہیں، اور
ڈرواے سن محض فرمانروایان عہد کے حالات بیان کرتا ہے؛
لیکن اس نے اپنے موضوع کا عام نام "یونانیت" Hellenismus
رکھا ہے اس کے بموجب اُسے اس زمانے کے تمدن (یا کم از کم
اسکندریہ کی تہذیب) کا حال بیان کرنا چاہئے تھا، لیکن اس کی تاریخ سے
اور اس لفظ کے مفہوم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لفظ "ہیلے نزم"
کے معانی میں جو تنوع پایا جاتا ہے وہ اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے

کہ شہنشاہ یولیان اسے اور بت پرستی کو مترادف سمجھتا تھا۔ دیکھو بواسی اے "بت پرستی کا خاتمہ" Boissier : Le fin du Paganisme ۱/ ۹۳۔

بعض مورخوں کی رائے یہ ہے کہ ۳۲۳ء ق م کے بعد کے واقعات کی توہین لفظ "ہیلے نسٹک" سے نہیں کرنی چاہیے، چنانچہ ایسے لوگ جیسے کرسٹ Chrish و سوزے میل Susemihl اس عہد کو "اسکندر دی" کا لقب دیتے ہیں۔ منجملہ دوسروں کے فولکمان Volkman نے پاؤلی کی "محیط المحیط" Pauly's R. E. ۱/ ۴۴۴ میں اس کے سبب پر بحث کی ہے؛ وہ کہتا ہے کہ اسکندریہ نے اس عہد کی ذہنی ترقی میں ایک خاص امتیاز حاصل کیا۔ لیکن ہمارے نزدیک اس استدلال میں ایک بڑا بھاری مغالطہ ہے؛ اور خود فولکمان تسلیم کرتا ہے کہ اسکندریہ نے فلسفہ، خطابت اور تاریخ نویسی میں ترقی نہیں کی اور علی العموم عروض و قافیہ کی صرف ایک شاخ میں اس نے مہارت پیدا کی تھی، اور اس کے علاوہ صرف علوم فطری اور صرف و نحو کے میدان میں کچھ کمال نظر آتا تھا۔ الغرض اگر دوسرے مقامات کے لوگوں نے بعض ایسے شعبہ جات علوم میں کمال حاصل کیا تھا جن کا اسکندریہ میں نشو و نما نہیں ہو سکا تو پھر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسکندریہ رہبر تھا اور اس عہد کو اسی کے ساتھ منسوب ہونا چاہیے؟ سروری تاٹک کا اسکندریہ سے اس قدر کم لگاؤ ہے کہ سنوی تسلسل کے برخلاف کرسٹ اس کا ذکر "عہد اسکندردی" کے بعد کرتا ہے۔ اسی طرح پولی بیوس کے پاس کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی جسے "اسکندردی" کہا جا سکے، اور اسکندریہ کے اہم ترین شاعر یعنی تھیوکریتوس کا اس شہر سے بہت کم اندرونی تعلق نظر آتا ہے۔ الغرض ہم اس خیال پر قائم ہیں کہ اسکندریہ کی اہمیت میں بہت کچھ مبالغہ آمیزی کی گئی ہے، اور اس شہر میں جس شاخ علمی میں ترقی کی گئی وہ خالص حکمیات کی شاخ تھی۔ ظاہر ہے کہ ۳۲۳ء ق م سے ۳۰ء ق م تک

حکمیات ہی یونانی زندگی کا واحد معیار نہیں قرار دیا جا سکتا، چنانچہ اس عہد کو "عہد اسکندروی" قرار دینا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا ہمارے نزدیک اس لفظ کے استرداد کی ایک خاص وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ عہد زیر بحث کے جو خصائص تھے اُن کا اس کی وجہ سے صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اسکندریہ صرف حکمیات ہی کا نہیں بلکہ ملوکی اُصول کا بھی گویا قائم مقام ہے اور اس اُصول کی ترویج کا گویا مرکز ہے۔ اگر اُس عہد میں اس اُصول کا ہر جگہ بول بالا ہوتا اور طور ہم ہی میں نہیں بلکہ اندرونی کیفیات میں بھی ملوکی اُصول کو فروغ ہوتا تو بھی ہم اس عہد کو اسکندروی کہہ سکتے تھے۔ لیکن واقعہ اس سے مختلف ہے۔ عین اسی زمانے میں جمہوری اور ملوکی اصول کے مابین مناقشے کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اس میں جمہوری اُصول کو تھوڑی بہت کامیابی حاصل ہوتی ہے تا آنکہ آخر کار یہی ملوکیت کو مغلوب کر لیتا ہے۔ علاوہ ازیں اُس زمانے میں ملوکی اُصول کا راستہ دُنیا کی مادّی حیثیت کی طرف یعنی قوّت و اقتدار اور عیش و آرام کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر جمہوریتوں کا بھی میلان اسی طرف ہوتا تو پھر ہم شائد اس عہد کو "اسکندروی" کا لقب دیتے، اور فولکمان کو تو یقین ہے کہ ہر جگہ مادّیت ہی غالب تھی۔ لیکن یہ بھی مغالطہ ہے، اور اصلی واقعہ یہ ہے کہ آزادی کی عالی منشی جو جمہوری یونانیوں میں پائی جاتی تھی وہ اسکندریہ کے ملوکی میلانات کا مقابلہ کرتی ہے، اور ان میلانات کا ۲۰۰ ق م جیسے بعید زمانے میں ہی خاتمہ ہو جاتا ہے، چنانچہ اس نقطۂ نظر سے بھی اس عہد کو اسکندریہ کی طرف منسوب کرنا کسی طرح ٹھیک نہیں اور اس سے غلط انتاج ہوتا یقینی اور لابدی ہے۔ نیز دیکھو اسی کتاب کا باب ۱۴، حاشیہ ۱۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس عہد کا کیا نام رکھا جائے۔ ہم اسے "عہد متقدونوی" کہیں تو مناسب ہوگا۔ ہم اس امر سے

واقف ہیں کہ سکندر کے جانشینوں کی عین خواہش تھی کہ وہ مقدونوی
بن کر رہیں۔ انتی گونوس سوم اپنے آپ کو مقدونوی کہتا ہے (دیکھو
ڈٹن برگر ۲۰۵) اور یہی کیفیت بطالسہ کی بھی تھی (پئوسانیاس ۱۰، ۷)۔
ہمارے نزدیک یہ نام اس نام سے جس پر ابھی بحث کی گئی ہے
بہتر ہے اس لئے کہ اس میں ہم قابل وفریس سلیوکوسیون کو شامل
کر سکتے ہیں؛ لیکن یہاں بھی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اس سے بھی صرف
ایک ہی میلان یعنی ملوکیت سے مراد لی جا سکتی ہے درآنحالیکہ اس
عہد کی خصوصیات سے یہ ہے کہ اس میں یونان میں وقتی اور مستقل
لیگیں قائم ہوئیں، چنانچہ اس عہد کا نام بادشاہوں اور لیگوں کا عہد
قرار دیا جا سکتا ہے، یا ہم اسے "یونانی مقدونوی سلسلۂ ممالک" کا
عہد کہہ سکتے ہیں۔ بہر حال جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اُسے میں چند
الفاظ میں یوں ادا کروں گا:- اگر سنہ ۳۲۳ ق م سے سنہ ۳۰ ق م تک
کے زمانے کی یونانی زندگی کی خصوصیات میں حکمیات، درباری
شاعری، فنون صنعتی، "مطلق العنانی"، اور بدکاری ممتاز و نمایاں
سمجھی جائیں تو اس کو "اسکندروی" کہنا بیجا نہ ہوگا؛ لیکن اگر اس
جلد کے استدلال کے مطابق اُس عہد کے یونانیوں میں اب بھی
فلسفہ، قومی شاعری، فنون واقعی، محنت وکاوش، سواراج، اور
اخلاق کی بہتری کی کوشش پائی جاتی ہے تو پھر اسے
"یونانی مقدونوی" عہد یا "بادشاہوں اور لیگوں کا عہد کہا جانا
چاہیئے۔

مہافی اپنی کتاب "مسائل تاریخ یونان Mahaffy: Problems
in Greek History (لندن، ۱۸۹۲ء) اسے "یونان بعد عہد سکندری"
کہتا ہے لیکن یہ نام جرمن زبان میں بڑا انوکھا معلوم ہوتا ہے۔
سنہ ۱۴۶ ق م سے ایک ارتقائی دور کا آغاز ہوتا ہے اس لئے
کہ اس کے بعد روما جلد جلد یونانی مقدونوی ریاستوں کو ہضم

کرلیتا ہے۔

میں ابواب ا و ۲ کے اسناد تفصیل سے بیان نہیں کرسکتا، اور ناظرین کو ڈرواے سن اور نیز سے Niese کی کتابوں کو دیکھنا چاہیئے جو اپنی صحت اور تکمیل کے لئے ممتاز ہیں، بلکہ اس کی بجائے میں نے صرف چند اہم واقعات کے انتخاب پر اکتفا کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ یونانِ قدیم

جلد چہارم

باب اوّل

سکندر کے جانشینوں کے حالات یومنیس کی وفات تک

سکندر کی موت اُس کی ساختہ پرداختہ سلطنت کے لیئے نہایت ہی بے وقت ثابت ہوئی۔ اُس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی تھی کہ اُس کے مختلف حصّوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مربوط ومخلوط کردے، لیکن اس میں کامیابی کے لئے وقت اور محنت دونوں درکار تھے، اور اگر بالفرض اُس کی عمر اُس کے ساتھ وفا بھی کرتی تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ اُسے پوری کامیابی حاصل ہو ہی جائیگی۔ پہلے یورپ کو دیکھیئے: یہاں اگر یونانی قوم کو نظر انداز کردیا جائے جو مجبوراً سکندر کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئی تھی، تو مقدونیہ باقی رہ جاتا ہے جس میں تھریس کے مختلف النوع باشندوں کا اضافہ کردیا گیا تھا۔ اب ایشیا اور افریقہ آئیے جہاں ایک چھوڑ پانچ ایسے مرکز موجود تھے جنھیں اپنی اپنی تہذیب وتمدن میں کمال حاصل تھا، یعنی ایشیائے کوچک، جس کے بیشتر حصّے میں یونانی تمدن رائج تھا،

باب ۱

فنیقیہ، شام، بابل و اشور جو سامی تمدن کے گہوارے تھے، مدیہ ایران اور باختر جو آریائی تمدن کے مولد و مسکن تھے، پنجاب جو ہندی تمدن سے متاثر تھا اور مصر جہاں خود اُس کا تمدن سرایت کئے ہوئے تھا۔ ان سب مرکزوں کے علاوہ ایسی قومیں بھی نظر آتی تھیں جو یونانیوں، سامیوں اور آریائیوں سے ملتی جلتی ضرور تھیں لیکن جن کا اُن سے براہ راست کوئی تعلق نہیں تھا، جیسے لیکیہ، لیدیہ، افروجیہ اور کلیکیہ کے باشندے۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ اندرونی توحد، جس کے بدون اس وسیع سلطنت کا استحکام ناممکن تھا، کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی سلطنت جو اتنے مختلف النوع حصوں سے مرکب ہو، محض بیرونی اثرات کی بنا پر قائم نہیں رہ سکتی بلکہ اس کے لئے بعض اخلاقی عناصر کا وجود لازمی تھا۔ پھر دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا ان سب مختلف النوع تمدنوں میں سے کسی ایک کا بول بالا ہونے والا ہے یا ہر ایک اپنے اپنے حلقے میں انفرادی طور پر اثر پذیر رہیگا؛ پھر کیا یہ ممکن تھا کہ ان میں چند تمدنوں کو ایک دوسرے کیساتھ بالکلیہ مخلوط کر دیا جائے؟ اگر سکندر زندہ رہتا تو شاید وہ ارسطاطالیس اور اپنے دوسرے یونانی صلاح کاروں کے مشورے سے عملی سیاسیات کے اُن پیچیدہ مسائل کو حل کر لیتا، بشرطیکہ انھیں اُن کے سلجھاؤ کا خیال ہوتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اُس کے ہمنشینوں میں صرف سلیوکوس ہی ایسا شخص تھا جسے ان کی اہمیت کا اندازہ تھا، اور اُس کے جانشینوں میں سب سے کم عمر اور خود اُسکے برابر تھا۔

لیکن سکندر کی وفات کے بعد ہی بہت جلد اُس کی سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے اور اس کے حل کی مطلق کوشش نہیں کی گئی۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس سلطنت کی تقسیم اندرونی بغاوتوں اور شورشوں کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اس کا شیرازہ محض اُن لوگوں کی باہمی نزاعات اور خود غرضانہ کارروائیوں کی وجہ سے بکھرا جو

اُس کی سلطنت کے گویا مالک بن بیٹھے تھے۔ اس کے مرنے پر نہ تو کوئی اسکا رشتہ دار ایسا تھا جو ہر دلعزیز ہوا اور نہ تخت و تاج کا کوئی مناسب وارث ہی تھا، چنانچہ اُس کی تمام میراث اُس کے سپہ سالاروں ہی کے ہاتھ لگی۔ روشنک حاملہ ضرور تھی، لیکن اگر اُس کے اولاد نرینہ بھی ہوئی تاہم اُس بچّے کی تخت نشینی تک ایک بڑا زمانہ گزر جائے گا، اور اس دوران میں انتظامات کا تعین کرنے کا بار سپہ سالاروں کے کندھوں پر پڑا۔ ان سپہ سالاروں کی کیفیت یہ تھی کہ پچھلی مہمات میں لاثانی فتح حاصل ہونے کے باعث وہ اپنی قابلیت میں بہت کچھ مبالغہ کرنے لگے تھے اور اُن کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ تعامل کرنا بالکل ناممکن ہو گیا تھا؛ دوسرے کسی کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ سکندر اس قدر جلد مر جائے گا، چنانچہ وہ خود بھی اس کام کی تکمیل کرنے کے لئے تیار نہ تھے جسے اتمام کو پہنچانا اس درجہ ضروری تھا۔ بلاشبہ ابتداء میں تو ان میں سے کسی سلطنت کے ٹکڑے کرنے کا خیال بھی نہ ہوا ہو گا، لیکن جو چیز اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس تھی وہ یہ کہ اُسے خود سکندر کے اُصول پر چلایا جائے۔ گو ان سپہ سالاروں میں سے بعض ضرور ایسے تھے جو مرنے والے بادشاہ کے اُصول کو خوب سمجھے ہوئے تھے، لیکن کوئی ایسا نہ تھا جس کا دوسروں پر اثر ہوتا۔ سکندر فاتح بھی تھا اور منتظم بھی؛ اب علاوہ چند مستثنیات کے فتح کا دروازہ تو بالکل بند ہو گیا، لیکن تنظیم کا سوال، جو ابھی آدھا ہی سلجھنے پایا تھا، وہاں کا وہیں رہنے دیا گیا، بلکہ اس کے برعکس ہر سپہ سالار کا فوری اور مخصوص مقصد یہ ہو گیا کہ خود اپنا حلقۂ اقتدار پیدا کرے اور اُسے خود اپنی تدبیروں کا آماجگاہ بنائے۔

لیکن جو مسئلہ فوری توجّہ کے قابل تھا اور جو ہر شخص کے پیش نظر تھا وہ یہی تھا کہ سلطنت کا کام کیسے انصرام کو پہنچے گا، اور اس

باب ۱

بارے میں جو امور قرار پائے اُن کے نفاذ میں بے حد تعجیل سے کام لیا گیا۔ اعیانیت پسند سوار رسالے کے ساتھ متفق ہو کر چھ سربرآوردہ سپہ سالاروں یعنی پردکاس، لیوناتوس، بطلیموس، لیسی ماخوس، فیثون اور ارسطونوئس نے یہ طے کیا کہ اگر روشنک کے بیٹا پیدا ہوا تو اُس کی تولیت کے فرائض کو ایشیا میں پردکاس اور لیوناتوس، اور یوروپ میں انتی پاتر اور کراتیروس ادا کریں گے، لیکن انھوں نے غالباً کسی فوری انتظام کی بابت اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا نہ تھا جو کسی دوسرے کی ماتحتی اختیار کرنا پسند کرتا، اور ہر ایک سمجھتا تھا کہ بالآخر اُسی کا اثر دوسروں کے اثرات پر فائق ہو جائے گا۔ پھر سوال یہ تھا کہ آیا مذکورۂ بالا تصفیہ آئندہ کے لئے کافی ہوگا؟ ممکن ہے کہ آئندہ سرے سے کوئی بادشاہ نہ ہو، اور ہو بھی تو کسی قسم کی متحدہ حکومت کے انتظام کا ذکر بھی نہیں تھا بلکہ اندازہ یہی تھا کہ اس کی بجائے سپہ سالاروں کی ایک اعیانی جماعت برسر اقتدار ہوگی اور یہ بھی ممکن تھا شائد خود سلطنت ہی کے حصے بخرے کر دئے جائیں۔ اس آخری طرز کار کی مخالفت مقدونوی پیدل جتھے نے کی جو نسبتہً کم تر اعیانیت پسند اور زیادہ تر ملوکیت پرست تھے، اور انکی خواہش تھی کہ خانوادۂ فیلقوس کا کوئی رکن فوراً تخت نشین ہو جائے۔ انکی نظر فی الحال سکندر کے ایک علاتی بھائی ارھیدائیوس پر پڑتی تھی جو نیم خبطی سا تھا اور جس نے سکندر کی تخت نشینی سے پہلے کی سیاسی گروہ بندیوں میں تھوڑا بہت حصہ لیا تھا۔ نیم خبطی ہی سہی لیکن ارھیدائیوس کے تخت پر بیٹھنے سے ایک طرح کا امکان تھا کہ تمام سلطنت متفق رہیگی۔ بہر حال ان مختلف النوع خیالات ودعاوی کی وجہ سے سکندر کی لاش پر ایک نہایت ہی بدنما جھگڑا پیدا ہو گیا۔ سپہ سالاروں نے ایک سربرآوردہ مقدونوی مسمی میلیاگروس کو جتھے سے بات چیت

کرنے کے لئے بھیجا، لیکن وہ خود اُس کا ہمنوا بن گیا اور اگر یومنیس مفاہمت نہ کرا دیتا تو ایک شدید جنگ ہو جاتی۔ یومنیس سکندر کا وزیر رہ چکا تھا جس کی وجہ سے اُس کے ذہن میں تو حد سلطنت کا خیال دوسروں کی بہ نسبت زیادہ تھا اور اپنے ساتھیوں کے برخلاف وہ خود کسی رتبے کا خواہاں نہیں تھا۔ بلاشبہ اس چالاک یونانی سے مقدونوی دل سے نفرت کرتے تھے، لیکن وہ وقتی طور پر اُس کی تحریک سے متفق ہو گئے۔ جس قرارداد پر فریقین متفق ہوئے اُس میں جتھے کی خواہشات کا لحاظ رکھا گیا چنانچہ ارھیدایوس فیلقوس کے خطاب سے سریر آرائے مسند شاہی ہو گیا اور پردکاس کو خلیارخ کی حیثیت سے اعلیٰ ترین سیاسی و فوجی اختیارات حاصل ہوئے۔ عوام کا خیال تھا کہ اپنے بستر مرگ پر سکندر نے اپنی مہر کی انگوٹھی اُسے دے کر انصرامِ سلطنت گویا اُس کے سپرد کر دیا ہے۔ چونکہ زمام حکومت اس طرح ایک شخص واحد کے قبضے میں آگئی اس طرح یہ قرارداد فی الجملہ سپہ سالاروں کی تحریک سے بہتر تھی۔ نئے خلیارخ نے سب سے پہلے تومیلیاگروس کا کام تمام کیا اور اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو نئے انتظام سے مطمئن کرنے کی کوشش کی[۱]۔ اس نے

[۱] بیتا دیوس کی ایک غلطی کی وجہ سے سکندر اصغر کو بھی ائے گوس کہتے تھے، دیکھو ڈروائے سن ۲، ۱، ۱۳۔
پردکاس نے سکندر کی یادداشتوں سے اُس کی تجاویز متعلق جنگ، مذہب و تمدن کا اعلان کیا لیکن فوج نے اُسے منظور نہیں کیا۔ دیودوروس ۸، ۱، ۴۔
سکندر کی موت سے تھوڑے عرصے پہلے ارسطاطالیس نے اُسکے سیاسی خیالات پر اثر ڈالنے کی کوشش کی، اور نسن Nissen کا خیال ہے

باب "محافظ سلطنت" کا خطاب لے کر جس سے اعلیٰ ترین اختیارات

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ ("ارسطاطالیس کی سیاسی تحریریں" Die Staatsschriften des Aristoteles; Rhein. Mus. سنہ ۱۸۹۲ء ص ۱۶۱ ۲۰۶) کہ یہ کتاب "ایتھنزی دولت عامّہ" Athenaion politeia سے ظاہر ہوتا ہے جو ۳۲۳ ق م کے اوائل میں شائع ہوئی تھی۔ گمان کیا جاتا ہے کہ ارسطاطالیس کی خواہش تھی کہ سکندر یونانی "پولس" یا شہری مملکت کو ایک عظیم الشان آزاد مملکت کا مرکز بنادے۔

عہدوں اور صوبوں کی تقسیم:۔ ڈرواسے سن ۲، ۱، ۱۳ وغیرہ؛ رائیخے: "سکندر کی موت کے بعد واقعات بابل" Aem Reiche: De rebus post Al. Mortis Babyl. gestis سنہ ۱۸۸۷ء؛ بالخصوص سانتو: "صوبوں کی تقسیم سکندر کی وفات کے بعد" Szanto: Die Ueberlieferung der Satrapienviertel nach Al. Tode جریدہ اثاریات وغیرہ آسٹریا Arch.-epig. Mittheil aus Desterreich ۱۵، ۱۔ باوجودیکہ ہمارے پاس اس واقعے کے چھ بیانات دیودوروس، جسٹن، کرتیوس، آرین، دیکسی پوس اور اوروزیوس کے قلم سے موجود ہیں، تاہم بہت سے امور ایسے ہیں جن میں ابھی تک وضاحت کی ضرورت ہے، اور ان میں پردکاس کا خطاب "محافظ سلطنت" بھی شامل ہے۔ ڈرواسے سن (۲، ۱، ۲۳) کا خیال ہے کہ اُس کا خطاب "منتظم مطلق العنان" تھا اور یہ وہی خطاب ہے جو اُس کے جانشین انتی پاتر کو دیا گیا (دیودوروس ۱۸، ۳۹)۔ دیودوروس (۱۸، ۲) اسے "منتظم سلطنت" کہتا ہے، اور دیکسی پوس "سرپرستی سلطنت" اور "قیادت سلطنت" کراتیروس کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اس لقب کا صحیح مطلب ظاہر کرنے کے لئے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ بطلیموس چہارم کی صغرسنی کے ایام میں اگاتھوکلیس اور سوسی بیوس، جو اُس کی جگہ مصر پر حکومت کرتے ہیں، انھیں پولی بیوس (۵، ۶۳) "قائدین سلطنت" کا لقب دیتا ہے۔ دیودوروس ۱۸، ۳ میں پردکاس کی طرف "سیادت کُلّی"

باب	کی طرف ایک قسم کا اشارہ تھا) اپنی جگہ سلیوکوس کو خیلیارخی کے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ منسوب کی جاتی ہے، جس سے وضاحت نہیں ہوتی۔ ان سب باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نہ صرف لقب بلکہ پردکاس کے مناصب کا بھی پورے طور پر تعین نہیں ہوا تھا، اور یہ کیفیت حالات و واقعات کے بالکل مطابق تھی۔ واقعی بادشاہ بھی اپنے اقتدار کا مظاہرہ حتی الامکان اپنے افعال سے کرتے تھے اور یہی حالت اُن کے قائم مقاموں کی تھی۔ لیکن اس موقع پر ابہام کے دو اسباب تھے۔ اوّل تو ایسے عہدہ داروں کے اختیارات کا تعین کرنا مشکل تھا جن میں آپس میں اختلاف ہو اس لئے کہ یہ سب عہدہ دار ایک ایسے نظام کے تحت مقرر کئے گئے تھے جس کا نفاذ اب ہونے والا تھا؛ دوسرے فریقین میں سے کسی کی خواہش نہ تھی کہ ابھی فی الفور اختیارات و مناصب کا صحیح تعین ہو جائے۔ یہ بمنزلہ ایک عارضی صلح کے تھا جسے ہر شخص جلد از جلد موقع پا کر توڑنے کے لئے تیار تھا، اور اسی لئے اہم ترین امور کو تاریکی میں رکھا گیا تھا، چنانچہ یہ بالکل ممکن تھا کہ مقدونوی لشکر کی سپہ سالاری کی بابت تنازعات پیدا ہو جائیں چونکہ اقتدار اعلیٰ کا دار و مدار مقدونوی لشکر پر تھا، ہر ایک سپہ سالار، "ایپی ملی تیس" استراتےگوس یا صوبہ دار صرف اسی حد تک صاحب اقتدار تھا جس حد تک فوج اُس کے احکام کی تابع تھی۔ صورت حال تقریباً ویسی ہی تھی جیسی جرمانیوں کے ترک وطن کے زمانے میں۔

انتی گونوس کی حیثیت بہت اہم اس لئے تھی کہ وہ ایسے صوبے پر حکمران تھا جہاں پہنچ کر راستے پھٹتے تھے اور اندرون ایشیا کو جاتے تھے، اور اس طرح ایشیا اور مقدونیہ کے باہمی رسل و رسائل کی کنجی اُسی کے قبضے میں تھی۔ یہ طے پایا تھا کہ فیلقوس ارھید ایوس اپنی شادی پکسوداروس والی کاریہ کی بیٹی سے کرے گا، لیکن پھر سکندر کی نگاہ اُس پر پڑ گئی، اور بالآخر اُس نے ایک ایرانی سے نکاح کر لیا؛ ڈرواسے سن ا، ا، ۹۶۔

باب ۱

عہدے پر فائز کیا جس کا جائزہ لیتے ہی موخّر الذکر نے انتی پاتر کے بیٹے کاساندر کو اپنا شریک مقرر کیا۔ اسی طرح دوسرے سرداروں کو مختلف صوبے سپرد کر کے خوش کیا گیا، اور وہ نہ صرف پہلے کی بہ نسبت زیادہ آزاد ہو گئے بلکہ کم از کم فی الوقت پردکاس ان کا سدراہ بھی نہیں رہا۔ بطلیموس نے مصر مانگا اور یہ صوبہ اُسے مل گیا۔ اُس نے پردکاس کی تحریک تقسیم صوبہ جات کی اسی لئے تائید کی تھی کہ یہ صوبہ جس کا انتظام نسبتہً آسان تھا، اُسے مل جائے۔ وہ اپنے اکثر ساتھیوں سے زیادہ عقلمند تھا، چنانچہ اُس نے کبھی تمام سلطنت یا اُس کے بیشتر حصّے پر دانت نہیں جمائے۔ اسی طرح شام پر لاؤمیدون، کلیکیہ پر فلوتاس، افریقیۂ عظمیٰ پر انتی گونوس (جو اس حصّے پر پہلے ہی سے قابض تھا) ہیلیس پونتی افروجیہ پر لیوناتوس، تھریس پر لیزی ماخوس، اور کاپادوسیہ و پیفلاگونیہ پر یومنیس (جو پردِکاس کے ساتھیوں میں سے تھا) فائز ہوئے۔ ابھی تک مُلک کاپادوسیہ وہاں کے ملکی حکمران آریاراتھیس ہی کے قبضے میں تھا، اور سلطنت میں اُس کا الحاق کرنا ابھی باقی تھا۔ مقدونیہ خاص انتی پاتر کو دیا گیا، نیز یونان کی نگرانی کا کام بھی سپرد کیا گیا اور کراتیروس کو "محافظ سلطنت" کا خطاب دیا گیا۔ سلطنت کا مشرقی حصّہ پہلے کی طرح پرانے صوبہ داروں ہی کے متعلّق رہا۔ سکندر کی موت پر جو کچھ لشکر میدان میں تھا وہ سب پردکاس کی اعلیٰ ترین کمان میں دے دیا گیا، لیکن ساتھ ہی مختلف مقدونوی سپہ سالاروں کو بھی فوجی دستے حوالے کئے گئے، اور وہ

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ عہدوں کی تقسیم کے لئے دیکھو نیز ۱۹۵/۱۹۹ ۱۔ "نوآبادیوں کے قیام اور بت خانوں کی تعمیر کا خیال سکندر کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اب ان سے برآئندہ کر دیا گیا"۔ (دیکھو ڈرواسے سن، ۸ ۱۹)۔

اس قدر تعداد میں کہ شائد خود سکندر اس کا روادار نہ ہوتا۔ ان دستوں کے قیام کی وجہ سے وہ قدیم ایرانی صوبہ داروں کے مماثل ہو گئے، لیکن اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو توحّد کے اُصول سے گریز اس سے بھی زائد تھا اس لئے کہ یہ صوبہ دار مقدونوی تھے جو مقدونوی سپاہیوں کی گویا افسری کرتے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ مقدونوی لشکر کی کمیان کی تقسیم گویا سلطنت ہی کی تقسیم کا پیش خیمہ تھا، اور اس میں کسی قسم کا توحّد قائم کرنے سے پہلے ضرورت اس بات کی تھی کہ نئے صوبہ داروں کے اختیارات میں کمی کی جائے۔

اسی دوران میں روشنک کے بطن سے (جس نے اس سے پہلے سکندر کی دوسری بیوی یعنی دارا کی بیٹی استاتیرہ کو جان سے مروا ڈالا تھا) ایک فرزند تولد ہوا جس کی بادشاہی کا فوراً اعلان کر دیا گیا، اور جسے سکندر کے نام سے شاہ فیلقوس کے بازو میں جگہ ملی۔ یہ بالکل بیّن تھا کہ ایک نیم خبطی اور ایک شیر خوار بچہ ایسی سلطنت پر کسی طرح حکومت نہیں کر سکتے تھے جس میں سیکڑوں مختلف عناصر پائے جاتے ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کے جنازے کے آخری رسوم میں ان ہی سب واقعات کے باعث سخت تعویق ہوئی تھی۔

سکندر کی وفات سے یونانیوں کو موقع ہاتھ آیا اور انھوں نے مشرق اور مغرب دونوں میں بغاوت کر دی۔ سب سے پہلے تو مشرق میں اُن بیس ہزار پیدل سپاہ نے، جسے سکندر نے جیحون و سیحون کے کنارے پر آباد کیا تھا، علم بلند کر دیا اور مغرب کی طرف اپنے وطن مالوف کی طرف چل دئے۔ اس پر پردکاس نے اُن کے مقابلے کے لئے فیثون کو روانہ کیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اُن میں سے ہر ایک متنفس کو قتل کر دے۔ اُس نے باغیوں کو

باب ۱

شکست تو دے دی لیکن اُن کے قتل عام سے باز آیا۔ تاہم اسی اثناء میں جب وہ اُن کی جان بچانے والا ہی تھا، مقدونوی سپاہی اُن پر ٹوٹ پڑے اور ان میں سے ایک ایک کو قتل کر ڈالا تاکہ مال غنیمت پر حسب دلخواہ قبضہ ہو سکے ۲؎

اس سے بھی زیادہ خطرناک خود دیار یونان میں یونانیوں کی بغاوت تھی، جس میں ایتھنز اور ایتولیہ نے بےچین عناصر کی سرکردگی کی۔ سکندر کے حکم سے جو جلاوطن شہری واپس آئے تھے اُنکی واپسی کی وجہ سے انھیں دو مملکتوں کو سب سے زیادہ نقصان پہنچتا تھا، اور یہی دو ایسی تھیں جنھیں آزادی کا احساس نسبتہً زیادہ تھا، گو اس احساس کے اسباب جدا گانہ تھے۔ ایتھنز تو اس لئے آزادی کا دلدادہ تھا کہ ابھی تک اُسے اپنی پرانی عظمت کی یاد تازہ تھی اور وہی یونان میں سب سے زیادہ متمدّن مملکت گنی جاتی تھی، اور ایتولی ابھی تک نیم بربری تھے، چنانچہ وہ کسی کا دست نگر رہنا پسند نہیں کرتے تھے۔ الغرض سکندر کی موت کے بعد یونانیوں کی عام حالت کچھ ایسی یاوس کن نہیں تھی، اور ایتھنز کے پاس جو وسائل جنگی تھے وہ پچھلے چند سال سے کہیں بہتر تھے۔ ایک ایتھنزی مسمی لیوس تھنیس یونانی اجیر سپاہیوں کے ایک بڑے لشکر کو ایشیا سے یورپ لایا اور راستے میں اُسے راس تنئے نا روم لے گیا جو اس قسم کے جانبازوں کا ہمیشہ سے آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے اپنی خدمات اپنے وطن مالوف کے سامنے مقدونیہ کے خلاف فوج کشی کے لئے پیش کیں۔ اُدھر ایتھنز ہارپالوس کے پسماندہ روپے کے ذریعے سے، جس کی واپسی کا

۲؎ باختر میں یونانیوں کی بغاوت؛ ڈرواے سن ۲، ۱، ۲۴؛ نیز ۲، ۱۹۹، ۲۰۰۔

ابھی تک کوئی سوال نہیں اُٹھایا گیا تھا، اجیر سپاہی با آسانی مہیّا کر سکتا تھا، گو اس رقم کی مقدار کچھ ایسی زیادہ نہ تھی۔ الغرض آٹھ ہزار تجربہ کار سپاہی فوج میں بھرتی ہو گئے جنھیں لیوس تھنیس ایتولیہ ہو کر لے گیا۔ ایتولیہ میں اُسے سات ہزار اور مل گئے اور اب متحدہ افواج نے مقدونیہ کے خلاف تھرموپلی کا رُخ کیا۔ اس کے علاوہ ایتھنزیوں نے تمام یونانیوں کو دعوت دی کہ وہ مسلّح ہو کر آزادی کے علم کے نیچے جمع ہوں۔ ابتدا میں تو بہت سے شمالی یونانیوں نے اس کے جواب میں لبّیک کہا۔ چونکہ انتی پاتر کے لشکر کی تعداد صرف پندرہ ہزار تھی اس لئے یونانیوں کو کامیابی کی تھوڑی بہت امید تھی، اور یہی وجہ تھی کہ اس جنگ کو "جنگ یونان" کہنا کچھ ایسا نامناسب نہیں تھا۔ انتی پاتر کو امید تھی کہ اُسے کراتیروس کی پوری مدد ملے گی، لیکن موخر الذکر ابھی تک ایشیا ہی میں تھا (جلد ۳، باب ۲۶)۔ انتی پاتر کی قوّت کا تمام و کمال دار و مدار اُس کے بیڑے اور وافر خزانہ و وسائل پر تھا، بہر حال ابتدا میں تو سب باتیں حسب دلخواہ طے پائیں۔ بیوٹی مقدونیہ کے ہمنوا تھے، چنانچہ اُنھوں نے ساڑھے پانچ ہزار شہریوں اور دو ہزار اجیر سپاہیوں کی فوج کو لے کر اُن کی مدد سے ایتھنزیوں کو شمال کی طرف پیشقدمی کرنے سے روک دیا۔ لیکن لیوس تھنیس فوراً تھرموپلی سے نکل کر اُن پر ٹوٹ پڑا اور انھیں پلاٹیہ کے میدان میں شکست دے دی۔ اس کے بعد تھرموپلی کے درے پر انتی پاتر کی مختصر فوج کو تھسالوی سواروں کی دغا کی وجہ سے ایتھنزیوں کے ہاتھوں پھر شکست پہنچی اور انتی پاتر کو قلعۂ لامیہ میں، جو سپرخیوس کی وادی میں واقع تھا، پناہ گزین ہونا پڑا۔ اُس نے اس قلعے کی نہایت ہی قابلیت کے ساتھ حفاظت کی اور ابتداء میں اپنے حریفوں کو شمال کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔ اسوقت

تک یونانیوں کو ہر جگہ کامیابی ہی کامیابی ہوئی تھی، اور اب اُنھیں یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنے اُن ہموطنوں کو بھی بغاوت میں شمول کی ترغیب دی جائے جنھوں نے اس وقت تک اس تحریک میں کوئی حصّہ نہیں لیا ہے۔ اوّل تو ایتھنزی سفیروں نے کوشش کی کہ پیلوپونیزی ان کے ساتھ مل جائیں، اور جلاوطن دیموس تھنیس کی تائید سے اُنھیں اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ لیکن پیلوپونیزیوں نے زبانی جمع وخرچ کے علاوہ عملاً کچھ نہیں کیا، اور جنگ خئیرونیہ کی طرح اُنھوں نے اپنی شکل بھی نہیں دکھائی۔ شائد اس کی وجہ یہ تھی کہ اکروکورنتھوس کا مقدونوی دستہ اُنھیں ایک خوفناک سدِّ راہ معلوم ہوتا تھا۔ لیوس تھنیس نے متواتر چھاپوں کے ذریعے سے لامیہ پر قبضہ کرنا چاہا، لیکن نہ صرف اُسے کامیابی ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ وہ خود بھی میدان کارزار میں کام آیا۔ اس کے بعد بجائے اس کے کہ ایتھنزی فوکیون کو، جو واقعاً اس عہدے کے لئے مناسب ترین شخص تھا، اس کا جانشین مقرر کرتے، اُنھوں نے ایک دوسرے شہری مسمّی انتی فلیوس کو سپہ سالار مقرر کیا اور ساتھ ہی دیموس تھنیس کو بھی جلاوطنی سے واپس بلا لیا۔ جس وقت یہ خطاب ساحل ایتھنز پر اُترا ہے تو اسے نہایت ہی جوش وخروش سے خوش آمدید کیا گیا، اور چونکہ ابھی تک اُس کا جرمانہ ادا نہیں ہوا تھا اس لئے قرار پایا کہ زیوس سوتر کی قربان گاہ کی تزئین پر جو روپیہ خرچ ہوا ہے وہ اسی کے متعلق قرار دیا جائے۔ لیکن اس کے بعد یونانیوں کو جنگ میں کامیابی نہیں ہوئی۔ انتی پاتر نے پروکاس کی ہدایت کے بموجب کاپادوسیہ یومنیس کے لئے فتح کرنے کے بجائے لامیہ پر حربہ کرنا مناسب سمجھا، اور اب اُس کی مدد کے لئے لیوناتوس بھی آگیا۔ لیکن وہ پہلے ہی حملے میں

مقتول ہوا۔ اب انتی پاتر نے فوراً ہی اُس کے سپاہیوں کو اپنی ماتحتی میں لے لیا، اور اپنی قوت میں اس جدید اضافے کی وجہ سے وہ خیال کرنے لگا کہ وہ لامیہ کے محاصرے اور تھسلی و مقدونیہ کے میدانوں دونوں کے لئے تیار ہے۔ اب کراتیروس بھی انتی پاتر کے کیمپ میں آگیا، چنانچہ متحدہ افواج کی تعداد دشمن کے لشکر سے بڑھ گئی، اور یہ سب مل کر کرانون کے مقام پر یونانیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس لڑائی میں یونانیوں کے طرفدار تھسالوی سواروں نے مقدونوی سواروں کو شکست دی، لیکن آخر کار مقدونوی جتھے نے یونانیوں کو نیچا دکھا دیا (۳۲۲ قم)۔ اس میں شبہہ نہیں کہ یونانیوں کے لئے یہ ایک بڑی روک تھی۔ لیکن اس کا بدل ناممکن نہیں تھا، اور یونانیوں کی مایوسی کی اب بھی کوئی وجہ نہیں تھی۔ لیکن اُنھوں نے یہی مناسب سمجھا کہ فریق ثانی سے صلح کے لئے گفت و شنود کی ابتدا کریں، اور جب انتی پاتر نے کمال ہوشیاری سے یہ اعلان کیا کہ وہ یونانیوں کی کسی لیگ کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اس کی بجائے وہ ہر یونانی ریاست سے فرداً فرداً گفتگو کرنے کے لئے تیار ہے، تو لیگ کا خاتمہ کر دیا گیا اور مختلف دستوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔ الغرض تھسلی کا مقدونیہ میں الحاق کر دیا گیا، اور ایتھنز نے بھی دوسری ریاستوں کی طرح علحدہ گفتگو شروع کر دی۔

اسی دوران میں مقدونوی بیڑے نے دریائے اخے لاؤس کے دہانے پر ایخی نادائے کے قریب شکست دی اور رھامنوس آکر لنگر ڈال دیا جس کی وجہ سے ایتھنزی اور بھی زیادہ خوف زدہ ہو گئے۔ الغرض ایتھنزیوں نے فوکیون کو سفارت پر روانہ کیا، اور دوسری سفارت میں اکادمی کے صدر زینوکراتیس ساکن خالکدون نے بھی، جس کی عزت مقدونوی بھی

کرتے تھے، حصہ لیا۔ انتی پاتر کی شرائط نہایت سخت تھیں، یعنی یہ کہ ایتھنز ہی مقدونیہ کے مخالف فریق کے رہبروں کو مقدونیہ کے حوالے کردیں اور اپنے دستور میں مقدونیہ کی مرضی کے مطابق تبدیلیاں کردیں۔ آخرکار ایتھنز کو ہتھیار ڈال دینے پڑے، لیکن جن مدبروں کو انتی پاتر نے طلب کیا تھا وہ سب کے سب فرار ہو گئے۔ ستمبر ۳۲۲ ق م میں مقدونوی سفیروں نے مونی خیہ کے قلعے پر قبضہ کرلیا۔ خود ایتھنزیوں نے فرار شدہ شہریوں کو سزائے موت کا مستحق قرار دیا، اور انتی پاتر نے ان کی تجویز کی تعمیل کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ ان میں سے بعض (مثلاً ہی پریدیس) ائی گینا کے حرم ایاکوس میں گرفتار ہوئے اور انکا بمقام کلیونائے کام تمام کردیا گیا۔ دیموس تھنیس کالوریہ بھاگ گیا، جہاں اس کا تعاقب ایک ایکٹر آرخیاس ساکن تھوری نے کیا جو انتی پاتر کا معتمد علیہ تھا، اور اس نے دھمکیاں دے کر اور وعدہ وعید کر کے یہ سمجھایا کہ مناسب یہی ہے کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ دیموس تھنیس نے اوّل تو اسے اس کے کمال کے بیکار ضائع جانے کے طعنے دئیے اور پھر آخرالامر زہر کھاکر خودکشی کرلی۔ الغرض اس طرح ان لوگوں کو چن چن کر، جنھوں نے آزادی کے احساس کو زندہ رکھا تھا، راستے میں سے ہٹا دیا گیا، اور مقدونیہ کی مخالفت کا جذبہ بالکلیہ مردہ کر دیا گیا۔ اب جبکہ نہ فیلقوس باقی تھا نہ سکندر، جو تہذیب و تمدّن کی نشر و اشاعت کرنے، یہی لوگ ایک نہایت قابل تعریف کام انجام دے رہے تھے۔ انتی پاتر نے دستور ایتھنز میں یہ تبدیلیاں کرنی چاہئیں کہ حقوق شہریت آئندہ صرف انھیں ایتھنزیوں کو حاصل رہیں جو بیس مینائے یعنی دو ہزار درہم کی جائداد پر قابض ہوں، اور اس تبدیلی کو دستور ایتھنز کے احیاء کا لقب دیا گیا۔ ان لوگوں میں سے، جن کے حقوق سلب

باب

کئے گئے تھے، بہت سے تھریس چلے گئے۔ اپنے خارجی مقبوضات میں سے ایتھنز کو اور ویوس، امبروس اور ساموس چھوڑ دینے پڑے، اور اُن کے حقدار مالکوں نے آکر اُن پر قبضہ کر لیا۔ ایتھنز خود لیمنوس پر برابر قابض رہا۔ الغرض یونانیوں کی فن حرب میں وہ مہارت کام نہیں آئی جو انھیں سنین ماضیہ میں حاصل ہو گئی تھی اور ہمارے نزدیک اس ناکامی کا اصلی باعث فوجی ناقابلیت نہیں بلکہ سیاسی نااہلیت تھی۔ اُن کے اتحاد واتفاق کا طمطراق ایک واحد حملے کی تاب بھی نہ لا سکا تھا اور مقدونیہ کے قابل ترین دشمن راستے میں سے ہٹا دئے گئے تھے۔ انتی پاتر کو یہ خیال ضرور ہوا ہو گا کہ اگر میرے ممتاز مخالفوں کا خاتمہ کر دیا گیا تو میں محفوظ و مامون ہو جاؤں گا، چنانچہ اب فاتحوں نے اپنے اتحاد کو باہمی مناکحت و ازدواج کے ذریعے سے مستحکم کر لیا یعنی کراتیروس نے انتی پاتر کی لڑکی فیلہ سے شادی کر لی۔[۳۰]

---

۳۰ جنگ لامیہ؛ ڈرواسے سن، ۲، ۱، ۴۹ وغیرہ؛ کرافٹ Krafft. پاؤلی کی محیط المحیط جلد ۴، ۲۴۷ تا ۲۴۷ میں؛ شیفر: "جنگ لامیہ" Schaeffer; Der lamische Krieg گیسن، ۱۸۸۶ء۔ نیز دیکھو ہرمان: "مملکت قدیمہ" اشاعت ٹومزر Thumser ۱۳۴؛ شیفر: "دیموس تھنیس" ۳، $\frac{۳۵۱}{۳۹۷}$۔

ایتھنزیوں کا خوددارانہ حکم، جس کی اہمیت کا ڈرواسے سن بھی اندازہ کرتا ہے؛ دیودوروس ۱۸، ۱۰۔ نیز مقابلہ کرو "مجموعہ نوشتہائے اٹیکا" C. I. Att. جلد ۲، ۱۸۴۔

لیوس تھنیس ایتھنزی تھا؛ دیودوروس ۱۸، ۹۔ اب سے کچھ مدت پہلے عام خیال یہ تھا کہ یہ وہی لیوس تھنیس ہے جو فن خطابت اور فن سپہ سالاری میں ممتاز تھا اور جو ۳۶۱ق م میں مقدونیہ بھاگ گیا تھا (شیفر: "دیموس تھنیس" ۱، ۱۳۳)، لیکن اب اس خیال کا کوئی پیرو نہیں رہا، اور یہاں ہمیں یہ بھی یاد

باب ۱ — ایتولیہ والوں نے ابھی تک اطاعت قبول نہیں کی تھی چنانچہ

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ رکھنا چاہیئے کہ ۳۶۱ سنہ ق م کا سپہ سالار شائد اب ۳۲۲ سنہ ق م میں اتنا بڑھا ہوتا کہ وہ جنگ لامیہ میں کوئی ممتاز حصّہ بمشکل لے سکتا؛ دیکھو شیفر: "دیموس تھنیس" ۳، ۳۷۵۔ لیکن اس میں بھی شبہہ نہیں کہ فوکیون بھی ۴۰۲ سنہ ق م کے قریب ہی قریب پیدا ہوا تھا اور ۳۲۲ سنہ میں وہ بہت معمر تھا، تاہم لیوس تھنیس کے بعد فوکیون اُس کا جانشین مقرر رہوا؛ چنانچہ ممکن ہے کہ ۳۲۲ سنہ ق م والا لیوس تھنیس وہی ہو جس کا ذکر ۳۶۱ سنہ ق م میں پڑھنے میں آتا ہے۔

ہی پریوس کا خطبہ جو اُس نے لیوس تھنیس اور اس کے ساتھیوں کے جنازے پر پڑھا تھا؛ شیفر: "دیموس تھنیس" ۳، ۳۷۵۔

دیموس تھنیس کی وفات؛ شیفر: "دیموس تھنیس" ۳، ۳۹۴ - وہ ۱۶ مہ پیانیپسیون، اولمپیاد ۱۱۴، ۳ یعنی ۱۲ مہ اکتوبر ۳۲۲ سنہ ق م کو مرا۔ اُس نے اپنے طویل سیاسی زندگی میں فیلقوس کی جس شدت کے ساتھ مخالفت کی اس کی وجہ سے ایتھنز اور اُس کے حلیفوں کی عزّت ہمعصروں اور زمانۂ مابعد کے مورخوں کے دل میں پیدا ہو گئی، چنانچہ اُس کا وطن اس کے ساتھ جو کچھ نہ کرتا تھوڑا تھا، گو یہ بھی ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ بعض مرتبہ وہ نہایت لغو کارروائیاں کر کے اپنے شہر کو بدنام کرنے میں بھی کسر نہیں چھوڑتا تھا۔ لیکن ہمارے نزدیک اُس کی مقدونیہ کی آخری مخالفت ہر آئین تعریف کے قابل ہے - انتی پاتر کے ساتھ جنگ، وہ انتی پاتر جس کا مقصد بالکلیہ وہی تھا جو دیموس تھنیس بالکل غلط فیلقوس کے ساتھ منسوب کیا کرتا تھا، یعنی ایتھنز کی تسخیر، یہ جنگ نہ صرف انصاف کے مطابق اور مدح سرائی کے قابل تھی بلکہ اس جنگ میں کامیابی کی بھی امید تھی، اور اس جنگ میں دیموس تھنیس نے جو بھی کوششیں کیں اُن سے اُس کی زندگی کا اختتام نہایت قابل تعریف انداز سے ہوا۔ بڑے بڑے سیاست دانوں،

باب

اب اُن کی باری آئی؛ لیکن ایشیائی معاملات اور سپہ سالاروں کے مابین سیادت کے مسئلے کے الجھاؤ نے ہر شخص کی توجہ مبذول کرلی تھی، ذی اقتدار لوگوں کے درمیان جو جھگڑے خفتہ تھے وہ اب بیدار ہوگئے۔ پردکاس چاہتا تھا کہ سلطنت کی وحدت کے اُصول پر زور دے جس کا وہ گویا قائم مقام تھا، لیکن اُس کے دوسرے ساتھی اسے پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ اُس کے اور اُن صوبہ داروں کے مابین اختلافات پیدا ہوگئے جنھوں نے اپنے اپنے صوبوں میں تقریباً آزاد حکومت قائم کرلی تھی اور محافظ سلطنت کے لئے صرف عام نگرانی کا شعبہ چھوڑ دیا تھا۔ اپنی خودمختاری میں سب سے زیادہ غلو انتی گونوس والیٔ افروجیہ اور بطلیموس والیٔ مصر کو تھا۔ ان میں سے اوّل الذکر نے کاپادوسیہ کو فتح کرنے کے لئے فوج مہیا کرنے سے قطعاً انکار کردیا، چنانچہ یومنیس پہلے سے بھی زیادہ پردکاس کا دوست اور ہمنوا بن گیا اور اُس نے پردکاس کو بہت سی ایسی باتیں بتائیں جو لیوناتوس نے اُسے رازمیں بتائی تھیں۔ اب انتی پاتر کو معلوم ہوا کہ لیوناتوس صرف اسی لئے یورپ نہیں گیا تھا کہ انتی پاتر نے اس سے مدد چاہی تھی بلکہ واقعہ یہ تھا کہ سکندر والیٔ ایپائروس کی بیوہ یعنی سکندر اعظم کی بہن کلیوپاترا نے (جو سیاسیات میں حصّہ لینے کی دل سے خواہاں تھی) اُسے شادی کا

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ جیسے اوکونل، گلیڈسٹن اور دیموس تھنیس کے انفرادی افعال ہمیشہ اعلیٰ ترین نہیں ہوتے، اور جب کبھی وہ اپنے معیار سے گرجائیں تو ہمیں انکی تخریب کا پورا پورا حق حاصل ہے؛ لیکن دیموس تھنیس جیسا شخص اپنی زندگی کا خاتمہ ایسے انداز سے کرتا ہے جو اُسکے تمام پیشرو افعال کے مطابق ہے، تو پھر ہم اُسکی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُس نے ایک اعلیٰ مطمح نظر کی قربان گاہ پر اپنے آپ کو چڑھادیا۔

باب ۱

پیام بھیجا تھا۔ یہ وہ باتیں تھیں جو لیوناتاس نے کاپادوسیہ کی فتح میں مدد نہ دینے کے عذر کے طور پر یومنیس کو راز میں بتائی تھیں۔ اس کے بعد بجائے اس کے کہ لیوناتوس یومنیس کی براہ راست یا بالواسطہ مدد کرتا، وہ تھوڑے سے سپاہی اور بہت سارو پیہ لے کر پردکاس کے پاس بھاگ گیا، اور اس نے واقعات کا صحیح اندازہ کر کے یہ فرض کر لیا کہ اگر پردکاس کو کلیوپاترا اور لیوناتوس کے راز و نیاز کا علم ہو گیا تو اُسے بہت کچھ مدد مل سکے گی اس لئے کہ جو شخص بھی کلیوپاترا کا شوہر ہو گا اُس کی اہمیت میں معتدبہ اضافہ ہو جائے گا۔ بہر حال پردکاس یہ قصہ سُن کر یومنیس کا دل سے ممنون ہو گیا اور اس کے بعد ہر بات میں اُس کی رائے لینے لگا۔ اس اتحاد کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں نے مل کر اریارتھیس شاہ کلیکیہ کو مغلوب کر لیا جس کے بعد (۳۲۲ ق م میں) یومنیس پردکاس کے ساتھ کلیکیہ میں رہ پڑا۔ لیوناتوس کی موت کے بعد پردکاس نے انتی گونوس کو مقدونیوں کی عدالت کے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا (جس سے مُراد دراصل خود پردکاس کی فوج کے سامنے انتی گونوس کی حاضری سے تھی) تاکہ وہ اپنی حرکات کا جواب دے؛ ساتھ ہی افروجیہ کا راستہ صاف کرنے کی غرض سے اُس نے لارانده اور ازورا کے شہروں پر قبضہ کر لیا جو اُس وقت تک آزاد تھے۔ اس کے بعد وہ اس سے بھی زیادہ پیچیدہ امور طے کرنے کے لئے تیار ہوا جس کی وجہ سے مقدونیوں کے مابین تنازعات پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئے۔

اس وقت تک جملہ امور کا دار و مدار سپہ سالاروں ہی پر تھا، جو ہمیشہ ایک دوسرے سے پرخاش رکھتے تھے اور کسی دوسرے نواح سے ان میں سے کسی کو مدد نہیں ملی تھی لیکن

باب

اب خاندان شاہی میدان سیاسیات پر دوبارہ نمودار ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر اس خاندان کے افراد اب بھی خاموش رہتے تو یہ یقیناً نہایت تحیر آفریں ہوتا۔ اس طرف پہلا قدم کلیوپاترا نے اُس وقت بڑھایا جب اُس نے لیوناتوس کو شادی کا پیام دیا، اور اس میں شبہہ نہیں کہ اولمپیاس نے بھی اس طرف ضرور اشارہ کیا ہوگا۔ لیوناتوس کی موت کے بعد یہ بوڑھی ملکہ میدان سیاسیات میں علی الاعلان نمودار ہوتی ہے اور اب کلیوپاترا کو پردکاس کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اس سے ذرا پہلے پردکاس نے انتی پاترا کی بیٹی نقیہ کے ساتھ شادی کی تھی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ دوسرے نکاح کے منافی نہیں ہوسکتی تھی اور اولمپیاس پردکاس کے فائدے ہی کو ملحوظ رکھنے پر مجبور تھی۔ لیکن قبل اس کے کہ وہ اس مسئلے کو طے کرے، اُسے ایک اور اشکال کا سدباب کرنا ضروری تھا۔ خاندان شاہی کی بیگمات میں اولمپیاس اور کلیوپاترا سے زیادہ کوئی حوصلہ مند نہ تھی۔ فیلقوس کی بیٹی سی نانہ جو ایمن تاس کی بیوی تھی اور جو موخرالذکر کے باپ پردکاس کی موت کے بعد ۳۵۹ ق م میں دعویدار تخت و تاج ہوسکتی تھی، اپنی بیٹی یوریدکیس کا فیلقوس ارصیدایوس کے ساتھ نکاح کرکے اُسے ملکۂ مقدونیہ بنانا چاہتی تھی، اور اگر اُس کی چال چل جاتی تو اس کا رتبہ اولمپیاس کی بیٹی سے پردکاس کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد بھی بڑھا ہوا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ پردکاس اس مناکحت کے خلاف تھا، اس لئے کہ فیلقوس جیسے نیم خبطی بادشاہ کا ایک چالاک عورت کے ساتھ شادی کرنا خالی از خطرہ نہ تھا۔ الغرض جب سینانہ یوریدیس کو لے کر فوج سمیت تھریس میں ہوکر ایشیا آئی تو پردکاس نے اپنے بھائی الکستاس سے اُس پر حملہ کرادیا اور اُس نے سینانہ کے ٹکڑے اڑادئے۔ لیکن اس کی کامیابی کا

اس جگہ خاتمہ ہوگیا، اور اُس کے سپاہیوں نے اُسے مجبور کیا کہ وہ یوریدیس اور بادشاہ کی مناکحت میں مانع نہ ہو۔ بہر حال اسکے بعد اُس نے خود بھی اپنے نکاح کا معاملہ آگے بڑھایا اور فوراً کلیوپاترا سے نکاح کرلیا جو اُس وقت سارڈس میں مقیم تھی۔ اُس کی دوسری منکوحہ یعنی انتی پاتر کی بیٹی اب اپنے مائیکے چلی گئی۔

ان سب واقعات نے مقدونیوں کے باہمی تنازعات میں اور بھی اضافہ کردیا۔ سپہ سالاروں کے جھگڑوں کی شدت خاندان شاہی کے جھگڑوں کی وجہ سے بڑھ گئی، اور اگر بالفرض اول الذکر میں کمی بھی ہوگئی ہوتی تو ثانی الذکر انھیں المضاعف کرنے کے لئے بالکل کافی تھے۔ خاندان شاہی میں اولمپیاس اور یوریدکیس، جو دو مختلف شاخوں کی قائم مقام تھیں، ایک دوسری کی نہایت سختی کے ساتھ مدمقابل بنی ہوئی تھیں۔ سپہ سالاروں میں پردکاس یومنیس کے علاوہ سب ہی کا مخالف تھا۔ اب پردکاس نے اولمپیاس کے ساتھ رشتہ پیدا کرلیا، اور یوریدکیس ارھی دایوس کی بیوی بن گئی۔ ابتداء میں تو ان باتوں کی وجہ سے پردکاس کی حیثیت میں، جس نے سینانہ کو نوک شمشیر سے علیحدہ کردیا تھا، اس قدر اضافہ ہوگیا کہ انتی گونوس اکھاڑے سے نکل آیا اور اولمپیاس کے مخالف انتی پاتر کے پاس بھاگ گیا۔ انکا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ پردکاس کو اپنی کامیابی کا پہلے سے زیادہ یقین ہوگیا، اور وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جس طرح اُس نے اپنے ایک مدمقابل کا خاتمہ کردیا تھا اسی طرح وہ اپنے دوسرے حریف کو بھی انجام کو پہنچائے گا۔ بطلیموس، صوبہ دار مصر، اتنا ذی اقتدار ہوگیا تھا کہ اُس نے سرنہ تک کو محض اپنے قوت بازو سے فتح کرلیا تھا، چنانچہ اُس کی سرکوبی بھی لازم تھی۔ لیکن چونکہ عقلمند بطلیموس نے انتی گونوس سے بھی کم شکایت کا موقع دیا تھا

اس لئے اُس پر فوج کشی کرنے کا بہانہ ڈھونڈھنا نہایت دشوار تھا، اور پرڈکاس کو اپنے دل سے ایک شکایت ایجاد کرنی پڑی۔ اگر وہ بطلیموس پر حملہ کرنے اور اُس کا خاتمہ کرنے پر تلا نہ بیٹھا ہوتا تو یہ اُس کی عقل و فراست پر ایک طرح کا دھبّہ ہوتا۔ اس بات کا باتفاق رائے تصفیہ ہو چکا تھا کہ سکندر کی لاش کو زیوس عمون کے نخلستان میں دفن کیا جائے، جو بطلیموس کے صوبے میں واقع تھا، اور اب بطلیموس نے اس معاملے کو اتنا آگے بڑھایا کہ آخرکار لاش مصر میں آ ہی گئی۔ اس پر پرڈکاس کہنے لگا کہ اس طرح بطلیموس کو اپنے دوسرے ساتھیوں پر تفوّق حاصل ہو گیا ہے، اس لئے کہ وہ مُلک جس میں سکندر مدفون ہو، اور اُس کا صوبہ دار، دونوں کی حیثیت تمام دوسرے ملکوں اور صوبہ داروں سے زیادہ ہو جائے گی اور یہ ظاہر کیا کہ فوج بھی اُسی کی ہمرائے ہے۔ ساتھ ہی اُس نے بطلیموس کے خلاف دوسری شکایات کا اعلان بھی کیا اور بالآخر رسمی طور پر فوج کے سامنے استغاثہ دائر کیا۔ ممکن ہے کہ اس کا خیال ہو کہ بطلیموس اس استغاثے کے جواب میں حاضر نہ آئے اور اس طرح اپنی مشکلات میں اضافہ کر دے، لیکن اس توقع کے خلاف بطلیموس آیا اور اُس کا جواب سُن کر فوج نے اُسے قطعاً بے گناہ قرار دیا۔ اس پر پرڈکاس نے ازراہ حماقت یہ خیال کیا کہ اسی فوج کو لے کر مصر فتح کر لینا مشکل نہیں، چنانچہ ایشیائے کوچک یومنیس کے سپرد کر کے وہ خود دریائے نیل کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے ایک عجیب وغریب کیفیت پیدا ہوئی، یعنی یہ کہ یومنیس نے تو اپنا کام بحسن و خوبی انجام دیا لیکن پرڈکاس کو ناکامی ہوئی اور آخرکار خود اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں مقتول ہوا[۵۴]۔

[۵۴] پرڈکاس کے آخری کام اور جانبازیاں؛ ڈروائے سن ۲، ۱، $\frac{۸۹}{۱۳۹}$ -

باب ۱

یومنیس پر مغرب کی جانب سے انتی پاتر و کراتیروس نے اور
مشرق کی طرف سے ارمنستان کے صوبہ دار نیوبطلیموس نے حملہ
کر دیا۔ اُس نے سب سے پہلے تو نیوبطلیموس کو شکست دی، جس پر
اُسے انتی پاتر و کراتیروس کے پاس پناہ لینی پڑی۔ اس کے بعد
اُنھوں نے یہ انتظام کیا کہ انتی پاتر تو کلیکیہ روانہ ہوا اور کراتیروس
یومنیس سے لڑنے کے لئے نیوبطلیموس کے ساتھ آگے کو بڑھے
جس سے اصلی مقصد یہ تھا کہ کاردیہ والے کا قلع قمع تنہا کراتیروس
بغیر انتی پاتر کی مدد کے کر دے۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اگر یومنیس
کے مقدونوی سپاہیوں کو معلوم ہو جاتا کہ ہر دلعزیز کراتیروس اُس کی
مخالفت کر رہا ہے تو وہ اپنے کماندار کو وہاں کا وہیں چھوڑ دیتے،
چنانچہ یومنیس نے برابر اپنی فوج سے یہ چھپائے رکھا کہ انکا مدمقابل
کون ہے۔ فریقین میں جو فیصلہ کن جنگ ہوئی اُس میں یومنیس کا
سوارہ مظفر و منصور رہا، اور گو اُس کے دشمن کا مقدونوی جتھے
کی کمر ٹوٹ نہ سکی تاہم کراتیروس اور نیوبطلیموس دونوں لڑائی میں کام
آئے اور میدان آخر کار یومنیس ہی کے ہاتھ رہا۔ جیتھا جواب
بے سرا رہ گیا تھا، پردکاس سے جا ملا اور اُس کی وفاداری کا وعدہ کر لیا۔

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ لارندہ و ازوراکی تسخیر؛ دیودوروس ۱۸، ۲۲؛ ان کے
محل وقوع کے لئے دیکھو سٹیرپٹ کے "مہم وُلف" کے لئے کیپرٹ کا نقشہ،
بوسٹن، ۱۸۸۴ء۔ نیز دیکھو نیز ے، ۱، ۲۱۲ تا ۲۲۳۔ ص Arr. Succ. ۲۸ سے
معلوم ہوتا ہے کہ بطلیموس نے فوج کے تصفیے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ سکندر
کا دفن نیز ے، ۱، ۲۱۷۔ اُس کی لاش کو بجائے زیوس عمون کے میمفیس لائے
اور یہاں سے اسکندریہ لے گئے۔

تری پارادی سوس کے انتظامات؛ دیودوروس ۱۸، ۳۹ مقابلہ کرو سانتو کا رسالہ جس کا
حوالہ حاشیہ ۱ میں دیا گیا ہے، جسکے بموجب جملہ ایشیائی صوبوں کی حالت وہی ہو گی جو ایرانی صوبوں کی تھی۔

باب

لیکن اس سے مقدونیوں کا واحد مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایک مشکل سے نکال لیں، اور جب خطرہ فرو ہو گیا تو وہ نکل کر سیدھے انتی پاتر کی طرف چل دئے۔ ان تمام واقعات سے یونانیوں کو نظر آگیا کہ اگر انھیں مسلسل فتوحات حاصل نہیں ہوئیں تو ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔

لیکن مصر میں نتیجہ بالکل خلاف امید نکلا۔ یہاں پردکاس خود اپنے بل بوتے پر لڑائیاں لڑ رہا تھا۔ جب بطلیموس خطِ دریائے نیل کی نہایت فراست اور بہادری سے حفاظت کر رہا تھا تو پردکاس اپنے سپاہیوں کی قوت کو بیکار جمع کر کے اپنے سپاہیوں کی قوت کو زائل کر رہا تھا، اور آخر کار خود اُسی کے افسروں نے، جن میں سلیوکوس بھی شامل تھا، اُسے قتل کر دیا۔ اب مقدونوی فوج سب کی سب بطلیموس کی مطیع ہو گئی، اور اگر اُن کی چلتی تو اُسے یقیناً متولی سلطنت کا رتبہ حاصل ہو جاتا۔ لیکن اُس نے یہ خطرناک عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا، اور اپنی جگہ دو شخصوں کی سفارش کی، یعنی فیثون ساکن مدیہ کی اور سپہ سالار ارھی دایوس کی، چنانچہ اب ان دونوں کو مشترکا متولی سلطنت بنایا گیا۔ اب تولیت محض برائے بیت رہ گئی، اور یومنیس کی فتوحات بالکل بے کار ثابت ہوئیں، اس لئے کہ بغیر کسی مقدونوی کی ضمانت کے یہ کارروائی والا کسی شمار و قطار میں نہیں تھا۔ آخر کار ۳۲۱ء ق م میں اُس کے اور پردکاس کے بعض دوستوں کے خلاف سزائے موت کا حکم سنا دیا گیا۔ بعض خلفشاروں کے بعد، جس کی بانی مبانی یوریدایس تھی، فیثون اور ارھی دایوس کی جگہ مُلک شام میں معمر انتی پاتر متولی بنایا گیا، اور وہ اور انتی گونوس دونوں اُسی مُلک کی طرف روانہ ہوئے۔ گو انتی پاتر یوری دیس کے دشمن کا

دشمن تھا، لیکن اس بیچین عورت نے، جس نے اپنے افعال سے یہ دکھا دیا تھا کہ اُس میں سیاسی قابلیت اتنی نہیں تھی جتنا سیاسیات کا شوق، اُسے تقریباً معزول کر دیا۔ لیکن انتی گونوس کی مدد سے وہ اپنے نئے عہدے سے برابر چمٹا رہا اور آخر کار مقدونوی جتھے نے اُس کے تقرر کی توثیق کر دی۔

۳۲۰ ق م میں تری پارادیسوس میں اعزازوں اور ولایتوں کی جدید تقسیم کی گئی، اور اس تقسیم میں سب سے نتیجہ خیز بات یہ ہوئی کہ بابل سلیوکوس کو تفویض کیا گیا۔ علاوہ ازیں انتی گونوس سپہ سالار بنایا گیا، کاساندر خلیارخ رہا، انتی گنیس آرگیراس پدائے کے جیش کے کماندار کو ملک سوس ملا، نکانور کو کاپادوسیہ، فیثون کو مدیہ کا صوبہ اور شرقی صوبوں کی کمان تفویض ہوئی۔ اس تقسیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب علاوہ مختلف صوبہ داروں کے اور تمام سلطنت کے منتظم کے ایک خلیارخ، ایک سپہ سالار، ایک سپہ سالار صوبجات شرقی، ایک کماندار جیش کا اضافہ ہوا جن میں سے خلیارخ کے سوائے ہر ایک کے متعلق ایک ایک صوبے کا انتظام بھی رکھا گیا۔ اس سے کریلے اور نیم چڑھے کی مثل صادق آگئی، اس لئے کہ اب جدید مسئلۂ زیر بحث یہ ہو گیا کہ سپہ سالاروں کو صوبہ داروں کے خلاف اور صوبہ داروں کو خلیارخ کے خلاف کیا کیا حقوق حاصل ہوں گے؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں سوالوں کا جواب صرف میدان جنگ ہی میں دیا جا سکتا تھا۔ انتی پاتر اس افراتفری کے اضافہ کرنے میں ممد نہیں ہوا، بلکہ اُس کے طرز عمل کو خود اُس کے میلانات اور پردکاس کے حالات نے گویا متعین کیا۔ اگر پردکاس نے اپنی تولیت کے زمانے میں بہت کچھ حلیت پھرت دکھائی تھی، تو معمر انتی پاتر اس کا بالکل عکس ثابت ہوا تھا، اور اُس نے

باب ۱

اُن سب توقعات کو گویا پورا کر دکھایا تھا جو اُس کے تقرر کے وقت اُس کے ساتھ وابستہ کی گئی تھیں۔ اُس نے اپنی توجہ کلّیتہً مقدونیہ اور یونان پر مبذول رکھی، اور ایشیا کے لئے کچھ نہیں کیا۔ وہ اس بات سے اچھی طرح سے واقف تھا کہ اب سکندر کی موت کے بعد اُس کی عظیم الشان سلطنت کے قیام کی اس سے بھی کم امید تھی جتنی اُس کی زندگی کے دوران میں۔

صرف ایک شخص نے اس سلطنت کے بقا کی کوشش کی، اور یہ یومنیس تھا۔[۵] یومنیس در اصل اُس نظام سے باہر تھا جو سپہ سالاروں نے تیّار کیا تھا۔ اُسے سزائے موت کا مستحق گردانا گیا ہو، لیکن اُس پر قابو پانا دوسری بات تھی، اور یہ کچھ آسان کام نہیں تھا۔ اگر پردکاس کے تمام پیرو اُس کا حکم مان لیتے تو میدان یقیناً اُس کے ہاتھ رہتا، اس لئے کہ اُس نے اپنے افعال سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ سکندر کے سب سے عقلمند جانشینوں میں سے ہے۔ لیکن کسی نے کھلے دل سے اس کی مدد نہیں کی، اور بالآخر اُس کا زوال یقینی ہو گیا۔ اُسکے لئے سب سے مشکل کام یہ تھا کہ مقدونوی سپاہیوں کو مقدونوی سپہ سالاروں

---

[۵] یومنیس؛ نیزے، ۱، $\frac{۲۲۵}{۲۳۰}$ نورا کے محل وقوع کا (جس کا نام استرابو کے نزدیک نیرواسوس پڑ گیا) ابھی تک تعین نہیں ہوا۔ ہملٹن اور سٹیریٹ (: "سفرنامہ" Starret: Journey، بوسٹن، ۱۸۸۸ء صفحہ ۳۲۲۔ یہ زنجبار کلیسی کے بلند تر قلّے کا نام ہے جو ارگایوس نامی پہاڑ کے جنوب و مغرب میں واقع ہے؛ لیکن ریمزے Ramsay کے نزدیک یہ ذرا زیادہ مغرب میں ہو گا As Min. ۳۰۸، اور اس انتاج میں اس کا دار و مدار استرابو ۱۲، ۵۳۷ پر ہے۔

انتی گونوس الکتاس کو پسیدیا میں نیچا دکھاتا ہے؛ نیزے، ۱، ۲۴۱۔

یومنیس نوارا سے فرار ہوتا ہے؛ ایضاً ۲۳۸۔

باب ۱

کے خلاف لڑائے، چنانچہ انھوں نے اُسے بہت سے مواقع پر دغا دی اور آخر کار انھیں کے فریب سے اُس کا کام تمام ہوا۔ اُس نے اپنے قدم ایشیا میں اُس وقت تک جمائے رکھے جبتک کہ انتی گونوس سیپولوندیس کو جو یومنیس کے سوارے کا ایک افسر تھا، رشوت نہ دے دی چنانچہ عین لڑائی کے ہنگامے میں وہ انتی گونوس کی طرف چلا گیا جس کی وجہ سے (سنہ ۳۲۰ ق م میں) یومنیس کو شکست ہوگئی۔ یومنیس نے ارمنستان بھاگ جانے کی کوشش کی، لیکن اس کا راستہ روک دیا گیا اور وہ لیکاؤنیہ اور کاپادوسیہ کے درمیان نورا نامی ناقابل تسخیر قلعے میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ یہاں انتی گونوس نے اُس سے گفت وشنود شروع کی، لیکن باہمی مفاہمت کی کوئی شکل نظر نہیں آئی۔ انتی گونوس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر غالباً یومنیس انتی پاتر کے پاس چلے جانے کو ترجیح دیتا تھا، اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اس نے ہیئے رونی موس ساکن کاریہ کو یورپ روانہ کیا۔ اسی دوران میں ایشیا میں حالات وواقعات نے مستقل صورت اختیار کرنی شروع کر دی یعنی انتی گونوس نے پسیدیا اور بطلیموس نے شام پر قبضہ کر لیا۔ الغرض اگر یومنیس کے خاتمے کو نظرانداز کر لیا جائے تو اُس وقت ایشیا اور یورپ دونوں میں تھوڑا بہت امن وامان پیدا ہوا ہی تھا کہ سنہ ۳۱۹ ق م میں انتی پاتر کی موت کی وجہ سے بساط سیاست میں از سر نو پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں [۶]۔

---

[۶] انتی پاتر کا اختتام: ڈروائے سن ۲، ۱، ۷، ۱؛ نیز ۱، ۱۴۳، ۲۳۔ کاسیاندر کے حکم سے دیمادیس کا قتل؛ نیز ۱، ۲۳، ۲۳۔ اپنے بعد انتی پاتر نے جانشینی کا کیا انتظام کیا؛ دیودوروس ۸، ۱، ۴۸۔ معلوم ہوتا ہے کہ "ولی شاہی" کا رتبہ "متوئی سلطنت" سے کم تھا۔ دونوں نااہل بادشاہوں کی ولایت کا کام

باب۱

انتی پاتر نے اپنے بیٹے یعنی خلیارخ کاساندر کو اپنا جانشین مقرر کرنے کی بجائے اپنے ایک پُرانے فوجی ساتھی کو نامزد کیا جس کا نام پولیس پرخون یاپولی پرخون تھا، اور جو مقدونیہ کے مغربی صوبے یعنی تیم فایہ کا باشندہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے نام نہاد مرکزی اقتدار میں مزید کمی پیدا ہوگئی۔ انتی پاتر کو تمام مقدونوی قوم وقعت کی نظر سے دیکھتی تھی، اور اگر وہ چاہتا تو مرکزی انتظام کے لئے بہت کچھ کر جاتا؛ لیکن پولیس پرخون کا مقدونیہ سے باہر مطلق کسی قسم کا اثر نہیں تھا، اور مقدونیہ میں بھی اسے بہت کم لوگ مانتے تھے۔ انتی پاتر کو یقیناً اس قسم کی صورت حال کا علم ہوگیا۔ کاساندر اپنی توہین وتذلیل کا خار کھائے ہوئے تھا، لہٰذا وہ اپنے باپ کے مرتے ہی انتی گونوس کے پاس چلا گیا تاکہ ایشیا میں بیٹھ کر اپنے حریف پولیس پرخون کی مخالفت کرے۔ یہ گویا ایک نئی ہڈی تھی جو سپہ سالاروں اور مقدونویوں کے سامنے پھینک دی گئی تھی۔ پولیس پرخون نے اپنے چاروں طرف مدد کے لئے دیکھا، اور کہیں کہیں سے اُسے مدد مل بھی گئی۔ سب سے پہلے تو اُس نے یونانیوں کے سامنے ہاتھ

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ پولیس پرخون کے سپرد ہوا، لیکن اس "ولی" کے فرائض خود اُسپر چھوڑ دئے گئے، اور یہ ویسے بھی فطرتاً مناسب تھا کہ جس کسی کو اس کے کام میں عملی دلچسپی نہ ہو وہ اُس کی طرف مطلق توجہ نہ کرے۔

فوکیون کا خاتمہ: ڈرواےسن ۲، ۱، ۲۱۴ وغیرہ جہاں پلوٹارک کی "حیات فوکیون" ۳۲ وغیرہ کا اتباع کیاگیا ہے؛ دیودورس ۱۸، ۶۴/۶۷؛ نیپوس: "پولی اےنوس ۳" Ael. V. H. ۳، ۴۷۔ نیز مقابلہ کرو ہرمان ٹومزر: "مملکت قدیمہ" ج ۱۳۴، اور رینزے ۱، ۳ ۲۴۴۔

فوکیون حق پرست مدبروں کیلیئے گویا ایک نمونہ تھا اور ہر طرح کی فضول خرچی کا بڑا نقاد تھا؛ لیکن اُس میں انسانوں کا رہبر بننے کی قابلیت نہیں تھی۔

باب ۱

پھیلایا۔ یونانیوں کے ساتھ سکندر کے جانشینوں نے اتنا بُرا سلوک کیا تھا کہ اُب انھیں پولیس پرخون بسا غنیمت معلوم ہوا، گو اس وقت تک اس نے اُن سے محض وعدے وعید ہی کئے تھے۔ شاہ فیلقوس کے نام سے پولیس پرخون نے اعلان کیا کہ یونانی اپنے اُن پرانے دستوروں کو از سرِ نو رائج کر سکتے ہیں جو سکندر کے زمانے میں نافذ تھے؛ اس کے علاوہ جلا وطنوں کو واپس آنے کی اجازت مل گئی اور ایتھنز سے ساموس کے الحاق کا وعدہ کر لیا گیا اس طرح اُس نے گویا ہر فریق کو خوش رکھنے کی کوشش کی، اور یہ اسے خیال بھی پیدا نہیں ہوا کہ اُس کے مختلف وعدے ایک دوسرے کے موافق ہیں یا مغائر۔ چونکہ کاساندر عدیدی دساتیر کی طرف مائل تھا اس لئے اس اعلان میں گویا عمومیوں ہی کو مخاطب کیا گیا تھا، اور ہم عنقریب دیکھیں گے کہ آخر اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ اس کے بعد وہ اولمپیاس کی طرف متوجہ ہوا، جو اس وقت ایپائروس میں سکونت پذیر تھی، اور اس طرح اُس نے پردکاس کے قدم بہ قدم چلنے کی کوشش کی۔ اولمپیاس اور انتی پاتر کی کبھی نہیں بنی تھی، اور اسی لئے اس کے واسطے کاساندر کے مخالفوں کا ساتھ دینا ضروری تھا۔ بجنسہ یہی ہوا۔ بہرحال پولیس پرخون کو جو مدد یونانیوں اور اولمپیاس کی طرف سے دی گئی وہ اُس کے کسی کام نہیں آئی۔ یونانی اس بات کو اچھی طرح سے جانتے تھے کہ وہ دوسرے مقدونیوں سے زیادہ ان کا دوست نہیں ہے؛ رہی اولمپیاس، تو اُس کے پاس اوّل تو سرے سے مادی قوت تھی ہی نہیں، دوسرے اگر پولیس پرخون کی وجہ سے وہ گمنامی سے نکل بھی آئی تو اُسے یوریدیس کی علانیہ مخالفت کے واسطے تیار رہنا پڑے گا۔ یہ بالکل ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص ایک طرف تو اولمپیاس کی رہبری قبول کرے اور دوسری جانب خود یوریدیس

کے شوہر کے نام سے حکومت بھی کرے، جو دونوں بادشاہوں میں اکیلا صحیح الدماغ سمجھا جا سکتا تھا۔ ہم عنقریب دیکھیں گے کہ اس تجربے کو سخت ناکامی ہوئی۔ لیکن فی الفور تو اولمپیاس کی مداخلت کی وجہ سے اس ملک (یعنی ایشیا) میں تھوڑی بہت تبدیلی ہوئی جہاں پولیس پرخون کی مادی قوت کا اثر نہیں تھا۔ یہاں اولمپیاس اُس کے اور یومنیس کے مابین مفاہمت کرنے کیلئے بیچ میں پڑ گئی۔ ان دونوں نے بہادر یومنیس سے کہا کہ تم یورپ میں پولیس پرخون کی مدد کرو، ورنہ ایشیا میں انتی گونوس کے خلاف شاہ فیلقوس اور شاہ سکندر کی پشت پناہی کرو۔ اس کے ساتھ ہی جیش خاص یعنی آرگی راس پداسئے کی کمان اور خزانۂ عامرہ کے خرچ کرنے کا اختیار (جو اُس وقت تک کلیکیہ کے پہاڑی قلعہ کینوا میں تھا) اُس کے تفویض کیا گیا۔ کاردیہ والے کے لئے یہ اختیار گویا چھپر پھاڑ کر آئے اور ان سے اُسے وہ سب باتیں حاصل ہو گئیں جو وہ انتی پاتر سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ آیا اُسے ان شرائط کا علم نوراہی میں ہو گیا تھا یا نہیں، لیکن وہ وہیں مقیم تھا کہ اُس کے پاس اُس کے دوست ہیرونیموس کے ذریعے سے انتی گونوس سے مزید گفت و شنود شروع ہوئی جن کے ذریعے سے اُسے یہ علم ہوا کہ انتی پاتر کی موت کے بعد سیاسی بساط میں متعدد تبدیلیاں ہو گئی ہیں۔ اُس نے جزوی ترمیمات کے بعد جملہ شرائط منظور کر لیں، جس پر اُسے نورا سے نکلنے کی اجازت مل گئی۔ یہاں سے نکلنے کے بعد اُس نے اعلان کر دیا کہ وہ ایشیا میں حقوق شاہانہ کی حفاظت کرے گا، اور چونکہ اولمپیاس اور پولیس پرخون کے باہمی محالفے نے ارگیراس پدائے پر یقیناً اثر ڈالا ہو گا اس لئے انھوں نے اب یومنیس کو اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ اب اُسے لازم تھا کہ اپنی قسمت کو مضبوطی

کے ساتھ پکڑے رہے اور جیش کی مشتبہہ وفاداری کو مستقل شکل دے دے۔ اس میں اُس نے بڑی بڑی ترکیبیں چلائیں۔ اُس نے اپنے عہدہ داروں سے کہا کہ سکندر اُس کے پاس خواب میں آیا ہے اور اُس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ وہی برابر سپہ سالار بنا رہے۔ اس لئے اُس نے ہدایت کی کہ ایک خیمہ آویزاں کیا جائے اور اُس پر ایک سنہری تخت رکھ کر اُس پر شاہی اعزاز و مراتب کے نشانات رکھ دئیے جائیں تاکہ فوج والے ہر صبح کو اس ڈیرے میں جا کر سکندر کے نام کا ہون کریں اور اُسکے روحانی اثرات کے تحت اپنے جملہ امور انجام کو پہنچائیں۔ سپاہیوں نے اُس کی ہدایت کو منظور کر لیا اور کچھ مدت تک برابر اُس پر عمل کرتے رہے۔ ساتھ ہی روز بروز اُن کے دل پر خودیومنیس کی قابلیت کا اثر بڑھتا گیا، اور ابتدا میں اُنھوں نے دل کھول کر اس بے غرض، عقلمند اور ملنسار سپہ سالار کا کہنا مانا۔ اُس نے ایک لشکر بھی جمع کر لیا۔ انتی گونس نے چاہا کہ اُسکے سپاہیوں کو اُس سے برگشتہ کر دے، لیکن وہ اُن کے بیچ میں آیا اور اعلان کیا کہ بھائیو! میری جان تمھارے قبضے میں ہے؛ لیکن مجھے تم سے ذرہ برابر بھی خوف نہیں۔ اس کا سپاہیوں پر بہت برا اثر پڑا اور کم از کم فی الوقت تو وہ برابر اُس کے وفادار ہی رہے (سنہ ۳۱۸ ق م)۔

اسی اثناء میں یورپ میں عجیب و غریب واقعات رونما ہو رہے تھے۔ پولیس پرخون کے اعلان سے ایتھنز میں شورش کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ اعیانی حکومت کا دار و مدار، جو فوکیوں کی سرکردگی میں تھی، نکانور اور اُس کے کاساندری جیش پر تھا جو مؤنی خیا میں مقیم تھا؛ لیکن خاص ایتھنز میں ایک بھی غیر ملکی سپاہی نہیں تھا، جس کی وجہ سے پولیس پرخون کے اعلان کی وجہ سے

جو ہیجان پیدا ہوا تھا اُس کا اظہار ممکن تھا، بالخصوص اُس وقت جب اُس کا بیٹا سکندر ایتھنز کے قریب پہنچا۔ اب نکانور نے پرائیوس پر بھی قبضہ کر لیا، اور چونکہ عام خیال کے بموجب فوکیون کو اُسے باز رکھنا چاہیئے تھا اس لئے اُس کی (یعنی فوکیون کی) حیثیت میں پہلے سے بھی زیادہ زوال آگیا اُسے عہدہ استراتی گوس سے ہٹا دیا گیا، اور وہ خود سکندر کے پاس چلا گیا جس نے اُسے اپنے باپ کے پاس تھرمویلی کے قریب فاری گائے کے مقام کو روانہ کر دیا۔ یہاں ایتھنز کے عمومی گروہ کی طرف سے سفارت بھی آئی، اور شاہ فیلقوس کے روبرو سفیروں اور فوکیون کے درمیان جو مکالمہ ہوا اس کے بعد ستولی نے فوکیون اور اُس کے دوستوں کو پابجولاں جواب دہی کے لئے ایتھنز بھیج دیا۔ یہاں پہنچ کر لوگوں نے اس بوڑھے سپہ سالار کو سزائے موت کا مستحق گردانا، اور (۳۱۸ ق م) میں اُسے زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ اُس شخص کی موت، جس نے اپنی تمام عمر شہر کی وفاداری اور خدمت میں صرف کر دی تھی، اور جس کی عمر اب اسّی سال سے متجاوز تھی، ایتھنز کے نام پر ایک نہایت ہی بدنما داغ ہے۔ اس سے قاتلوں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا، اس لئے کہ کاساندر نے ایتھنز کا پیچھا اب بھی نہیں چھوڑا۔ اُس نے اٹیکا آکر پولیس پرخون کو ایتھنز کے بندرگاہ پر قبضہ کرنے سے روک دیا۔ پولیس پرخون نے سمجھا کہ شائد اُسے پیلوپونیز میں زیادہ کامیابی حاصل ہو سکے، لیکن یہاں میگالوپولس کی عدیدی حکومت نے اُسے شہ دے دی اور اس کے علاوہ اُس کے بیڑے کو نکانور کی سیادت میں انتی گونوس اور کاساندر نے بیزنطہ کے قریب شکست دے دی۔ آخر پولیس پرخون کی یہ حالت ہو گئی کہ اُس نے یہی غنیمت سمجھا کہ وہ مغربی مقدونیہ میں دشمن کے خلاف قدم جمائے رکھے؛ ایتھنز

باب ۱ | از سر نو کاسانڈر کے اقتدار میں آ گیا، جس نے فوراً نکانور کو، جسے وہ خطرناک سمجھتا تھا، موت کے گھاٹ اُتارا اور اس کے بعد مشائی فلسفی دیمتریوس ساکن فالیرون کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے خود مقدونیہ کی راہ لی۔ (۳۱۷ ق م) دیمتریوس نے بالکل ایک عقلمند دُنیادار کی حیثیت سے اپنے مادی فائدے، شہر کے مفاد اور اپنے آقا کی سود و بہبود کو پیش نظر رکھ کر دس سال تک حکمرانی کی۔ ہم بہت جلد پھر اُس کی طرف رجوع ہوں گے[1]

خاندان شاہی میں ایسے مرد تو نہ تھے جو ایک دوسرے کے مدمقابل بنتے، لیکن اس قبیلے کی عورتوں کی باہمی حسد کی وجہ سے سرزمین یورپ میں اُس کا بالکل خاتمہ ہو گیا، اور اس کے دعاوی کے آخری پشت پناہ کے خاتمے کی وجہ سے ایشیا میں بھی اُس کا نشان باقی نہ رہا۔ اولمپیاس اور یوری دیس کا برتاؤ بجنسہ اس قسم کا تھا جیسے فریڈے گنڈے اور برؤن ہلڈ نے کیا تھا، اور یہ دونوں اُن سے بہت کچھ مشابہ تھے۔ یوری دیس نے فطرتاً پولیس پرخون اور اولمپیاس کی باہمی مخالفت کے خلاف اپنے غصے کا اظہار کیا؛ پولیس پرخون کو وہ ایک بیکار شخص سمجھتی تھی

[1] میں نے دیمتریوس کی حکومت پر باب ۲ میں بحث کی ہے۔ رسمی طور پر اس کا ایتھنزیوں ہی نے انتخاب کیا تھا؛ "مجموعۂ نوشتہ جات اٹیکا" C. I. A. ۲، ۵۸۴ = ہکس ۱۳۹؛ مقابلہ کرو دیودوروس ۱۸، ۷۴۔ کیوہلر کے خیال میں اس کا خطاب "ایپی ستاتیس" یا "پروستاتیس" تھا۔ ووسون نے براخی لاس کو اسپارٹا پر مامور کیا تھا؛ اس کا خطاب پولی بیوس ۲۰، ۵ کے نزدیک "ایپی ستاتیس" تھا۔ دیودوروس (۱۸، ۷۴؛ ۲۰، ۴۵) دیمتریوس کو "ایپی میلی تیس" یعنی "منتظم" قرار دیتا ہے۔

اور اُس کا خیال تھا کہ اُس میں کوئی کام انجام دینے کا مطلق مادہ نہیں ہے۔ وہ جاکر کاساندر سے مل گئی جس نے ایتھنز میں اپنی قابلیت کا ثبوت دیا تھا اور اُسے فیلقوس سے متولی سلطنت مقرر کرادیا۔ اس کا گمان تھا کہ اُس کے ہاتھ میں اب تک تریپ کا پتہ موجود ہے جسے کھیل کر وہ بازی لیجائیگی۔ متولی سلطنت مقرر کرنے کا یہ تیسرا طریقہ تھا، اس لئے کہ پردکاس اور انتی پاتر کو تو فوج نے مقرر کیا تھا، پولیس پرخون کو انتی پاتر نے، اور اب کاساندر کے تقرر کا باعث نیم خبطی بادشاہ اور اُس کی بیوی تھے! معلوم ہوتا ہے کہ اپنی مسلسل چالوں کے ذریعے سے یوریدیس نے سب ہی کو اپنے آپ سے تنفر کر دیا تھا، اور ان سب میں سب سے زیادہ تنفر کاساندر تھا۔ پہلے تو یوری دیس نے انتی پاتر کے خلاف سازش کی تھی، اس کے بعد پولیس پرخون کی مدد قبول کرلی تھی، جو کاساندر کا دشمن تھا، اور موخر الذکر کو معلوم تھا کہ اگر وہ اب پھر کاساندر کی طرف متوجہ ہوئی تو پھر وہ اُتنی ہی جلد اُس سے برگشتہ بھی ہوسکتی ہے، چنانچہ کاساندر بھی اُس کا رہین منت نہیں تھا۔ جب تک کاساندر مقدونیہ میں رہا، اُس وقت تک وہ بالکل محفوظ تھی، لیکن جب وہ پھر یونان کی طرف گیا اور تھبز کا از سر نو احیا کیا اور مشرق میں اپنی سیادت کا سکہ بٹھایا، اور جب اُدھر نیم ایپائروسی پولیس پرخون اور اُس کے پیرو مغرب میں اپنا حکم چلا رہے تھے، تو یوریدیس کی کی قسمت پر مُہر لگ گئی اور اُس کا خاتمہ قریب آگیا۔ اولمپیاس ایپائروس سے مقدونیہ آئی اور یوری دیس ایک فوج لے کر اُس سے لڑنے کے لئے نکلی۔ لیکن کوئی ایسا وفادار مقدونوی ملنا ناممکن تھا جو سکندر کی والدہ پر اپنے ہتھیار اُٹھائے، بالخصوص جب حکم دینے والی ایک عورت ہو۔ الغرض جتنے سپاہی تھے

وہ سب کے سب اولمپیاس کی طرف چلے گئے، اور اُن کی مدد سے اُس نے فیلقوس اور یوری دیس دونوں پر طرح طرح کے عذاب نازل کیے اور آخر کار فیلقوس کو تو تیروں کا نشانہ بنایا۔ جب یوریدیس اُس کی سختیوں اور شدّت تعب سے تنگ آیا تو اُسے بھی اجازت مل گئی کہ وہ خود اپنے گلے میں پھانسی ڈال کر خودکشی کرے! اولمپیاس خاص طور پر کاساندر اور اُس کے خاندان سے متنفر تھی اور اسے اس کا یقین تھا کہ اُس کے بیٹے یعنی سکندر اعظم کو کاساندر کے بھائی یولاس نے زہر دے کے مار ڈالا تھا۔ اب اُسے اس کا یقین ہو گیا کہ اس بدمعاش خاندان سے انتقام لینے کا وقت آگیا ہے۔ لیکن کاساندر کے مقدونیہ واپس آتے ہی اولمپیاس کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اوّل تو کاساندر نے اس عورت کا پیدنا میں محاصرہ کرلیا۔ رفتہ رفتہ اولمپیاس کا سامان ختم ہو گیا تو اُس نے جہاز پر بیٹھ کر فرار ہونا چاہا، لیکن وہ جہاز جس میں اولمپیاس روانہ ہونے والی تھی اُسے کاساندر کے حکم سے علٰحدہ کر دیا گیا، اور آخر کار (۳۱۶ء ق م میں) اُسے اطاعت قبول کرنی پڑی۔ کاساندر نے اُس کی جان بخشی کا وعدہ کر لیا تھا، لیکن اس کے اشارے سے اُس کے مقتول دوستوں کے رشتہ داروں سے یہ چال چلی کہ انھوں نے اُس بوڑھی ملکہ کا مواخذہ کیا، جس پر فوج نے اُس کی سزائے موت کا حکم سنا دیا۔ لیکن کوئی سپاہی ایسا نہ تھا جو سکندر کی ماں کو جان سے مار ڈالنے کے لئے تیار ہوتا، اس لئے جو مستغیث تھے خود انھوں نے یہ فرض اپنے ذمے لے کر اُسے سنگسار کر دیا۔ حال ہی میں روشنک اور اولمپیاس کے درمیان سمجھوتہ ہو گیا تھا، چنانچہ کاساندر نے اُسے اور شاہ سکندر دونوں کو نظر بند کر دیا۔ اس کے بعد اُس نے فیلقوس کی ایک بیٹی تھسالونیس سے نکاح کر لیا اور اس طرح وہ

خود بھی تخت مقدونیہ کا دعویدار بن گیا۔
تقریباً اسی زمانے میں، جب سکندر کی والدہ کو یورپ میں سنگسار کیا گیا تھا، اُس کے وفادار وزیر کا ایشیا میں کام تمام کر دیا گیا۔ کچھ مدت تک اُس نے مختلف صوبہ داروں کی پشت پناہی کر کے اپنا اقتدار قائم رکھا تھا۔ فیشون اپنے اقتدار کو صوبہ داروں کے برطرف کرنے میں صرف کر رہا تھا، اور یومنیس نے اس موقع کو غنیمت جان کر اُن کے موافق مداخلت شروع کر دی۔ صورت حال نے کچھ عجب پلٹا کھایا تھا، یعنی مرکزی عاملہ کا قائم مقام صوبہ داروں کے اقتدار کو قائم رکھنا چاہتا تھا۔ اس میں فی یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح سے سلطنت کی وحدت کو قائم رکھا جائے، جس وحدت کے دشمن صوبہ دار نہ تھے بلکہ سپہ سالار تھے۔ یومنیس نے ایک لشکر جمع کیا جس میں سکندر کے دوست یعنی پیوکستاس کی ایک خاص حیثیت تھی۔ اس کے خلاف انتی گونوس اور سلیوکوس نکلے۔ فریقین میں نہایت سخت سخت آویزشیں ہوئیں، میدان کارزار مُلک سوس سے فارس کو منتقل ہو گیا، اور علی العموم یومنیس ہی کو کامیابی رہی لیکن ایک موقع پر جب انتی گونوس کے سپاہی اُس کے کمپو کی لوٹ مار کر رہے تھے، اور جیش خاص یعنی آرگی راس پداسے کا تمام سامان تقریباً لٹ چکا تھا، تو اسی رسالے نے دشمن کو پیام بھیجا کہ اگر ان کا سامان چھوڑ دیا جائے تو وہ اپنے سپہ سالار کو اُس کے حوالے کر دیں گے۔ اس پر اُن کا سامان فوراً چھوڑ دیا گیا، اور ساتھ ہی ساتھ پیوکستاس بھی دشمن سے جا ملا۔ جیسا یومنیس انتی گونوس کے قبضے میں آ گیا تو اُس کے حکم سے اول الذکر کو قتل کر دیا گیا۔ اور اسطرح اعیانی مقدونیوں کا کارندہ کے نیچ ذات سے پیچھا چھوٹا جس کی قابلیت اور فراست کی وجہ سے انھیں نیچا دیکھنا پڑا تھا۔ اب

باب ۱ مقدونوی محض اپنے وسائل کو کام میں لاکر ایک دوسرے پر وار کرنے کے لئے آزاد تھے۔ سب سے پہلے تو تماشاگاہ سے غدّار غائب ہوتے ہیں، یعنی پیوکستاس کا خاتمہ کر دیا جاتا ہے، اور جیش آرگی راس پداے کی برخاستگی عمل میں آتی ہے۔ زمانہ مابعد میں پریتوری جیش، "ینی عسکری" اور "مملوک" بھی عین اسوقت برخاست کئے گئے تھے جب اُن کی قوّت ضرورت سے زائد بڑھ گئی تھی۔ اب حلیفوں کی باری آئی۔ انتی گونوس کسی تدمقابل کا روادار نہیں تھا، چنانچہ اُس نے فیثون پر غداری کا الزام لگایا اور اُسے موت کے گھاٹ اتروایا اور یہ دیکھ کر سلیوکوس بھی فرار ہوگیا۔[۵۰]

یومنیس کی موت سے اتحاد سلطنت اور سکندر کے قدرتی جانشینوں کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے فنا ہوگیا، اور اب شاہی خاندان میں جو افراتفری پھیل گئی تھی اُس کے اعتبار سے کسی قسم کی کوشش بالکل بے سود تھی۔ یہ ظاہر تھا کہ شیرخوار سکندر کا بہت جلد خاتمہ کر دیا جائے گا، اور خالی تخت وتاج کسی جیتے جاگتے بادشاہ کی جگہ نہیں لے سکتا تھا۔ لیکن اگر یومنیس کو سکندر کا واحد جانشین

[۵۰] یومنیس کے آخری ایام کے واسطے سن ۱۹، ۲، ۱؛ $\frac{۳}{۴}\frac{۵}{۲}\frac{۲}{۳}$ ؛ نیز ۱، ۱۷ $\frac{۸}{۷}\frac{۵}{۲}\frac{۲}{۲}$ ۔ جغرافیے کیلئے دیکھو شپیگل: "قدیمیات ایران" Spiegel: Eranische Alterthumsk ۳، $\frac{۱۲}{۲}$ ۔ ضلع گابینہ کی بابت، جس کا صرف استرابو ۱۶، ۵، ۴ ، میں ذکر ہے، شپیگل صرف رالنسن کے اس قول کا حوالہ دیتا ہے کہ یہ ملک سوسس میں "مال امیر" کے قریب تھا۔ گادامرگا (یا جو بھی اس مقام کا نام ہو؛ دیودورس ۱۹، ۳۲، ۳۷) اصفہان کے قریب تھا (شپیگل، ۳، ۱۹)۔ شپیگل کا خیال ہے کہ آخری لڑائی ریگستان کے قریب ہوئی ہوگی جہاں انتی گونوس سے لڑنے کے لئے یومنیس گیا تھا۔

بننے کی آرزو تھی بھی اور اُس میں وہ ناکام ہوا، تو یہ لازم نہیں آتا تھا کوئی مقدونوی بھی سکندر کی جانشینی نہیں کر سکے گا۔ انتی گونوس اس میں کوشاں تھا، اور جب اُس نے سلیوکوس، فیشون اور پیوکستاس کو کوڑے کی طرح جھاڑ دیا تو اُس نے اپنے مقصد کے حصول میں پہلا قدم بڑھایا۔ اب صوبہ دار افروجیہ کے حوصلے، جو سپہ سالار ایشیا بھی بن گیا تھا، باقی تمام سپہ سالاروں کے سامنے عیاں ہو گئے، اور یہ ایک فطری امر تھا کہ جسطرح سے ہو سکے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ انتی گونوس کی مزید حوصلہ مندانہ جانبازیاں، اُس کی موت اور اُس کے بعد جو "جانشینان" سکندر باقی رہے تھے، اُن کے حالات ہم آئندہ باب میں بیان کریں گے۔

یادداشت متعلق باب (۱)

باب ۱ تا ۵، یعنی سنہ ۳۲۳ ق م سے تقریباً سنہ ۲۸۰ ق م تک کے اسناد:- اُس عہد و نیز اُن عہدوں کی تاریخ کا جن کا اس جلد میں ذکر ہے، واحد مسلسل بیان یوستی نوس Justinus میں ہے جو اپنی تصنیف کی تیرھویں کتاب ۱۳ میں سنہ ۳۲۳ ق م سے سنہ ۳۲۱ ق م تک، کتاب ۱۴ میں سنہ ۳۱۶ ق م تک، کتاب ۱۵ میں سنہ ۳۱۰ ق م تک، کتاب ۱۶ میں سنہ ۲۸۵ ق م تک، کتاب ۱۷ میں سنہ ۲۸۰ ق م تک کا ذکر کرتا ہے اور کتاب ۱۸ سے کتاب ۲۲ تک دیار مغرب کا بیان کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تروگوس کے متعلقہ کتابوں کی تمہیدوں میں بھی مسلسل بیانات ملتے ہیں۔ یوستی نوس کا مقصد یہ تھا کہ موثر زبان میں سنسنی خیز واقعات کا اعادہ کرے، اور اقتباسات کی صحت یا عدم صحت کی اُسے مطلق پروا نہ تھی۔ ذرا سے سن کو بعض مرتبہ اُس پر بڑا غصہ آتا ہے۔ اُس کی ایک دلخوش کن خصوصیت یہ ہے کہ وہ لیسی ماخوس اور سلیوکوس جیسے بادشاہوں اور سرنہ جیسے شہروں دونوں کے متعلق افسانہ جات سے بحث کرتا ہے، جیسا گٹشمٹ Gutschmidt رسالہ Rhein. Mus. ۳۷، سنہ ۱۸۹۲ء میں کہتا ہے، تروگوس نے اگسٹس

یادداشت متعلق بابا

کے ایک ہمعصر یعنی تماگنیس کی تحریروں سے استفادہ حاصل کیا ہے جس کی بابت واخسموتھ Wachsmuth نے رسالہ .Rhein . Mus ۶ہم، سنہ ۱۸۹۱ء میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ تروگوس کی بابت قدیم رسالوں میں سے ہیرن Heeren کا رسالہ بھی ہے، جو فروچر Frotscher کی اشاعت یوستی نوس جلد ا میں طبع ہوا ہے۔ تماگنیس نے عموماً بادشاہوں کا ذکر کیا ہے، اور اس میں شبہہ نہیں کہ اُس نے اُنھیں نسل کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے۔ ان کے علاوہ تروگوس کا دارومدار الیفوروس، تھیوپومپوس، تمایوس، فیلارخوس، پولی بیوس اور پوسی دونیوس پر بھی ہے، لیکن ممکن ہے کہ تاریخ عالم کا عام نقشہ اُسی کے ذہن سے نکلا ہو۔ وہ ہمیشہ تاریخ عامہ کے اہم واقعات کو چن لیتا تھا، اور بربری اقوام کو نظرانداز نہیں کرتا تھا۔ دیکھو شانتز: "تاریخ ادبیات روما" .Schanz, Geschichte der roem. Litt. میونخ، سنہ ۱۸۹۲ء ج ۲ ۳۲۸/۳۳۱ ۔ شانتز واخسموتھ کی رائے کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ تروگوس نے کسی یونانی کتاب کو، جس میں تاریخ عالم پر بحث تھی، اپنے پیش نظر رکھ لیا ہوگا، اس لئے کہ جب وہ حیوانیات پر بحث کرتا ہے تو دوسروں کے خیالات کو محض جمع کر لینے پر اکتفا کرلیتا ہے؛ لیکن ہمارے نزدیک شانتز ذرا راستے سے ہٹ گیا ہے، اس لئے کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ میدان موالید ثلاثہ میں کوئی شخص محض نقال ہو؛ لیکن میدان تاریخ میں اُس کی بالکل علیحدہ شخصی حیثیت ہو۔ ایسے لوگ بہت کم ملیں گے جنھیں ہر شعبۂ علم میں کمال حاصل ہو۔

اپنی کتاب ۱۸ میں دیودوروس سنہ ۳۱۸ ق م تک، کتاب ۱۹ میں سنہ ۳۱۱ ق م تک اور کتاب ۲۰ میں سنہ ۳۰۱ ق م تک جاتا ہے۔ اُسکی کتاب کے باقی ماندہ حصّوں کے محض اجزا ہی باقی ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ کتاب ۲۱ میں سنہ ۲۸۳ ق م تک کا ذکر تھا، اُس کی اور

یادداشت متعلق باب ۱

پلوٹارک کے بنیادی استاد ایک ہی ہیں، یعنی ہیئے رونی موس و دوُرس۔ نیز دیکھو متعاقب، ابواب ۹ و ۱۵۔

پلوٹارک کی سوانح عمریات یومنیس، دیمتریوس اور پرھوس کا تعلق اس عہد سے ہے، اور ساتھ ہی اس کے اخلاقیات" Moralia میں بھی بہت کچھ مواد موجود ہے۔ اوّل الذکر کیلئے منجملہ دیگر کتب کے دیکھو، شوبرٹ: "یومنیس، دیمتریوس و پرھوس کی سوانح عمریوں کے ماخذ، A. Schubert: Die Quellen Plutarchs in der Lebensb. des Eum. Dem und P لائپزگ ۱۸۷۸ء، جریدۂ لسانیات قدیم Jahrb. f. class. Phil. تتمہ ۱۰۔ "بطور ایک علمی مصنف اور عمدہ جذبات والے شخص کے" (دیکھو فون ولاموونز میولینڈورف: انتی گونوس ساکن کاریستوس V. Willamowitz Moellendorff: Antig V. Karystos ۲۱۰)

پلوٹارک نے اپنی استاد کی لفظاً لفظاً نقل نہیں کی۔ دیکھو بالا۔

کورنیلیوس نیپوس کی حیات یومنیس کا اسی عہد سے تعلق ہے؛ دیکھو نیپرڈے لوپوس Nipperday Lupus کی اشاعت۔

فوتیوس Photius میں آرین اور میم نون کے اقتباسات دئیے ہوئے ہیں۔ آرین نے سکندر کے بعد کے زمانے پر دس کتابیں لکھی تھیں۔ ڈیڈوٹ Didot نے اپنی "آرین" میں فوتیوس کے صفحہ ۹۲ کو چھاپا ہے۔ اس کتاب میں انتی پاتر کے یورپ واپس آنے، یعنی ۳۲۱ ق م تک کا بیان ہے۔ رائیتزن شٹائن Reitzenstein نے اس کا ایک جزو ویٹیکان کے مسودے سے لے کر Ber. Phil. Abhandluug ۳ میں شائع کیا ہے؛ مقابلہ کرو کیو ہلر: روداد اکاڈمی برلن Sitzung Berl. Akad. ۱۸۹۰ء، صفحہ ۵۵۷؛ ۱۸۹۱ء صفحہ ۳۶۷۔

میم نون ساکن ہرقلیہ نے بھی، جو غالباً دوسری صدی عیسوی

یادداشت متعلق باب

کے ابتدا میں تھا، ہرقلیہ کی ایک تاریخ لکھی ہے۔ Phot. cod.
میں کتاب ۹ تا ۱۶ (۳۶۳ سنہ تا ۴۶ سنہ ق م) کے اقتباسات
مندرج ہیں، اور یہ منجملہ دوسرے امور کے لی زیماخوس اور
گالی کے حالات کے لئے نہایت کارآمد ہیں؛ میولر: "اجزائے
تاریخ یونان" Mueller: Frag. H. Gr ۳ ۵۲۵/۵۸۵ فوتیوس
Cod ۸۲ میں دیکسی پوس کی کتاب "مابعد سکندر" (تیسری صدی عیسوی)
کا ایک جزو ہے؛ میولر، ۳، ۶۶۷ وغیرہ ۔مقابلہ کرو ڈروائے سن
۲، ۱، ۶ ۴ ۔ دیکسی پوس کا دار و مدار کلیتہً آرین پر ہے۔
مفصلۂ بالا مصنفوں کے بیانات کی بنیاد مفصلۂ ذیل
اسناد پر ہے جو واقعات کے ہمعصر تھے:۔ ہیئے رونی موس
ساکن کاردیہ، جس نے دیودوروس ۱۸، ۴۲ کے مطابق "جانشینان سکندر
کی تاریخ لکھی" اور جس نے دیونی سیوس ساکن ہالی کارناسوس کے
نزدیک "تذکرہ تابعین سکندر" مرتب کیا تھا۔ مقابلہ کرو سوزے میہل:
"تاریخ ادبیات یونان" Susemuhl: Gesch. der Griesh. Litt
جلد ۱، ۵۶۰ تا ۵۶۳ و ۵۷۰، میولر، ۲، ۴۵ وغیرہ۔ ہیئے رونی موس
یومنیس کا ہموطن تھا اور ابتدا میں اُس کا ملازم بھی تھا؛ لیکن اُسکی
موت کے بعد وہ انتی گونوس، پولیور کتیس اور گوناتاس کی ملازمت
میں شریک ہوگیا۔ ہمیں اس کا یقین ہے کہ اُس نے ۲۷۲ سنہ ق م
تک کے واقعات قلمبند کئے تھے۔ پوسانیاس (۱، ۹، ۸)
کے نزدیک وہ غیر جانبدار نہیں تھا، لیکن اب عام طور پر
اُس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

دوُرس ساکن ساموس، جس کی بابت مشہور تھا کہ وہ
الکبیادیس کی اولاد سے ہے؛ یہ سنہ ۳۴۰ ق م کے قریب پیدا ہوا
اور کچھ مدت تک ساموس کا خود سر رہا۔ منجملہ دیگر تصانیف کے
اُس کی "تواریخ" بھی ہے جو تیئیس جلدوں میں منقسم ہے اور جس میں

یادداشت متعلق باب ۱

سنہ ۳۰۷ ق م سے کم از کم سنہ ۲۸۰ ق م تک کے حالات لکھے ہیں۔ مقابلہ کرو سوزے میل ۱، ۵۸۵/۵۹۲ جس کے حوالوں پر شوبرٹ کی کتاب "ماخذ پلوٹارک" Schubert: Ueber die Quellen Plutarchs اور اُس کی "اگاتھوکلیس" کا اضافہ کرنا چاہیئے (دیکھو نیچے باب ۱)؛ میولر ۲، ۴۶۶۔

اگاتھارخیدیس ساکن کنیدوس نے، جو ایک اچھا جغرافیہ داں تھا، واقعات سے ذرا گریز کیا۔ اس نے بھی سکندر کے جانشینوں کا ذکر اپنی تاریخی تصانیف میں کیا۔ دیکھو سوزے میل ۱، ۶۸۵/۶۹۲؛ میولر ۳، ۱۹۰/۱۹۷۔

ایتھنز کے لئے "فال گو" فلوخوروس کی "اٹیکائی" تصنیف اہم تھی۔ اُس کو گوناتاس نے جان سے مروا ڈالا؛ سوزے میل ۱، ۵۹۴، ۵۹۹۔ نیز دیکھو کراتیروس کی تصنیف، جو گوناتاس کا علاتی بھائی تھا؛ سوزے میل ۱، ۵۹۹/۶۰۲۔ دوسری مخصوص تاریخوں میں سے دیمتریوس ساکن بیزنطہ، جس میں گالاتائے کا ذکر دیکھا جائے، اور نیمفس ساکن ہرقلیہ، اس شہر اور جانشینان سکندر کے لئے دونوں کے واسطے دیکھو سوزے میل ۱، ۶۲۰۔

اسناد کے متعلق جملہ امور کے لئے دیکھو واخسموتھ: "تمہید میدان تاریخ یونان" Wachsmuth: Einlietung in das Stadium der alten Geschichto لائپزگ سنہ ۱۸۹۵ء جس میں (مثلاً) دیودوروس پر ایک عمیق نقادانہ نظر ڈالی گئی ہے۔

دیوجانس لیرتیوس نے یونانی قوم کے ممتاز ادیبوں کے حالات جو لکھے ہیں وہ بھی اہم ہیں۔ اُس کی تصانیف کے لئے دیکھو فون ولاموونز: "انتی گونوس ساکن کارستوس" برلن سنہ ۱۸۸۱ء۔ Von Willamowitz: Antigonos V. Karystos سوزے میل Susemihl نے اپنی کتاب "تاریخ ادبیات یونان در زمانۂ اسکندری"

یادداشت متعلق بابلہ

Gesch. der griechischen Litteratur in der Alexandrinerzeit
دو جلد، لائپزگ ۱۸۹۱ء – ۱۸۹۲ء۔
بہت سے نوشتے مشہور و معروف مجموعوں میں اور بعض مختلف رسالوں میں شائع ہوئے ہیں اور اُن کے اقتباسات ہکس کے کتابچہ Hick's Manual اور ڈٹن برگر کی "دلائل" Dittenbereer : Sylloge میں دیئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کھدائیاں ہوئیں جن سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ تمثیلاً پرگامم کی کھدائی کو لیجیئے "نوشتہ جات پرگامم" Inschriften Von Pergamum جیسے فرنیکل Fraenkel نے شائع کیا ہے، جلد ۱، برلن ۱۸۹۰ء۔ اس کے ساتھ ان نوشتوں کی ایک نہایت عمدہ تفسیر بھی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مختلف لوگوں نے ان ممالک میں محض تحقیقات کی خاطر سفر کیے ہیں۔ ان میں سے مفصلۂ ذیل ممتاز ہیں:۔ سٹیریٹ: ایشیائے کوچک میں نوشتیاتی سیاحت Sterret: An Epigraphical Journey Asia Minor بوسٹن ۱۸۸۸ء؛ ایشیائے کوچک میں وُلف کی مہم The wolf Expedition to Asia Minor بوسٹن ۱۸۸۸ء؛ ان سے بہت سی معلومات کا اضافہ ہوتا ہے۔ پیٹن اور ہکس Paton and Hicks کی کتاب "نوشتہ جات کوس" Inscuption of Cos. (آکسفرڈ ۱۸۹۱ء) میں علم نوشتہ جات اور تاریخ کے ادغام میں ایک قابل قدر کوشش کی گئی ہے۔

اس جلد میں میں ناظرین کی توجہ اکثر سکوں کی طرف مبذول کروں گا۔ علم مسکوکیات پر مفصلۂ ذیل کتابوں کا ذکر مناسب ہوگا:۔ نوادر خانۂ برطانیہ کے نفیس مجموعوں کی حال کی شائع شدہ فہرستیں، برلن کے مجموعوں کی فہرست اور پیرس کے مجموعے کی فہرست، جلد ۱۔ بابلون: "ملوک شام" Babelon, Rois De Syrie

یادداشت متعلق باب

سنہ ۱۸۹۰ء؛ سکندر اور لی زی ماخوس کے سکوں پر ل میولر کی تصانیف، کوپن ہاگن سنہ ۱۸۵۵ء؛ امہوف، سکس، رائناش اور بابیلول کی تحریریں مختلف جرائد میں، دوسرے علماء کے لکھے مضامین؛ اور ہیڈ؛ "تاریخ سکہ جات" Head: Historia Numorum آکسفرڈ سنہ ۱۸۸۷ء۔ اس عہد کی بابت معلومات میں ان سیاحتوں سے بہت کچھ اضافہ ہوا ہے جو علماء نے ان ممالک میں کئے۔ ہم نوشتہ جات کے سلسلے میں ان کا ذکر کر چکے ہیں۔ یونانی قدیمیات کے شعبے میں سنہ ۱۸۸۳ء سے سنہ ۱۸۹۰ء تک جو اکتشافات ہوئے ہیں، ان پر رائناش نے اپنی کتاب "وقائع مشرقیہ" Sal. Reinach: Chroniques d'Orient میں بحث کی ہے (پیرس سنہ ۱۸۹۱ء)۔

عہد زیر بحث میں سب سے اہم کتاب ڈرواے سن کی قابل تعریف "تاریخ یونانیت" Droysen: Geschichte des Hellenismus ہے، جس کی جلد ۲ جانشینان سکندر اور جلد ۳ تابعین Epigoni کے لئے مختص ہے (گوتھا سنہ ۱۸۷۸ء)۔ ڈرواے سن صرف سنہ ۲۲۰ ق م تک جاتا ہے؛ مثلاً مقابلہ کرو جلد ۳، ۱، ۱۹۴ حاشیہ اول۔ میں باب ۹ کے حواشی میں اُس کے نفیس طرز استدلال پر بحث کروں گا۔ یہاں میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس نے بادشاہوں کی تاریخ لکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اُس کی وجہ سے وہ اس قسم کی تاریخ دنیائے یونان لکھنے پر قادر نہیں ہو سکا ہے جیسی میں لکھ رہا ہوں، گو اسی قسم کی تاریخ لکھنے کی اُس میں بدرجۂ اتم قابلیت تھی۔ وہ اپنے طریقے کے مطابق غیر معروف یا قابل نفرت افراد کے کاموں پر، جن کا سیاسیات پر اثر پڑا، بہت کچھ ٹھٹھہ کا ہے، لیکن اُس نے مشکل سے اُن اہم ذہنی تحریکات کا حوالہ بھی دیا ہے جن کی اہمیت کا اُسے پورا اندازہ تھا (مقابلہ کرو ۳، ۱، ۳۳۵۔ اور اس جلد کا باب ۱۰، حاشیہ ۴)، مثلاً وہ تحریک جس کی وجہ سے

یادداشت متعلق باب

مسلک رواقیین کی ابتدا ہوئی حکمرانوں اور اُن کے خدام کی طرف اس میلان کی وجہ یہ ہے کہ (جیسا ہم باب ۲، حاشیہ ۸ میں دیکھیں گے) اس نے اہم ترین جمہوریتوں میں سے ایک، یعنی ایتھنز کے شہریوں کو عادلانہ نظر سے نہیں دیکھا۔ ہم اس کتاب کی جلد ۳ میں دیکھ چکے ہیں کہ پانچویں صدی ق م کے ایتھنزیوں سے بھی مورخوں نے اچھا سلوک نہیں کیا، اور یہی وجہ ہے کہ ڈرواۓ سن کے زمانے سے دیادوخی اور اپی گونی کے جمہوریت پسند معاصروں کی طرف برابر بے انصافی کا برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے چل کر ڈرواۓ سن اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ سکندر کے عہد کے بعد بھی تاجدار ہی تاریخ کا اہم ترین عنصر ہیں، چنانچہ اس نے اپنی تمام تر توجہ اُن کی سازشوں کے سلجھاؤ پر، اور اپنی قابلیت اُن کے حالات بیان کرنے پر صرف کی۔ اصل میں سکندر کی جو اہمیت تھی اُس کی وجہ سے وہ سمجھا کہ اُس کے جانشین بھی اتنے ہی اہم ہوں گے، چنانچہ اس عالی منش ذہنی تموّج کو، جن کا اُسے بالکل صحیح اندازہ تھا، اُس نے ثانوی حیثیت دے دی۔ اغلب امر یہ ہے کہ جیسا جیسا زمانۂ زیر بحث گزرتا گیا اور تاجدار اخلاقی اعتبار سے بیکار اور سیاسی اعتبار سے غیر اہم ہوتے گئے، ویسے ہی اُسے صحیح حالات کا احساس ہوتا گیا اور آخر کار باوجود سیاسی تاریخ کی طرف اس کا میلان ہونے کے اُس نے اپنی تاریخ ایک خاص نقطے پر آ کر ختم کر دی۔ دیکھو اُس کا ایک نہایت ہی قابل لحاظ فقرہ جسے باب ۱۰، حاشیہ ۴ میں نقل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ڈرواۓ سن کی پیروی کر کے سکندر کے بعد کے یونان کی تاریخ کو تاجداروں کی تاریخ کا مترادف قرار دے وہ مشکل سے ۲۲۰ق م کے بعد کے زمانے تک بڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ اُس کے بعد سرزمین یونان کے سیاسیات اور حربیات کا ایک اور

یادداشت متعلق باب ۱

ہیرو بن جاتا ہے، یعنی روما۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈرواسے سن کی کڑاہی موم سین میں مل جاتی ہے۔ اس کے برعکس وہ جو میرے ساتھ متفق ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ۳۲۳ء ق م کے بعد بھی تاریخ یونان کا موضوع یونانی قوم ہی ہے، جو سالیہ سے مشرق بعید تک کے ممالک تک پھیلی ہوئی ہے اور جس کی سیاسی تنظیم ہر ملک میں تقریباً یکساں ہے، وہ اس کو تسلیم کریں گے کہ میری یہ کوشش کہ اس قوم کی سلطنت روما میں انجذاب کے وقت تک کی تاریخ لکھی جائے حق بجانب ہے، اور اگر ان کی دانست میں یہ کوشش (جو اپنی نوع کی پہلی ہے) نہایت ہی ناقص رہ گئی ہے، تو امید ہے کہ وہ میرے ساتھ نامہربانی کا سلوک نہیں کریں گے۔ تاریخ تمدن پر جسے ڈرواسے سن نے بالکل چھوڑ دیتا ہے، مہافی نے اپنی کتاب "یونانی زندگی اور فکر" Mahaffy: Greek life & thought ۱۸۸۷ء میں بحث کی ہے جو ۳۲۳ء ق م سے ۱۴۶ء ق م تک کی تاریخ ہے۔ دیکھو اسکی کتاب "سلطنت سکندر" The Empire of Alexander لندن ۱۸۸۸ء؛ نیز "سلطنت بطالسہ" The Empire of the Ptolernies لندن ۱۸۹۵ء جو ایک نہایت ہی نفیس کتاب ہے۔

Duruy: Histoire des Grecs دیوریوئی: "تاریخ اہل یونان" جلد ۳۔

Spiegel: Eran. Alterthumkunde شپیگل: "قدیمیات ایران" جلد ۳۔ لائپزگ ۱۸۷۸ء؛ نیز نیزے: "تاریخ ریاستہائے یونان و مقدونیہ"

Benedict Niese: Geschichte der Griechen und Makedonischen Staaten جلد ۱، گوٹا ۱۸۹۳ء، ص ۱۹۰۔

کلنٹن و ہرتزبرگ کی تصانیف کے لئے دیکھو تحت باب ۹۔

یادداشت متعلق باب

شوارکز: "عمومیت" Schvarcz: Die Demokratie جلد ا، لائپزگ، ۱۸۸۲ء - پیولطمان Poelhman (میولر کا کتابچہ جلد ۳) مختصر اور پُر معلومات ہے۔

اس جلد کے مکمل معلومات کے لئے دیکھو وسووا Wissowa کی جدید اشاعت پاؤلی: "محیط المحیط Pauly R E مضامین انتی گونوس، انطاکوس، انتی پاتر، ایپانوس، اراتوس، آریوس، ارسطیون، اریانوس، وغیرہ۔

حال کے نقشہ جات میں اہم ترین کیپرٹ Kiepert کے نقشے ہیں، بالخصوص اُس کا "مغربی ایشیائے کوچک کا مخصوص نقشہ" Spezialkarte vom westlichen Kleinasien برلن ۱۸۹۱ء؛ اس میں ۱۵ نقشے ہیں، اور ساتھ ہی مختلف سیاحتوں کے راستوں کے لئے بھی نقشے دئے ہوئے ہیں، مثلاً کاپادوسیہ کا نقشہ سٹیریٹ کے راستے کے لئے، پام فیلیہ، پسیدیہ اور لیکاؤنیہ کا نقشہ وُلف کے سیاحت نامے کے لئے۔

امہوف بلومر کی کتاب: "یونانی اور نیم یونانی اقوام کے سکّوں پر تصاویر" Imhoof Blumer: Portraetokepfe auf ant. Muenzen hellen. und hellenisirter Voelker "لائپزگ ۱۸۸۵ء۔

سکندر نے ایک سلطنت قائم کی تھی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے دل میں سلطنت کی جو تصویر کھنچی ہوئی ہے، یعنی وہ جس کے حدود معیّن ہوں اور جس کی اہمیت ملکی ہو، اس سے یونانی آشنا نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یونانی زبان میں سلطنت کیلئے کوئی لفظ نہیں ملتا۔ اُن کے یہاں الفاظ "آرخے" اور "بازیلیہ" ضرور ہیں، لیکن ان سے مراد ایک شخص یا کسی مخصوص شہر کی حکومت

یادداشت متعلق باب۔

سکے ہیں۔ وہ زمانہ مابعد تک میں، یعنی عہد بیزنطہ میں بھی، اس مفہوم سے گریز کرتے ہیں۔ اُس زمانے میں ہم ایسے الفاظ سے دوچار ہوتے ہیں جیسے "پرسیکا"، "روماییکا"، یا "رومن دولت عامہ"۔ اسی طرح سلطنت کے حصوں یعنی صوبوں کے لیے یونانی میں کوئی لفظ نہیں تھا۔ دیودوروس (۱۸) بھی انھیں "ساتراپی" کہتا ہے، دیون کاسیوس (۵۱، ۱۲) ایتھنے یعنی قبیلہ۔ نیز "خورائی" یعنی "ملک اور" "تھے ماتا" بھی ملتے ہیں۔ ان سب باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یونانی اس تخیل سے واقف نہ تھے کہ کوئی بڑا ملک کسی ایک واحد حکومت کے ماتحت رہ سکتا ہے، اور درحقیقت اُن کے نزدیک سب سے اہم اور ممتاز ادارات انفرادی سیاسی مجموعے، شہر، قبیلے (پولس، ایتھنوس) تھے۔ میں نے بار بار اس کتاب میں اس واقعے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انتظامی مرکزیت دراصل زمانہ حال کی ایجاد ہے۔

باب دوم

سکندر کے جانشینوں کے حالات سلیوکوس کی وفات تک

۳۱۶ ق م تا ۲۸۰ ق م

انتی گونوس کے پرانے رفیق کار اُس کی حرص و آز اور اُسکی درشت مزاجی کی وجہ سے اُس کے خلاف ہو گئے۔ جب اُس نے سلیوکوس کو جلا وطن کیا تو وہ بطلیموس کے دربار میں پناہ گزیں ہو گیا جہاں سے اُس نے اپنے حریف کے خلاف بیچینی پھیلانی شروع کی۔ بطلیموس، لیزی ماخوس ساکن تھریس اور کاساندر نے انتی گونوس سے یہ کہلا بھیجا کہ یومنیس کی شکست سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں اُن کے تم تنہا مستحق نہیں ہو بلکہ ہم بھی اُس کے حقدار ہیں۔ یہ پیغام سن کر انتی گونوس نے یہ جواب دیا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں بطلیموس کے خلاف فوج کشی کروں اس لیے کہ اُس نے سلیوکوس کو اپنے یہاں پناہ دینے سے میرے اقتدار کو ٹھیس

باب ۲

لگائی ہے۔ اصل میں انتی گونوس کا مقصد یہ تھا کہ ایک بڑا آراستہ کر کے اپنے مخالفوں کو بالکل بے یار و مددگار کر دے اور اس کے بعد شام بلکہ ممکن ہو تو مصر کو زیر کرے، چنانچہ اس نے اپنے اس طرز کار کو لشکر کے ایک بڑے اجتماع کے سامنے پیش کیا جو پولیس پرخون کے بیٹے سکندر کے اعزاز میں ہوا تھا، اور اسی اجتماع کے روبرو موخرالذکر نے کاساندر کے خلاف استغاثہ بھی دائر کیا۔ انتی گونوس نے فوج سے کہا کہ وہ کاساندر سے شاہ سکندر کی حوالگی کا مطالبہ کریں، اور اگر وہ اس سے انکار کرے تو پھر اسے دشمن سلطنت قرار دیا جائے۔ رہے یونانی، تو وہ سب کے سب آزادی کے مستحق تھے[1]۔ فوج نے

---

[1] پولیس پرخون کی طرف سے یونانیوں کی آزادی کا اعلان: دیودوروس ۱۸، ۵۶ (ڈروائے سن ۲، ۱ $\frac{۱۸۸}{۲۱۱}$)؛ انتی گونوس کی طرف سے: دیودوروس ۱۹، ۶۱ (ڈروائے سن ۲، ۲، ۱۱)؛ بطلیموس کی طرف سے: دیودوروس ۱۹، ۶۲ (ڈروائے سن ۲، ۲، ۱۵)؛ کاساندر، بطلیموس، لیزی ماخوس اور انتی گونوس کی طرف سے متفقہ طور پر (۳۱۱ ق م)؛ دیودوروس ۱۰۵، ۱-
ان سب اعلانات کے ذریعے سے ایشیا اور یونان دونوں کے یونانی بلدیات کی آزادی تسلیم کی گئی (۱۹، ۶۱)۔ پولی بیوس ۵، ۹۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ "ہیلے نیس" جمہوریت پسند یونانیوں کو کہتے تھے، برخلاف بازی لئیس کے جو جمہوریتوں کے شہری نہ تھے، خواہ وہ کہیں بھی رہیں۔ میرے نزدیک گیبلر Gaelbler کی رائے (ایریتھرائے 19 Erethriai) غلط ہے کہ اس سے ملک یونان مراد تھی، اور نیز سے مجھ سے متفق ہے (۱، ۷۷، حاشیہ ۴)۔ ان اعلانات کے ذریعے سے تمام یونانیوں کو "آزاد" اور "خودمختار" تسلیم کر لیا گیا (۱۹، ۶۱)، اور جہاں تک اصول کا تعلق ہے، یہ صورت حال برابر رومن سلطنت کے زمانے تک جاری رہی۔ ظاہر ہے کہ واقعات

فوراً ان تحریکات کے مطابق قرار دادیں منظور کیں، چنانچہ

بقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ اس نظریئے کے مطابق نہ تھے، اور خود اس نظریئے سے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ پہلا سوال تو یہ تھا کہ یونانی قوم کا ظاہری معیار کیا تھا؟ بلا شبہ یورپ میں یا ایشیا کے اُن شہروں میں جو ابی دوس، ایفی سوس کی طرح قدیم الایام سے یونانی چلے آتے تھے کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائش نہ تھی؛ لیکن یہ حکم کائی نوس، سیلگے، سولی وغیرہ پر نہیں لگایا جاسکتا تھا اور جب کبھی ایسے بلدیات نے خود مختاری اور آزادی کی غرض سے یونانی ہونے کا دعویٰ کیا تو بادشاہ نے ہمیشہ اُنھیں یہ جواب دیا کہ تم بربری ہو اور تمھیں ہمارے حکم کے ماتحت رہنا پڑے گا، چنانچہ اُنھیں ہمیشہ اپنا سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔ پھر اُن شہروں کی حیثیت کیا تھی جو بادشاہوں نے آباد کرکے اپنے ناموں سے اُنھیں معنون کیا تھا؟ خود بادشاہوں کا خیال تھا کہ یہ شہر اُن شہروں سے بالکل علیحدہ ہیں انھیں یونانی ہونے کی وجہ سے قانوناً آزاد ہونے کا حق ہے۔ لیکن یہاں کے باشندوں نے بھی اسی طرح سے اپنے یونانی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ واضح ہو کہ ان شہروں میں ان کے مؤسسوں کی پوجا ہونے کی وجہ سے یہ خواہی نخواہی خاندانِ شاہی کے دست نگر سمجھے جاتے تھے، گو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے باشندے بھی تو یونانی ہی تھے، اور ان میں بھی خود مختاری کی ویسی ہی خواہش تھی جیسی دوسرے یونانیوں میں؛ اُن کے اس جذبے کو اس درجہ ترقی ہوئی کہ اُس عہد کے اختتام پر جس پر ہم تبصرہ کر رہے ہیں، ان کی کوشش سے سلطنت شامیہ شہری جمہوریتوں کی شکل میں ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی (دیکھو ابواب ۵، ۲۰ وغیرہ)۔ علاوہ ازیں آج بھی ایسے ملکوں کی مثالیں ملتی ہیں جو خود مختار بھی ہوں اور کسی دوسری مملکت کے دست نگر بھی، جیسے عہد نامۂ برلن کے بعد بلغاریہ، جو برائے نام بابِ عالی کے ماتحت تھا لیکن فی الواقع آزاد تھا۔ دوسری صدی ق م کے اختتام پر انطاکیہ، لاؤدیسیہ وغیرہ کا

باب۲۔ انتی گونوس نے شمال اور جنوب میں جنگ شروع کر دی۔ شہر صور کے علاوہ فنیقیہ کے کسی شہر نے اُس کی مطلق مدافعت نہیں کی، اور اس شہر کے سوائے تمام مُلک آسانی سے اُس کے قبضے میں آگیا۔ ایشیائے کوچک میں اُس نے اپنے بھتیجے بطلیموس کو اپنا قائم مقام مقرر کیا، اور اس محاذ میں اُس کے اور مصری بیڑے کے مابین، جس کا کماندار سلیوکوس تھا، مڈبھیڑ ہوئی جس میں اُسے نیچا دیکھنا نہیں پڑا۔[۵] خاص ارضِ یونان میں

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ شاہان سوریہ کے ساتھ بالکل اسی قسم کا تعلق تھا، چنانچہ یہ حکم لگایا جاسکتا ہے کہ قدیم یونانی شہر تو "خود مختار رہی ہیں" اور "نگرانی سے آزادی" لیکن وہ بلدیات جن کی تاسیس بادشاہوں نے کی وہ "خودمختاری" اور "نگرانی سے آزادی" دونوں کی کوشش کرتے ہیں اور بہ نسبت قدیم بلدیات کے انھیں "خودمختاری" نسبتہً زیادہ حاصل ہوجاتی ہے۔ ان امور سے ہم یونانی بادشاہوں کے متعلق یونانیوں کے جو خیالات تھے ان کا اندازہ کرسکتے ہیں اور یہ امر تاریخ میں نہایت اہم ہے۔ یونانیوں کے نزدیک بادشاہوں کی مطلق کوئی قانونی حیثیت نہیں تھی "پولس" یا "شہر" کے اندر تو بادشاہ کی مطلق کوئی حیثیت نہیں تھی، اور اس سے باہر اُس کی وہی حیثیت تھی جس کا مختلف عہدناموں کے ذریعے سے تعین ہوا تھا۔ ملکی اقتدار کا خیال یونانیوں سے بہت بعید ہے۔ نیز دیکھو پیول مان Poehlmann کی کتاب "بنیادی اصول" Grundzuege صفحہ ۴۵۶۔

[۵] پیروسانیاس ۱، ۶ میں بطلیموس اوّل کے متعلق بہت کچھ مواد ہے۔ انتی گونوس کے بھتیجے بطلیموس کے لیے، جو پہلے تو کاساندر اور پھر اپنے ہمنام فرمانروائے مصر کے پاس بھاگ جاتا ہے، اور جسے مصر کا حکمران آخر ٹھکانے لگا دیتا ہے، دیکھو نوشتہ مندرجہ "مجموعۂ نوشتہ جات اٹیکا" C. I. A.

میں پولیس پرخون کو برابر میدان جنگ میں فتح ہوتی رہی تا آنکہ خود اُس کا بیٹا اُس سے علٰحدہ ہو کر کاساندر سے مل گیا (۳۱۵ قم)۔ اب بطلیموس نے بھی، جو انتی گونوس سے اپنے آپ کو کچھ کم نہیں سمجھتا تھا، یونان کی آزادی کا اعلان کر دیا، گو ان دونوں آزادی دہندوں کو اس کی ذرّہ بھر بھی پرواہ نہیں تھی ۳۱۴ قم کے واقعات میں یہ بیان کرنا کافی معلوم ہوتا ہے کہ انتی گونوس نے پندرہ مہینے کے محاصرے کے بعد آخر کار شہر صور کو بھی فتح کر لیا، اور ادھر ایشیائے کوچک اور یونان دونوں میں برابر جنگ جاری رہی جس میں کبھی ایک فریق کا اور کبھی دوسرے کا پلڑا جھکا رہا۔ ۳۱۳ قم میں بھی صورت حال میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں ہوئی اور اسی سال میں سب سے نمایاں واقعہ یہ تھا کہ انتی گونوس نے جو بیڑا روانہ کیا تھا اُس نے جزیرۂ لیوبیہ پہنچ کر اس کا ایک حصہ فتح کر لیا؛ اُدھر بطلیموس نے مصر پر اپنے پاؤں جمائے اور قبرص کو بھی تسخیر کر لیا۔ ۳۱۲ قم میں انتی گونوس کے بھتیجے نے خالکِس اور وسطی یونان کے ایک حصے پر قبضہ کر لیا۔ بطلیموس ایک بڑا لشکر لے کر غازہ گیا اور وہاں پہنچ کر انتی گونوس کے بیٹے دیمتریوس کو شکست دے دی جس کی وجہ سے جنگ کی بساط میں گونہ تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اُدھر بطلیموس نے فینیقیہ پر قبضہ کر کے سلیوکوس کو آٹھ سو پیادل اور دو سو سوار لے کر بابل کی طرف روانہ کیا۔ راستے میں اُس کی چھوٹی سی فوج میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا گیا اور آخر کار بابل پہنچ کر یہ اس شہر پر قابض ہو گیا اس کے بعد اُس نے مدیہ کے صوبہ دار نکانور کو

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ جلد ۲، صفحۂ ۲۶۶ = ہکس Hieks ۱۸۱ تا حواشی — ۳۱۵ قم سے ۳۱۲ قم تک کے لئے دیکھو نیز ے Niese $\frac{۲۷۳}{۲۹۲}$

شکست دی جس کی وجہ سے اُس کی فتوحات پہلے سے زیادہ مستحکم ہو گئیں۔
لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ غالباً اُسے اس وقت نہیں بلکہ اُس کے
بہت بعد یہ خیال پیدا ہوا کہ اپنی حکومت کی ابتدا، فتح بابل سے قرار دے
اور اسی واقعے سے جدید سنہ سلیوکوسی کی ابتدا ٹھہرا ئے[۳۵] لیکن
بطلیموس کو دیمتریوس کے ہاتھوں شام کے شہر میوس کے قریب زک
پہنچی جس کے بعد انتی گونوس اور اُس کا بیٹا اس کی بجائے فنیقیہ پر قابض
ہو گئے۔ چونکہ انتی گونوس کو مصر پر حملہ کرنے کی ہمت نہیں تھی اور ساتھ ہی
وہ ایک ضرب ضرور لگانا چاہتا تھا اس لئے اُس نے اپنے بیٹے کو
نباطیوں کے ملک پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ کیا جو عرب الحجر میں
آباد تھے۔ اس سے صرف یہی نتیجہ نکلا کہ یہ قوم بظاہر مغلوب ہو گئی۔
اُدھر ۳۱۱ ق م میں انتی گونوس نے سلیوکوس کو بابل سے نکال باہر
کیا۔ اب ہمارے کان یک بیک ایک صلحنامے کی آواز سے آشنا ہوتے ہیں جو
۳۱۱ ق م ہی میں کاساندر، بطلیموس و لیزی ماخوس اور دوسری جانب انتی گونوس
کے مابین ہونا بتایا جاتا ہے، جس میں یہ طے پایا کہ روشنک کے بیٹے سکندر
کے سن بلوغ تک یورپ میں کاساندر ستراپی گوس کے فرائض انجام دے،
لیزی ماخوس تھریس پر حکومت کرے، بطلیموس، مصر، لیبیہ و عرب کا
والی ہو اور انتی گونوس کے سپرد تمام ایشیائے کوچک کر دی جائے؛
رہے یونانی، تو انھیں آزادی مل جانی چاہیے۔ اس صلح نامے میں دو
چیزیں مبہم ہیں؛ ایک تو یہ کہ آخر یہ ہوا کیسے، اور دوسرے آیا اس کی
جملہ شرائط کا ہمیں علم بھی ہے؟ پھر سلیوکوس کی بابت آخر کیا طے پایا؟
کیا اس کا اس نتیجے میں واقعی کوئی ذکر نہ تھا؟ کیا بطلیموس نے اُسے لٹکتے میں

---

[۳۵] سلیوکوسی سنہ کی ابتدا یکم اکتوبر ۳۱۲ ق م (اولمپیاد ۱۱۷/۱)؛ ڈارو سے، ص ۲، ۲، ۱۵؛ بابلون: "شاہان سوریہ" Babelon: Rois de Syrie صفحہ ۱۷۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان سلیوکوس کے اقتدار کے اسباب میں سے یہ بھی تھا کہ بطلیموس نے سلیوکوس کی مدد کی تھی۔ اس سنہ کو سب سے پہلے فینقی ہی کام میں لائے۔

چھوڑ دیا؟ ہمارے نزدیک بطلیموس کے لئے یہ ناممکن نہ تھا کہ وہ سلیوکوس سے کنارہ کشی اختیار کرے[۵]۔

اس صلح نامے کے اسباب و شرائط پر تاریکی کا پردہ پڑا ہونے کے ساتھ یہ بھی بغایت مشتبہ و مشکوک ہے کہ آخر اُسے کس بہانے سے اور کب توڑ اگیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ ۳۱۰ ق م میں بھی جاری ہے، اور ہم سے کہا جاتا ہے کہ بطلیموس والیٔ مصر نے کلیکیہ کے بعض اضلاع انتی گونوس سے فتح کر لئے اور ساتھ ہی کاساندر اور لیزی ماخوس والے شہروں کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا۔ ۳۱۲ ق م کے صلح نامے کے بعد کاساندر نے روشنک اور اُس کے بیٹے سکندر دونوں کا کام تمام کر دیا، لیکن چونکہ اس حکمران کی زندگی اور اُس کے اوصاف کی طرف کسی کی بھی توجہ نہیں تھی اس لئے ان دونوں کے قتل کا کسی پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ سکندر کے خاندان کا ایک دوسرا فرد ہرقل ولد بارسینہ تھا جو سکندر اصغر کے برابر صحیح النسب نہیں تھا؛ اب اُسے پولیس پرخون پرگامم کی گوشہ نشینی سے میدان کارزار میں کھینچ لایا اور اُسے سلطنت کا جائز وارث ہونے کا اعلان کر کے بظاہر اُس کے لئے ایک معتدبہ لشکر جمع کیا جس میں شرکت کے لئے ایتولیہ والوں نے بھی اپنا ایک رسالہ بھیجا، لیکن ہرقل کی ترقی ہی اُس کے خاتمے کا پیش خیمہ تھی؛ اس لئے کہ چند ہی روز بعد پولیس پرخون نے اُس کے ذریعے سے کاساندر سے

---

[۵] ۳۱۱ ق م والے صلح نامے میں سلیوکوس کا مطلق ذکر نہیں؛ دیو دوروس ۱۹، ۱۰۵ دیو دوروس کے بیان میں ۲۰، ۵۳ (یعنی ۳۰۶ ق م) تک سلیوکوس کا اس کے بعد ذکر نہیں آتا جہاں اُس کی بابت کہا گیا ہے کہ "وہ حال ہی میں اُسے صوبہ دار مقرر کیا گیا تھا" لیکن ہمارے نزدیک اس سے ۳۱۲ ق م سے و نیز دیو دوروس کے بیان متعلق ۱۹، ۱۰۰ سے مراد ہو گی۔ دیو دوروس ۱۹، ۱۰۵ میں جنگ کا حال بیان کرتے کرتے کچھ اور بیان کرنے لگتا ہے لیکن ۳۱۰ ق م (۲۰، ۱۹) میں اسی موضوع کی طرف پھر آتا ہے۔

باب ۲

چند مراعات حاصل کیں، اور اس سے نہ صرف پیلوپونیز کی سیادت بلکہ تمام سلطنت کی حکومت کا وعدہ اس شرط پر کرالیا کہ وہ ہرقل کو راستے سے ہٹا دے گا۔ اس شرط کو پولیس پرخون نے ۳۰۹ ق م میں پورا کر دکھایا، جس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کاساندر نے بھی اپنے وعدے کا ایک جزو پورا کر دیا۔ اس کے بعد کم از کم ہمیں اس کی اطلاع نہیں پہنچی کہ اس نے پولیس پرخون کا خاتمہ بھی ساتھ ہی ساتھ کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ متولیٔ سلطنت تماشاگاہ تاریخ سے بلاکسی قسم کا نشان چھوڑے ہوئے خود سلطنت کے اختتام سے صرف دو سال پیشتر غائب ہو جاتا ہے۔

۳۰۹ ق م میں بطلیموس کو مزید کامیابی ہوئی، یعنی اس نے جنوب و مغربی ایشیائے کوچک میں زانتھوس، کاؤنوس اور فاسے لس پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کو مستحکم کر لیا۔ اس نے یندروس سے اندروس گیا، جا کر اسے "آزاد" کرتا ہوا بحری راستے سے یونان پہنچا جہاں کراتے سی پولس نے ۳۰۸ ق م میں کورنتھ و سکیون اس کے حوالے کر دیئے۔ ابتدا میں تو اس کا یہ ارادہ تھا کہ چند دوسرے یونانی شہروں کو بھی "آزاد" کرائے لیکن کچھ ہی زمانہ گزرنے پایا تھا کہ اس نے یہی بہتر سمجھا کہ کاساندر سے صلح کر لے اور ان دونوں میں یہ قرار پایا کہ جو کچھ جس کے پاس ہے اسے وہ اپنے ہی قبضے میں رکھے۔[۵] اس کے برعکس اسے اپنی دوسری تدبیریں، جس سے تھوڑا بہت فائدہ مقصود تھا، ناکامی ہوئی۔ سکندر کی بہن کلیوپاترا کی، جس نے سارڈس کو اپنا مسکن بنا لیا تھا، یہ خواہش تھی کہ بطلیموس سے

---

[۵] بطلیموس و کاساندر کے مابین صلحنامہ، دیودوروس ۲۰، ۳۷۔

نکاح کرے۔ اس سے پہلے بھی اُس نے اپنا عقد کرنے کی کوشش کی تھی (دیکھو اوپر، باب ۱) لیکن اس میں اُسے کامیابی نہیں ہوئی تھی؛ اب اُسے پھر خیال پیدا ہوا کہ کسی حکمراں ہی سے عقد کرنا چاہیئے، اور ادھر خود بطلیموس نے ایسے معاقدے کو خود اپنے حق میں مفید و کار آمد سمجھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیئے کلیوپاترا سارڈس سے جانا چاہتی تھی لیکن اُسے انتی گونوس نے باز رکھا، اور اس کے چند ہی روز بعد کچھ عورتوں نے اُس کا کام تمام کر دیا جنھیں انتی گونوس نے کافی سزا دی اور حکم دیا کہ مقتولہ کا جنازہ نہایت شان و شوکت سے اٹھایا جائے۔

یہاں تو بطلیموس کو ناکامی ہوئی، لیکن ادھر افریقیہ میں اُسے سرنہ کی تسخیر کی وجہ سے گویا اس ہزیمت کا بدل مل گیا۔ سنہ ۳۱۲ ق م میں اُس کے مقرر کردہ صوبہ دار نے بغاوت کر دی تھی، لیکن اگاتھوکلیس نے باغی صوبہ دار کا کام تمام کر دیا تھا، اور اب بطلیموس کے سوتیلے بیٹے ماگاس نے اُس کی طرف سے از سر نو سرنہ پر قبضہ کر لیا[۵۶] (دیکھو ابواب ۵ و ۷)۔ گویا اُس وقت یعنی سنہ ۳۰۸ ق م کے قریب صورت حال کچھ اس نوع کی تھی کہ بطلیموس سرنہ، قبرص، اجزائے لکیہ و کاریہ، کوس، اندروس، سکیون و کورنتھ پر قابض ہونے کی وجہ سے طاقتور بن گیا تھا؛ کاساندر مقدونیہ کا حاکم تھا اور اُسے ایپائروس میں کسی قسم کی مخالفت سے دو چار ہونا نہیں پڑا تھا۔ دوسرے اب بھی اس کے قبضے میں یوبیہ، تھبز، ایتھنز، میگالوپولس تھے[۵۷]۔

---

[۵۶] سرنہ پر ماگاس کا قبضہ سنہ ۳۰۸ ق م میں ہوا۔ Suid. "دیمتریوس" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماگاس نے سنہ ۳۰۸ ق م سے سنہ ۲۸۵ ق م تک حکومت کی ہوگی۔

[۵۷] مقدونیوں نے ایتولیہ کے خلاف اکارنانیہ کو، بیوتیہ کے خلاف تھبز کو اور آرکیڈیا کے خلاف میگالوپولس کو مدد دی؛ ڈروائے سن ۲، ۲، $\frac{۱۰۳}{۱۰۴}$ —

باب ۲۔

لیزی ماخوس نے اپنے قبضۂ ہیلیس پونٹ کو کار دیہ کے مشرق میں لیزی ماخیہ کی آبادکاری کر کے مستحکم کر لیا تھا۔ ان تینوں حکمرانوں کے خلاف انتی گونوس بالکل یکہ و تنہا تھا، اور ساتھ ہی اسے اپنے عقب میں بھی خطرہ لگا ہوا تھا، اس لئے کہ سلیوکوس نے بابل پر از سر نو قبضہ کر لیا تھا، چنانچہ اُسے اس کی ضرورت پیش آئی کہ وہ کوئی ایسا فعل کرے جس سے بلاد یونان میں ایک قسم کی سنسنی پیدا ہو جائے، اور اُس نے یہ خیال جمایا کہ ایتھنز پر حملہ کرنا چاہئے جو یونان کا گویا ایک طرح کا مرکز بنا ہوا تھا۔[۵] ہم پڑھ چکے ہیں کہ یہاں کاساندر کے قائم مقام

---

۵ ۳۰۰ ق م میں یونانیوں کی جو ذہنی واخلاقی حالت تھی اُسے ڈروائےسن نے مفصلۂ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے (۲، ۲، ۱۰۲): ــ "عوام الناس مفلوک الحال تھے، ان میں اخلاق کی بو تک نہ تھی، وہ اپنے معبودوں اور اپنے مُلک کی طرف سے بالکل بے پروا تھے اور اُن کی اُٹھتی ہوئی نسل کو اُس زمانے کے محبوب و مرغوب فلسفیوں نے بگاڑ دیا تھا"۔ ہمارے نزدیک اس مقولے کا کوئی حصہ بھی درست نہیں ہے۔ پہلے حصے کی عدم صحت کا ثبوت اس موقع پر نہیں دیا جا سکتا، اور اس قسم کے کلیہ آمیز حکم کی تردید کرنے میں ہمیشہ مشکل پڑتی ہے۔ لیکن میرے بیان کا ایک ایک لفظ ڈروائےسن کے خیال کی تردید سمجھنا چاہئے۔ ڈروائےسن کے فقرے کا دوسرا حصہ جو فلسفیوں کے خراب اثرات سے متعلق ہے، اُس میں تھوڑی بہت قطعیت ہونے کی وجہ سے اُس پر بحث کی جا سکتی ہے۔ یہاں ہمیں فرض کرنا پڑتا ہے کہ ڈروائےسن کی مراد "رواقیوں" کے مرکز یعنی ستوا کی تاسیس سے پہلے کے زمانے سے ہوگی اس لئے کہ اس مسلک کی تاسیس کے بعد "بگاڑنے" کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ حکم اس سے پہلے کے زمانے پر بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ ہمارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ

باب ۲۔ کی حیثیت سے دیمتریوس ساکن فالیرم حاکم تھا؛ اُس نے اپنی دہ سالہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اکاڈمیوں، مشائیوں، کلبیوں اور میگاریوں نے اُس زمانے کے نوجوانوں کو بگاڑا تھا؟ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ اگر ڈرواۓ سن کے پیش نظر کوئی وزنی وجہ نہ ہوتی تو اُسے ہرگز اس قسم کا حکم نہیں لگانا چاہئے تھا مگر مفصلۂ ذیل امور سے معلوم ہوگا کہ یہ خیالات محض ذاتی جذبات پر مبنی تھے۔ وہ آگے بڑھ کر چند دوسرے عجیب خیالات کا اظہار کرتا ہے: صفحہ ۱۰۳ پر وہ ایشیائی وجزائری یونان کو، "جو جماعتی خود مختاری کے قعر میں جا پھنسے تھے" بہ نسبت بد اخلاق آزاد یونان کے کہیں بہتر تھے۔ لیکن یہ واقعے کے خلاف ہے کہ ایشیا اور جزائر کے یونانی "جماعتی آزادی" کے قعر میں جا پھنسے تھے۔ قانونی اعتبار سے وہ اُتنے ہی آزاد تھے جتنا خود ایتھنز اور واقعاً بھی انہیں اُس سے کچھ کم آزادی حاصل نہیں تھی، بلکہ ان میں سے بعض نے تو میدان سیاسیات میں اُتنے ہی اعلیٰ وارفع فرائض انجام دئے جیسے ایتھنز نے۔ یہاں ہم صرف ابی دوس (ڈرواۓ سن ۲، ۲۰۱، ۲ و ۲۱۱) اور رھوڈز کا ذکر کافی سمجھتے ہیں۔ اگر یہاں کے باشندے ایتھنزیوں سے زیادہ خوش تھے تو اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ان کی چلت پھرت محض جماعتی جدوجہد تک محدود تھی، لیکن ظہوری نقطۂ نظر سے ڈرواۓ سن کا مطلب اس وقت بالکل سمجھ میں نہیں آتا جب وہ یہ کہتا ہے کہ دیار مغرب میں صورت حال اس سے بہت بہتر تھی، اگا تھوکلیس کی فرماں روائی میں سسلی والے چین و اطمینان سے زندگی بسر کرتے تھے، اور "اپنی منتظم اور عاقلانہ انتظام کی وجہ سے تارنتوم کے طرز عمل سے چھوٹے چھوٹے شہروں کی تائید و پشت پناہی ظاہر ہوتی ہے" واقعہ یہ ہے کہ عیش پسند تارنتوم دوسروں کو مدد دینا تو کجا، خود اپنا بچاؤ بھی نہیں کرسکتا تھا، اور یکے بعد دیگرے کبھی کسی ایپائروسی اور کبھی کسی اسپارٹی کو اُسے بلانا پڑتا تھا؛ رہا سسلی، تو ہمیں اگا تھوکلیس کے عہد میں اس جزیرے میں شمہ بھر بھی خوشی وخرمی کا پتا نہیں چلتا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ان خیالات کے

حکومت کے دوران میں شہر کی دولت وثروت میں ضرور اضافہ کیا، لیکن خود اپنی خرابیٔ اخلاق کی وجہ سے شہر والوں کے خصائل کو پست کر دیا، اور اس پر طرفہ یہ کہ ایک حقیقی خودسر کا روپ بھر کر جاسوسوں اور خفیہ عمال کے ذریعے سے ان کے عیش وعشرت کو سختی کے ساتھ دبانے کی کوشش کی۔ لیکن شہریوں نے اس کی حکومت کے ساتھ روادارانہ برتاؤ کیا، بلکہ بعض تو واقعی اس سے خوش تھے، لیکن وہ ایتھنزی جنھیں پرانی روایات کی یاد تازہ تھی وہ اپنے محبوب ومالوف شہر کو اس قعر میں دیکھ کر شرمسار ہوتے تھے جس میں وہ گر گیا تھا، اور وہ ایسے شخص کا حکم ماننے کو اول درجے کی ذلت ونکبت سمجھتے تھے جس نے اس وقت تک میدان جنگ میں کوئی کارنمایاں انجام نہیں دیا تھا اور جو خود اپنی رائے پر عمل کرنے کی بجائے کاساندر کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔[۹] ان کا خیال تھا کہ

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ بے بنیاد ہونے کا ثبوت دے دیا ہے، اور میرے نزدیک یہ محض لکھنے والے کے ذاتی جذبات سے زیادہ کسی چیز پر مبنی نہیں ہیں، اس لیے کہ اوّل تو ان کا پیش کرنے والا اوّل درجے کے علماء سے ہے، اور دوسرے اُن کو غلط ثابت کر سکے ہیں تو ایک اور بات کو صاف کر دیا ہے، وہ یہ کہ جس زمین پر ان خیالات کا نشوونما ہوتا ہے یعنی اہل یونان کی بداخلاقی جو واقعاً آزادی کی جِلّد وجِیرمیں لگا ہوا ہے، اس زمین کا وجود دراصل محض تخیل سے باہر نہیں ہے۔ نیز دیکھو حواشی باب ۶۔

۹ دیمتریوس ساکن فالیروم کے لئے مقابلہ کردہ تحریرات جن کا ہرمان ٹومسر (Hermann-Thumser: Staatsalt) "مملکت قدیمہ" ۱۳۵ میں ذکر ہے۔ اس شخص کو شوارکز (Schwarez: Die Demokratie) "عمومیت" لائپزگ ۱۸۸۲ء) اور خون ولاموو تز (Willamowitz: "انتی گونوس ساکن کاریستوس" Antigonos von Karystos صفحہ ۱۸۴) نے بہت کچھ بڑھا دیا ہے۔

اگر وہ کسی طرح اپنی کھوئی ہوئی آزادی حاصل کرلیں تو ایسی حالت میں

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ ولاموو تز کہتا ہے کہ دیمتریوس نے مملکت کو محفوظ کیا، اس میں امن و امان رائج کیا، فرقہ وارانہ آزادی کی کیفیت سے کام چلا نے کا صحیح راستہ بتایا، وہی وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے لڑکوں کی تعلیم کو مملکت کا فرض قرار دیا اور "ایفی بیا کو سرکاری ادارہ بنا دیا"۔ جب سے ارسطاطالیس کی کتاب "دستور ایتھنز" دستیاب ہوئی ہے اس وقت سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایفی بیا کو دیمتریوس نے سرکاری جامہ پہنایا، اس لئے کہ ۳۲۳ جیسے بعید زمانے میں بھی ایفی بیا کی یہی نوعیت تھی۔ فون ولاموو تز کہتا ہے کہ دیمتریوس ہی نے مدارس فلسفہ میں تعلیم کے آزادانہ پیرائے کو مستحکم کر دیا۔ لیکن یہ واقعے کے خلاف ہے اس لئے کہ کسی غیر ملکی حکمران کا ایک عہدہ دار ایتھنز کے کسی ادارے کو بھی مستحکم نہیں کر سکتا تھا۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اُس نے آزادی تعلیم کی حفاظت ضرور کی لیکن اس کی بنیاد اور اس کا استحکام محض ایتھنز والوں کے صحیح جذبات پر منحصر تھا۔ اسی طرح یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اُسی نے امن و امان قائم کیا، اس لئے کہ یہ دیمتریوس جیسے عہدہ دار پر منحصر نہیں تھا بلکہ اس کا زار و مدار اُس کے آقا اور ہمعصر حکمرانوں پر تھا۔ ممکن ہے کہ اُس کے عہد میں ایتھنز میں امن و امان رہا ہو، جہاں تک کہ اُس میں کسی قسم کا اختلال پیدا نہیں کیا۔ ناٹک کے مقابلوں کی از سر نو تنظیم بھی اسی کے ساتھ منسوب کی جاتی ہے (دیکھو ہلر Koehler ۳)

۲۲۵ میولر: "تماشا گاہ قدیم" Mueller: Buehnen Alterthum, ۲۲

دیمتریوس نے ضرور ۳۰۹ ق م میں عید دیلی سیہ کی صدارت کی، اور کچھ عرصے کے بعد ہم ادارۂ اگونو تھیٹر یا ("نگرانی لعب") سے دوچار ہوتے ہیں، چنانچہ ممکن ہے کہ یہ تبدیلی اُسی نے کی ہو۔ لیکن ان دونوں ادارات کے درمیان جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ خورگیا تو ایک "لئی تورگیا" یا خدمت عامہ سمجھی جاتی تھی اور اگونو تھیٹر یا کی نوعیت ایک عہدے کی تھی۔ اس جدت کا سبب یہ تھا کہ

باب ۲ | انھیں اپنے معبودوں کا شکر گزار ہونے کا موقع مل جائے گا، اور

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ مختلف عیدوں اور تہواروں کے موقعوں پر کافی اشخاص چندہ دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے، لیکن چونکہ یہ عیدیں بہر نوع منعقد ہونی ضرور تھیں اس لئے خود عموم نے خورگیا کو اپنے سر لے لیا اور ایک نگران لعب (" اگونوتھیٹیس ") کو مقرر کیا جو ایک ذمہ دار عہدہ دار ہوتا تھا تاکہ وہ مختلف مدارج کی نگرانی کرے۔ اس سے وہ صورت حال یاد آتی ہے جس کا الزام یوبولوس پر لگایا گیا تھا (جلد ۳ باب ۱۵، حاشیۂ ۵)، اور اب مملکت کو اسی طرح روپیہ مہیا کرنا پڑتا تھا، درانحالیکہ اب دیمتریوس کے عہد میں صرف مرفہ الحال شہریوں کو رائے دہی کا حق باقی رہ گیا تھا۔ چنانچہ اگر اس طبقے کے سر سے عیدوں اور تہواروں کے اخراجات برداشت کرنے کا بار ہٹا لیا گیا اور اُن کی بجائے اس کا بار خزانۂ عامرہ پر ڈالا گیا تو اس سے مرفہ الحال طبقے کی طرف صریح میلان ظاہر ہوتا ہے، اور ہمیں یہ سن کر تعجب نہیں ہوتا کہ اس منظورِ نظر طبقے نے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ طے کیا کہ اُن کے مربی اور سرپرست کے ۳۶۰ مجسمے نصب کئے جائیں، اور اس کا خرچہ خزانۂ عامرہ سے دلایا جائے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ حال میں اس تمام قصے کو بالکل دوسرا جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی ہے اور دیمتریوس اور مرفہ الحال طبقے کو سراہا گیا ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ مملکت پر نہیں بلکہ اس "نگران لعب" پر جملہ اخراجات کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی، اور اس مفروضے کی تائید میں ایتھنزیوں کی وہ تجویز عوام میں پیش کی جاتی ہے جو فلپی دیس کے لئے منظور کی گئی تھی (" مجموعۂ نوشتہ جات اٹیکا C I.A ۲، ۳۱۴ = ڈٹن برگر ۱۴۳)، جس میں اس شخص کی اس لئے تعریف و توصیف کی گئی تھی کہ اُس نے "خود اپنی جیب سے" اس وقت بہت روپیہ خرچ کیا تھا جب وہ "نگران لعب" تھا۔ اس نقطۂ نظر سے اخراجات کا بار خزانۂ عامرہ پر مطلق نہیں پڑتا تھا۔ لیکن ہماری رائے میں یہ درست نہیں ہے، دیکھو ڈٹن برگر ۱۸۱ اور ہرمان ٹومزر Hermann-Thumser. ۱۲۱،

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ اوّل تو یہ مفروضہ پایۂ ثبوت ہی کو نہیں پہنچا، اور دوسرے یہ فی نفسہٖ ناممکنات سے ہے، اور یہ ایسی بات ہے جو اس سے پہلے کسی کے ذہن میں نہیں آئی۔ فیلی دیس کے اعزاز سے کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے کہ اُس کا اعزاز محض اس لیے کیا گیا کہ اُس نے یہ روپیہ خود اپنی جیب سے خرچ کیا تھا جس پر وہ مجبور نہیں تھا۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُس کے عہدے کی ذمہ داری ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رقوم عامہ کے خرچ کا وہ ذمہ دار تھا، اور درحقیقت اُس نے صرف یہ کیا کہ اس رقم میں خود اپنی جیب سے اضافہ کر دیا۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عموم کے خورگیا سے معنی یہی ہیں کہ عموم پر روپیہ ادا کرنے کا فرض عائد ہوتا ہے۔ لیکن، جیسا اوپر کہہ چکا ہوں یہ مفروضہ ناممکنات سے بھی ہے، اس لیے کہ ایک ایسی مملکت جس میں ایک آدھ درجن ایسے لوگ نہ نکلیں جو اپنی جیب سے سنگیتیوں کی اجرت دے سکیں تو وہ ہر سال ایک شخص واحد کو کیسے ترغیب دے سکتی ہے کہ وہ اس رقم کو جو پہلے دس بارہ لوگوں کی جیبوں سے نکلتی تھی، خود اپنی جیب سے نکال دے۔ ہم یہ نتیجہ نکالنے پر حق بجانب ہیں کہ اگونو تھیٹز یا یا نگران لعب کے عہدے کے قیام کی وجہ سے اخراجات عید کا بار خزانۂ عامرہ پر پڑ گیا، اور اگر دیمتریوس ہی نے یہ تبدیلی کی تھی تو اُسے اچھی طرح سے اس کا علم ہو گا کہ اس سے کس طبقے کو فائدہ پہنچتا ہے، اور مرفہ الحال طبقہ اپنے فوائد کو خوب اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔ لیکن دیمتریوس نے اظہار سنجیدگی کی بہت کوشش کی۔ اُس نے اعداد و شمار کے خیال کو ترقی دی Atth. ۲، ۲، ۷، ۶۔ بیلوخ: "مردم شماری" Beloch: Bevoelkerung صفحہ ۵۷ د ۷ ۵۔ اُسنے "نگراں ہائے قانون" Nomophylakes کا تقرر کیا اور Sync. ۲۷۳ میں تو اُسے "تیسرا ایتھنزی مقنن" گردانا گیا ہے۔ اُس کی خواہش تھی کہ لوگ اُسے سولون اصغر سمجھیں۔ اُس نے خاص طور پر مقبروں کے خرچ تعمیر کو محدود کرنے کی کوشش کی دیکھو Cicero: De Legg, ۲، ۶۶)

باب ۱۰ | حکمراں شاہ مقدونیہ سے کہیں زیادہ دور افتادہ اور ان سے بدرجہا کم ظالم تھے،

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ جس کی وجہ سے فنون لطیفہ کو معتدبہ نقصان پہنچا؛ دیکھو" جریدۂ لسانیات برلن" Berl. Phil. Woch. سنہ ۱۸۹۲ء، صفحہ ۸۴۴۔

سسرو کہتا ہے کہ اس مقصد کے لئے اُس نے ایک اور عہدہ دار مقرر کیا، جس سے دیمتریوس کے عہدوں میں اضافہ کرنے کی خصوصیت کا اظہار ہوتا ہے۔ سسرو De off. ۲/۶۰ میں فارقلیس کو اُس لئے برا بھلا کہتا ہے کہ اُس نے "اسقدر روپیہ پارتھے نون کا صدر دروازہ بنانے میں صرف کر دیا تھا" جس سے دیمتریوس کا مبلغ نظر صاف ظاہر ہو جاتا ہے، اور اس پر وہ نہایت اطمینان سے خود اپنے ۳۶۰ مجسموں کی تنصیب کی قرارداد کو تسلیم کر لیتا ہے! ظاہر ہے کہ اس مصرف میں روپیہ خرچ کرنا ایک بالکل دوسری بات تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اس واقعے کا، جو اکثر یونانیوں کے لئے اظہر من الشمس تھا، اندازہ ہی نہ تھا کہ ایتھنز کی عظمت دو جذبات پر مبنی تھی، ایک تو آزادی سے عشق اور دوسرے خوبصورتی سے محبت۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کے عہد حکومت میں ایتھنزی غیر ملکیوں کا خیال پہلے سے بہت کم کرتے تھے، لیکن اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ جس قدر بھی چاپلوسی ممکن تھی وہ خود اپنی ہی کراتا تھا۔ بحیثیت ذی علم ہونے کے اُس میں قابلیت کی کمی تھی، اور اگر یہ امر واقعہ ہے کہ وہی نوادر خانۂ اسکندریہ کا موسس تھا تو اُس کی عظمت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے؛ لیکن کسی دوسرے لحاظ سے اُس کی شخصیت میں غلو نہیں پایا جاتا۔ اُسے تین چیزیں مرغوب تھیں؛ علم و عیش تو اپنے لئے اور سخت ترین تادیب غربا کے واسطے۔ وہ ایک ایسا متمدن دنیا دار تھا جو گویا معاشرے کے محافظ کا روپ بھرے ہوئے تھا، اور یہ وہ نوع ہے جس کی مثالیں ہمارے زمانے میں بہت سی ہیں۔

لیکرگوس کی زندگی سے غیر ملکی بادشاہ کے اس بد اخلاق قائم مقام سے ایک قسم کا تباین سامنے آتا ہے۔ لیکرگوس خوبصورت اور نبیل کا گویا پجاری تھا، اور اُس کے ساتھ ایک اوّل درجے کا عملی جمہوری مدبر تھا جس نے ایتھنز میں اپنی

باب۵

چنانچہ ایسی حالت میں انھیں اس کا موقع ملنا آسان تھا کہ وہ اپنی قرار دادوں کو پر امن طریقے سے منظور کرلیں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ جب دیمتریوس ولد انتی گونوس جو اپنے ہمنام ساکن فالیرم کی طرح بہادر، خوبرو اور قابل شخص تھا، راس سونیوم کے قریب ۳۰۷ ق م میں ایک بڑا بیڑا، روپیہ اور سپاہی لے کر نمودار ہوا، اور سنتریوں کی اس غلطی کی وجہ سے کہ انھوں نے اسکے جہازوں کو مصری جہاز سمجھا، وہ پرائیوس میں بیس کشتیوں سمیت لنگر انداز ہوگیا تو اسے وہاں کے لوگوں نے نہایت گرمجوشی سے خوش آمدید کہا[۱۰]۔ چند چھوٹی موٹی مڈبھیڑوں کے بعد دیمتریوس ساکن فالیروم نے اس سے لوگوں کی حفاظت کرنے کے لیئے استدعا کی اور خود اس کے بعد اپنے وطن واپس چلا گیا۔ انتی گونوس کے بیٹے نے میگارا اور قلعہ مونی خیہ، جس پر مقدونوی قابض تھے، مسخر کرلیا، اور ستمبر ۳۰۷ ق م میں وہ ایتھنز میں بصد حشم وخدم داخل ہوگیا۔ اس نے شہریوں سے وعدہ کیا کہ میں جہاز بنانے کے لیئے

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ مہربانی آمیز عہد کے آثار چھوڑ گیا ہے۔ اس کے لیئے دیکھو دیور باخ: "خطابت لیکرگوس" Duerrbach: L'Orateur Lycurgue پیرس، سنہ ۱۸۹۰ء؛ کرتیوس: "تاریخ بلدیۂ ایتھنز" E. Curtius: Die Stadtgeschichte von Athen برلن سنہ ۱۸۹۱ء، صفحہ ۲۱۳ وغیرہ وصفحہ ۲۲۵ وغیرہ۔

[۱۰] دیمتریوس پولیورکیتیس الکبیادیس کی طرح بیس جہاز لے کر پرائیوس آتا ہے دیولیائینوس ۴، ۷، ۶۔

ایتھنزیوں کی طرف سے انتی گونوس و دیمتریوس کی عزت؛ واخسموت: "بلدیۂ ایتھنز" Wachsmuth: Stadt Athen ۱، ۶۱۲ / ۶۱۳۔

قبیلوں کا مختصر بیان؛ ہرمان ٹومرز ی ۱۳۰۔

باب ۷

لکڑی اور کھانے کے لئے اناج کا انتظام کروں گا۔ اس کے بعد کاساندر کے پیروؤں کا مواخذہ کیا گیا، لیکن حکم صرف انھیں کے خلاف سنایا گیا جو غائب تھے؛ اور ان سب کو رہا کر دیا گیا جو حاضر تھے جن میں سے ایک مشہور شاعر مناندر بھی تھا۔ لیکن اگر لوگوں نے انتقام لینے میں اعتدال دکھایا تو ساتھ ہی اپنے بچانے والے اور اس کے والد کی اطاعت پذیری میں وہ حد سے بہت تجاوز کر گئے۔ انکے اعزاز میں دو جدید قبیلے یعنی انتی گونس و دیمتریاس بنائے گئے؛ نیز دیمتریوس کے نام پر مہینے کا ایک دن اور ایک میلا موسوم کیا گیا اور انتی گونوس و دیمتریوس دونوں کو بادشاہ اور معبود کے خطابات پیش کئے گئے۔ غرض آزاد شدہ ایتھنزیوں نے تقریباً اُتنے ہی غلامانہ انداز سے سپہ سالار دیمتریوس کے ساتھ برتاؤ کیا جتنا حلقہ بگوش ایتھنزیوں نے دیمتریوس ساکن فالیرم کے ساتھ کیا تھا، اور یہ عکمران یونان کے سب سے زیادہ علمی مرکز میں اتنے ہی آرام واطمینان کے ساتھ رہنے لگا جتنا کوئی فلسفی رہتا۔ ایتھنز کی آزادی کا بجنسہ وہی نتیجہ نکلا جو انتی گونوس سمجھے ہوئے تھا۔ اس کی وجہ سے کاساندر کا اقتدار اتنی بُری نظروں سے دیکھا جانے لگا کہ ایپی دورس والوں نے ہمت کر کے اس کے آلۂ کار شاہ الکے تاس کو جان سے مار ڈالا، اور اُسکے بھتیجے یعنی ایاکد اس کے بیٹے پرھوس کو تخت پر بٹھا دیا۔ اگر انتی گونوس دیمتریوس کو نہ بلا لیتا تو اس کی وجہ سے سرزمین یونان میں جگہ جگہ انقلاب رونما ہو جاتا۔ لیکن انتی گونوس کی خواہش تھی کہ وہ بطلیموس کے خلاف جو قبرص میں ایک بڑا لشکر جمع کر رہا تھا، کارروائی کرے۔ دیمتریوس نے رھوڈز والوں سے مصر کے خلاف مخالفت کے لئے کہا، لیکن انھوں نے غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا، اور دیمتریوس نے اپنے دل میں یہ ٹھان لیا کہ موقع ملنے پر وہ اُن کی سرکوبی میں کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔

باب ۲

اس کے بعد اس نے سالامس کا محاصرہ کیا، جس پر بطلیموس کا بھائی مینے لائوس قابض تھا۔ اب خود بطلیموس ایک بہت بڑا بیڑا لے کر آموجود ہوا۔ دیمیتریوس نے اسے شکست فاحش دی، یعنی چالیس جہازوں کو تو گرفتار کیا، اسی سے زیادہ ڈبو دئے، آٹھ ہزار سے زیادہ سپاہی جو ایک سو بار برداری کے جہازوں پر تھے قید کئے اور بیشمار مال غنیمت پر قبضہ کیا۔ ان قیدیوں میں سے ایک بانسری نواز لامیہ نامی بھی تھی جو بہت جلد فاتح کی منظور نظر بن گئی۔ جب مینے لائوس نے سالامس کی کنجیاں فاتحوں کے حوالے کر دینے پر تمام قبرص نے ہتھیار ڈال دئے اُس وقت انتی گونوس دریائے اورونتیس کے دہانے پر پڑا ہوا تھا۔ یہاں دیمیتریوس کا فرستادہ ارسطودیموس ساکن ملطہ جہاز پر سے اترا اور اُسے "شاہ انتی گونوس" کہہ کر مبارکباد دی، جس پر ہر کس و ناکس ہمزبان ہو کر "شاہ انتی گونوس زندہ باد" چلا اُٹھے اور تمام جنگل ان کے فلک شگاف نعروں سے گونج اُٹھا۔ انتی گونوس نے "شاہ" دیمیتریوس کا شکریہ ادا کیا۔ اصل میں وہ یہ چاہتا تھا کہ اس طرح سکندر کی سی مطلق العنان حکومت کو اپنے ملک میں رواج دے، لیکن اُس کے حریف اسے سخت ناپسند کرتے تھے، اور بطلیموس، سلیوکوس، لیزی ماخوس اور کاساندریں سے ہر ایک بادشاہ بن بیٹھا جب نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب ہرقلیہ جیسے چھوٹے سے شہر کے خود سر دیونی سیوس نے بھی خطاب شاہی اختیار کیا تو محسوس ہونے لگا کہ اب سکندر کی سلطنت کا بالکل ہی خاتمہ ہونے کو ہے [لله]۔

لله دیمیتریوس ۱۲۰۰ زرہ بکتر ایتھنز روانہ کرتا ہے؛ ڈرو ائےسن ۲، ۲، ۱۳۵۔ اسی موئف کا خیال ہے (۱۴۱) کہ اُسی زمانے میں پفلاگونیا، پونتوس اور اتروپینے نے بھی شاہی خطاب اختیار کئے ہوں گے۔ ان ممالک کی بابت جو کچھ اُس نے کہا ہے وہ بھی قابل مطالعہ ہے۔ سکّوں سے اس کا پتا لگتا ہے کہ انتی گونوس اور

باب ۲

انتی گونوس بہت کچھ کر چکا تھا، لیکن ابھی ایک نہایت ضروری چیز، یعنی مصر کی فتح باقی تھی، اور اس کی تکمیل کے لئے اس نے ایک بیڑا اور ایک عالی شان لشکر لے کر دریائے نیل کی پیلوزیوم والی شاخ کی طرف بھیجا جس کے بائیں کنارے پر بطلیموس کا قبضہ تھا۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت تک راستہ روکے رہے جبتک دیمتریوس مغرب کی طرف اُتر کر مصریوں کے عقب میں حملہ نہ کردے۔ لیکن طوفان کے باعث دیمتریوس اپنے جہازوں پر سے نہیں اُتر سکا اور اُسے اپنی فوج کی طرف چلا جانا پڑا۔ اس زک کے بعد انتی گونوس کو چاروناچار اپنے قدم موڑ دینے پڑے۔ یہ سچ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے دن پروکاس کی طرح ختم کرنے نہیں چاہتا تھا، لیکن اتنے تزک واحتشام کے ساتھ تیّاری کے بعد حملہ تک نہ کرنا کچھ زیادہ خوش آئند نہ تھا۔ (۳۰۶ ق م)۔

بہرنہج اب اُس کی یہ خواہش تھی کہ کسی دوسری جگہ اُسے کچھ نہ کچھ معاوضہ مل جائے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ رھوڈز والوں نے اُسکے ساتھ مصر کے خلاف تعامل کرنے سے صاف انکار کردیا تھا، اور گو وہ علی العموم اُس کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آتے تھے، مگر بطلیموس کے خلاف ہتھیار اُٹھانے پر وہ اس لئے راضی نہیں

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ دیمتریوس کی سلطنتیں ایک دوسرے سے ممتاز تھیں، ہیڈ Head "تاریخ مسکوکیات" H.N. صفحہ ۲۰۱ وصفحہ ۲۰۲۔ چودرہموں کے ایک طرف نشستہ یا استادہ پوسیڈون کی جو شبیہ ہے وہ نہایت نفیس ہے۔ دیمتریوس پولیورکتیس کے سونے اور چاندی کے سکّوں پر ساموتھریس کی فتحمند دیبی کے مجسّمے کی، جو اس وقت نوادرخانہ لوؤر میں ہے، نقل ہے: ہیڈ، "تاریخ مسکوکیات" ۲۰۲، شبیہ ۱۴۳۔ نیز دیکھو باب ۲۱، عقب۔

مصر پر حملے کے لئے، نیزے Niese جلد ۱ ص ۳۲۲ - ۳۲۴۔

باب ۲۷

ہوتے تھے کہ اُن کا اقتدار اور اُن کی ثروت دونوں اسکندریہ کیساتھ تجارت کرنے پر منحصر تھی[۱۲] اب انتی گونوس نے یہ تہیہ کرلیا کہ انھیں اس انکار کی خاطر خواہ سزا دے گا۔ اس کا خیال تھا کہ جزیرے والوں کو حلیف بشکل سے بل سکیں گے چنانچہ وہ بآسانی تمام اُنھیں مغلوب کرلے گا۔ اس میں شبہہ نہیں کہ رھوڈزیوں کو حلیف نہیں ملے لیکن باوجود اس کے بھی وہ اُنھیں مغلوب نہیں کرسکا۔ دیمتریوس ایک پُرشکوہ بیڑا لے کر، جس میں دوسو جنگی جہاز، ایک سو ستر ۱۷۰ باربرداری کے جہاز ایک ہزار بحری قزاقی کی کشتیاں اور تجارتی جہاز تھے، رھوڈز کے مقابل بندرگاہ لوریما پہنچا، اور وہاں سے پھر ایک مرتبہ جزیرے والوں سے کہلا بھیجا کہ وہ مصر کے خلاف مخالفہ کرنے کے لئے تیار ہوں تو آئیں۔ اس پر کچھ گفت وشنود ہوئی اور وہ راضی بھی ہوگئے۔ لیکن جب دیمتریوس نے ایک سو سربرآوردہ شہریوں کو بطور یرغمال کے طلب کیا اور ساتھ ہی اس کا اعلان کیا کہ وہ اپنے جنگی جہاز خاص بندرگاہ رھوڈز میں لیجائیگا تو انھیں اس بات کا یقین ہوگیا کہ وہ اُنھیں کلیتہً مغلوب کرنے کا خواہاں ہے، چنانچہ اُنھوں نے آخر تک مدافعت کرنے کی ٹھان لی۔ یہ سُن کر دیمتریوس نے شہر کا محاصرہ کرلیا، اور یہ محاصرہ اپنی اس خصوصیت کی وجہ سے تاریخ یونان میں ممتاز ہے کہ اسمیں حملہ آوروں نے اپنا کام نہایت دانائی سے انجام دینے کی کوشش کی اور محصورین

---

[۱۲] محاصرۂ رھوڈز: دیودورس ۲۰، $\frac{۸۱}{۸۸}$ (۳۰۵ قم)؛ $\frac{۹۱}{۱۰۰}$ (۳۰۴ قم)؛ دروائسن ۲، ۲، ۱۵۳ $\frac{۱۵۳}{۱۷۴}$ نیز ۱۷، ۳۳۳، حاشیہ ۱؛ تور: "رھوڈز بزمانۂ قدیمہ" Torr. Rhodes in ancient times کیمبرج، ۱۸۸۵ء ص $\frac{۴۵}{۵۸}$ نقشۂ رھوڈز؛ کیپرٹ: "ہیلاس" Kiepert:Hellas نقشۂ ۸ جزیرے کا نقشہ، کیپرٹ: "مغربی ایشیائے کوچک" Kiepert: Westl. Kleinas. ۱۵- نیز دیکھو باب ۲۲ حاشیۂ ا-

بھی اسی جانبازی اور شدت کے ساتھ مدافعت کرتے رہے۔ یہ محاصرہ ۳۰۵ ق م سے ۳۰۴ ق م تک برابر جاری رہا۔ رھوڈزیوں کی کیفیت اس لئے اور بھی ناقابل اطمینان تھی کہ اُن کے جنگی بیڑے کے کمزور ہونے کی وجہ سے دیمتریوس کو سمندر پر تفوق حاصل تھا۔ لیکن وہ پیدائشی ملاح ہونے کی وجہ سے تنہا جہازوں کو اِدھر اُدھر لئے پھرتے تھے، چنانچہ محض فن جہازرانی میں یکتا ہونے کی وجہ سے وہ کاساندر، لیزی ماخوس اور بطلیموس کے پاس پیام بھیجنے میں کامیاب ہوگئے۔ اُنھوں نے ان فرمانرواؤں سے کہلوایا کہ وہ بڑی مشکل میں آپھنسے ہیں اور انھیں امداد کی شدید ضرورت ہے۔ اس کے جواب میں اُنھیں ہر طرف سے اطمینان بخش جواب ملے، لیکن خاطر خواہ امداد کہیں سے بھی نہیں آئی۔ آخر کار اُنھیں اطراف بلدہ سے بھی دست برداری دے دینی پڑی۔ ہمیں یہ دیکھنے سے بڑا تعجب ہوتا ہے کہ اُن کے پاس صرف سات ہزار جنگجو، چھ ہزار شہری اور ایک ہزار کاریگر تھے اور ان کے علاوہ اُنھوں نے غلاموں کو بھی مسلح کرلیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اتنے کم سپاہی صرف ایک مختصر رقبے ہی کے لئے بکار آمد ہوسکتے تھے۔ شہریوں میں جوش کا یہ عالم تھا کہ عورتوں نے نہایت جرأت اور ہمت کرنے میں صرف مردوں کے دل ہی نہیں بڑھائے بلکہ فصیل پر لڑائی میں بھی اُن کی مدد کی۔ پہلے تو دیمتریوس نے سمندر کی طرف سے حملہ کیا تاکہ وہ بندرگاہ پر قبضہ کر کے شہر میں بآسانی داخل ہوسکے۔ اُس نے بیرونی بندرگاہ کو مسخر کرلیا لیکن اندرونی حصے پر وہ قبضہ نہیں کرسکا اور آخر کار اُسے بیرونی حصے سے بھی دست بردار ہو جانا پڑا۔ اس کے بعد اُس نے خشکی کی طرف سے حملہ کیا اور اس میں محاصرے کی وہ سب ترکیبیں چلیں جن کا اُنھیں علم تھا۔ اُس کی جنگی کلوں میں سب سے غیر معمولی ایک کل مسمی ہیلے پولس تھی جو ۵۰، قدم طویل ۷۵، قدم عریض اور

۱۵۰ قدم اونچا ایک منارہ تھا جو آٹھ عظیم الشان پہیوں پر ہر طرف گھومتا تھا اور جس کے گھمانے کے لئے ۳۴۰۰ لوگ درکار ہوتے تھے۔ اس منارے کی نو منزلیں تھیں جو ہر طرح کے آلات حرب سے معمور تھیں۔ ہیلیپولس کے علاوہ سرنگیں لگانے کے چار مسقف آلے تھے اور دو عظیم الشان منجنیق ایک سو نوّے قدم لمبے جن میں سے ہر ایک کو کام میں لگانے کے لئے ایک ایک ہزار آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی، فصیل پر حملہ کرنے کے لئے حاضر تھے۔ یہ سب آلے کام میں لائے گئے اور دیواروں کے برج اور مختلف حصّے گرنے لگے، لیکن جو حصّہ گرا اس کے عقب میں ایک جدید دیوار نظر آئی جو رھوڈزیوں نے نہایت سرعت سے بنائی تھی۔ دراصل اُنھوں نے احتیاطاً خود اس جدید دیوار کے پیچھے ایک تیسری دیوار بھی تعمیر کی تھی۔ تاکہ اگر یہ بھی گر جائے تو بھی کچھ مضائقہ نہ ہو۔ اُنھوں نے چھوٹی چھوٹی بحری مہمات کے ذریعے سے دشمن کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اُن کے حلیف حکمرانوں نے اُن کی مدد کے لئے اناج روانہ کیا، اور بطلیموس نے تو ڈیڑھ ہزار سپاہیوں کی کمک بھی روانہ کی۔ ایک موقع پر دیمتریوس شہر پر قبضہ کرتے کرتے رہ گیا۔ ہوا یہ کہ اُس کی فوج کی ایک پلٹن فصیل کے ایک سوراخ میں ہو کر تماشاگاہ میں گھس کر وہاں ایستادہ ہو گئی۔ فوج کی اس کامیابی پر جو بحران ہوا اگر اُس میں دیوار کی مدافعت چھوڑ کر رھوڈزی تماشاگاہ کی حفاظت میں لگ جاتے تو ممکن ہے کہ دیوار پر دھاوا بول کر دیمتریوس اُس پر قبضہ کر لیتا؛ لیکن اُنھوں نے تادیب کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور صرف اُتنے ہی سپاہیوں کو تماشاگاہ کی طرف بھیجا جتنوں کی وہاں قطعی ضرورت تھی، اور اُن کے ذریعے سے ان گھس آنیوالوں کو تھکا کر آخر کار اُنھیں شدید نقصان کیساتھ پسپائی پر مجبور کر دیا۔ رھوڈز از سر نو محفوظ ہو گیا، لیکن حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ مثل دوسرے

قلعوں کے جن پر ایک بڑا بھاری جری لشکر حملہ کر رہا ہو، رھوڈز کا بھی خاتمہ ہو جاتا اگر انتی گونوس نے محض ظاہری اطاعت قبول کر کے محاصرہ اُٹھا لینے کا حکم نہ دے دیا ہوتا۔ اصل میں ایتولیوں اور اتھینیوں پر کیا سا اندر دباؤ ڈال رہا تھا۔ بہر حال رھوڈزی تھوڑی بہت مراعات حاصل کر کے "جان بچی اور لاکھوں پائے" کے مصداق خوش ہو گئے۔ اُنھوں نے انتی گونوس کے ساتھ میل کا اعلان کر دیا، لیکن ساتھ ہی بطلیموس کے ساتھ تعلقات کو آپس کے شرائط سے مستثنیٰ کر دیا اور مزید براں یہ شرط کر لی کہ اُن کے شہر میں بادشاہ کا کوئی دستہ مقیم نہیں رہے گا۔ وہ ایک سو شہری یرغمال کی طور پر دینے کے لئے ضرور تیار ہو گئے، لیکن ان میں سے ایک بھی سربرآوردہ نہیں تھا۔ یہ صلحنامہ جس پر سنہ ۳۰۴ق م میں دستخط ہوئے، رھوڈزیوں کی عاقلانہ اور بے زعمانہ انداز کے بالکل مطابق تھا، اور اس میں جو اُصول مدنظر تھا وہ یہی تھا کہ اُصولی معاملات میں تو آزادی قائم رہے لیکن فروعات میں سرِ تسلیم خم کر لیا جائے۔ انتی گونوس کے لیئے یہ عہد نامہ ایک طرح کی شکست کے مترادف تھا۔ رھوڈز اُن حکمرانوں کا جنھوں نے اُس کی پریشانی کے زمانے میں مدد دی تھی، بالکل اسی طرح مرہونِ منت ہوا جیسے اگر بجائے خود اُس کی قوت بازو کے اُنھوں نے اُسے بچایا ہوتا۔ جب رھوڈزیوں نے زیوس عمون سے استفسار کیا کہ آیا انھیں شاہ بطلیموس کی عزت کسی دیوتا کی طرح کرنی چاہیئے تو وہاں سے اُس کا جواب اثبات میں ملا۔ انھوں نے ایک مقدس ایوان کو اُس کے نام پر معنون کیا، اُس کے اعزاز میں بھجن گائے اور اُسے "سوتر" یا "محافظ" کا لقب دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات کے بعد رھوڈز کی غیر جانبداری مسلّم ہو گئی[۱۳]۔

[۱۳] رھوڈزیوں نے بطلیموس کے اعزاز میں جو کچھ کیا اُس سے اس قسم کے افعال کی

باب۸ | اسی دوران میں کاساندر نے یوبیہ و بیوتیہ تسخیر کر لیا تھا، اور اب

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ صحیح قیمت اور معانی کا اندازہ لگانے میں آسانی ہوتی ہے، اور اسی طرح کے مواقع ایتھنزیوں کا طرزِ عمل ہماری سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ امر اسلئے اور بھی زیادہ اہم ہے کہ علی العموم ایتھنزیوں کو اخلاقی نقطۂ نظر سے بُرا بھلا کہا جاتا ہے کہ وہ بعض مرتبہ غیر ملکیوں کی بہت کچھ تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم ہے کہ رھوڈزیوں میں اُس وقت بھی اتنی تنومندی موجود تھی جتنی کسی انسان میں ممکن ہے اور اسی وجہ سے وہ ۳۰۵ء ق م اور ۳۰۴ء ق م اس قدر شدت کے ساتھ مدافعت کر سکے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ایتھنزی کسی غیر ملکی حکمران کو بین الاقوامی خوش خلقی کے اُصول کے تحت معبود کا رتبہ دیتے تھے تو یہ اُن کے مذہب میں انحطاط کی ضرور دلیل ہے لیکن اس سے اُن کے عشقِ آزادی میں کسی قسم کی کمی ثابت نہیں ہوتی؛ اور بجنسہٖ یہی حکم ایتھنزیوں پر اُس وقت عائد کیا جا سکتا ہے۔ جب اُنھوں نے دیمتریوس اور انتیگونوس کو اپنا معبود قرار دیا۔ ہماری دانست میں اس سے کہیں بدتر اُن کا یہ فعل تھا کہ اُنھوں نے ایک بھائی شہری کے اعزاز میں سیکڑوں مجسمے نصب کرا دیئے۔ ہمیں یہ امر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ ہمارے زمانے میں بھی اس اصول کا اتباع کیا جاتا ہے اور غیر ملکی بادشاہ کی عزت و توقیر میں مبالغہ آمیزی سے کام لیا جاتا ہے۔ لیساندر کے زمانے سے یہ بین الاقوامی خوش خلقی کا معمول سمجھا جاتا تھا کہ کسی بڑے غیر ملکی کو دیوتا کا رتبہ دیا جائے اور کوئنکٹیوس فلامی نیوس کے نام سے یونانیوں میں بہت سے بت خانے معنون کئے گئے تھے (سوم سن، ۲، ۱۷، ۷)۔ نیز دیکھو حاشیہ ۱۴، باب ۳، باب ۴ حاشیہ ۱، باب ۱۳، حاشیہ ۳۔

آجکل بھی یونانی اپنے ہم وطنوں سے زیادہ غیر ملکیوں کی رعایت کرتے ہیں، دیکھو مہافی: "مسائل تاریخ یونان" Mahaffy: Problems in Greek History صفحہ ۸۰: "وہ آج بھی یونانی صاف طور پر اس کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ کبھی یہ گوارا نہیں کریں گے کہ کوئی یونانی اُن کا بادشاہ بن جائے اس لئے کہ آزادی اور مساوات

باب۲

دیمتریوس نے بھی یونان کا رُخ کیا۔ لیکن کاساندر کو موسم خزاں ۳۰۴ قبل مسیح قبل مسیح میں اپنی جدید فتوحات سے دست بردار ہونا پڑا۔ یہ نوعمر فاتح یہاں سے ایتھنز گیا تاکہ موسم سرما عیش وعشرت اور آرام سے بسر کرے۔ ۳۰۳ قبل مسیح ق م میں اُس نے پیلوپونیز اور اکرو کوانتھوس فتح کیا، سکیون کو مستحکم کیا (جس کے بعد کچھ مدت کے لئے اس شہر کا نام دیمتریاس پڑ گیا) اور کورنتھ کی کانگریس نے اُسے "سپہ دار یونانیاں" کا خطاب پیش کیا۔ ساتھ ہی اُسے کورکائرا پر قبضہ حاصل ہو گیا جس پر اسپارٹی کلیومینیس نہایت بُری طور پر حکومت کر رہا تھا، اور لیوکاس پر بھی اُسی کی حکومت ہو گئی۔ ۳۰۴-۳۰۳ قبل مسیح ق م کا موسم سرما اُس نے حسب معمول ایتھنز ہی میں بسر کیا، جہاں کے باشندوں نے اُس کی اور اُن لوگوں کی جو اُس کے منظور نظر تھے وفاشعاری کی وجہ سے اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ ذلیل کیا۔ اس کے بعد اُس نے خود مقدونیہ کو اپنا ہدف بنایا، لیکن یہاں اُسے ایک نئے محالفے سے مقابلہ کرنا پڑا، جس میں کاساندر، لیزی ماخوس، بطلیموس اور سلیوکوس شامل تھے[۱۱]۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کا تقاضا ہی یہ ہے کہ وہ خود اپنے میں سے کسی کو اس قدر اعلیٰ درجے پر نہ پہنچائیں"۔ ہم اس امر پر متعاقب بحث کریں گے کہ کس طرح یونانی اپنے اندرونی معاملات میں بھی غیر ملکیوں کو پنچ مقرر کرتے تھے۔ مقابلہ کرو بیورلئے: "سکندر اور اُس کے جانشینوں کے الٰہی اعزاز" Aem Beurlier: De divinis honoribus quos accep Alex. et succ. ejus) پیرس ۱۸۹۰ء۔

[۱۱] دیودورس ۲۰، ۱۰۲-۱- اسی طرح سکیون والے اتالوس کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں: پولی بیوس ۱۸، ۱۶ (۱۷)۔ فون ولاموونز کا خیال بالکل درست ہے (انتی گونس والی کارستوس Von Willamonvitz: Ant. v. Kar. ۱۹) کہ وہ چار سالہ جنگ جس کا ذکر نقلی پلوٹارک کی کتاب "دس مقرروں کی سوانح عمری" میں ہے

سلیوکوس نے دریائے سندھ کے کناروں پر جو ملک تھا اُسے پانچ سو جنگی ہاتھیوں کے معاوضے میں مہاراجہ چندرگپت کو (جو دریائے گنگا سے دریائے سندھ تک کا مالک تھا) دے دیا۔ اس دادوستد کی وجہ سے اُسے اپنی مشرقی سرحد کی طرف سے اطمینان ہوگیا، اور ساتھ ہی اُس کے پاس ہاتھیوں کی اتنی بڑی ٹولی آگئی جو ممکن ہے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ دے۔ اب وہ باطمینان تمام اپنے پرانے حریف انتی گونوس کے خلاف کمربستہ ہوگیا۔ اس مہم کی ابتدا، لیزی ماخوس نے کی۔ اُسنے شہر لیزی ماخیہ سے ہیلیس پونٹ کو عبور کیا، اور ابی دوس پر ناکام حملہ کرنے کے بعد جنوب ومشرقی سمت میں اندرون مُلک کی طرف پھرا جہاں اُس نے انتی گونوس کے قلعۂ سنی نادہ پر قبضہ کرلیا جسمیں خزانہ بھرا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نواح میں صرف ساردس ہی ایسا مقام رہ گیا جس پر انتی گونوس کا پرچم لہراتا ہو۔ اب انتی گونوس شام سے ایشیائے کوچک کی طرف چلا، اور کوشش کی کہ کھلے میدان میں جہاں اُسے کامیابی کی پوری امید تھی، جنگ آزما ہو۔ لیکن اُس کا چالاک دشمن پینترا بدل کر الگ ہوگیا تاکہ سلیوکوس کے آنے تک یوں ہی پڑا رہے۔ ادھر لیزی ماخوس نے ہرقلیہ کے اہم شہر پر

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ دراصل سنہ ۳۰۲ ق م سے پہلے ہوئی تھی؛ گو اس خیال کی تائید کلنٹن Clinton کرتا ہے، ڈروائےسن کو اس سے اختلاف ہے۔ دیکھو راڈیک: Radek: "نقلی پلوٹارک کی مؤلفہ سوانح عمریوں میں دو نوشتوں کی اصلیت"

Ueber die Echtheit Zweier Urk. in ps. Plut. Bioi, etc.

مطالعات واقعات سنہ ۱۸۹۱ء جسمیں اس جنگ کو سنہ ۳۰۲ ق م میں بتایا گیا ہے۔ ہرمان ٹومزر Hermann Thumser } ۱۳۵؛ نیز نیزے Niese ۱، ۳۴۳، حاشیہ ۱۔ لیکن دیکھو سچاکاریو کا مضمون: "جدیدہ لسانیات" سنہ ۱۸۹۱ء صفحہ ۱۴۸ Stschakarew in Phil. Woch

باب ۲

قبضہ کر لیا، جس کی متولّیہ، یعنی شاہ دیونی سیوس کی بیوہ اماسٹرس نے اُس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ بطلیموس بھی میدان میں کود کر شام کے ایک حصّے پر قابض ہو گیا تھا جہاں اُس نے یہ ظاہر کیا کہ سلیوکوس اور لیزی ماخوس کو شکست ہو گئی ہے، اور شام میں فوجی دستے چھوڑ کر مصر کی راہ لی۔ ۳۰۲ق م میں دیمتریوس تھسلی گیا اور اُدھر سے اُس سے جنگ آزما ہونے کی خاطر کاساندر بھی اُس طرف بڑھا، لیکن لڑائی ہونے ہی کو تھی کہ دیمتریوس کو اُس کے باپ نے واپس بلا لیا اور اُسے کاساندر کے ساتھ صلح کرنی پڑی۔ ہمیں اس صلحنامے کی شرائط کا صرف یہ علم ہے کہ اس میں بھی پہلے کی طرح یونانیوں کی آزادی کا راگ گایا گیا۔ دیمتریوس کی مہم ابتدا ہی سے کامیاب رہی۔ وہ یہاں سے ایشیا گیا، جہاں اُس نے ایفی سوس اور بعض ہیلیس پونٹ کے شہروں کو فتح کیا اور لیزی ماخوس کے عقب میں موسم سرما بسر کرنے کے لئے پڑاؤ ڈال دیا۔ اُدھر اپیائروس میں کاساندر نے پرھوس کی جگہ ایک دوسرے مولوسی شاہزادے نیوبطلیموس کو تخت پر بٹھایا جو کلیوپاترا کا بھتیجا اور اولمپیاس کے رشتے سے اُس کا پوتا بھی تھا، اور ساتھ ہی اُس نے ایشیا کو بھی کمک روانہ کی۔ یہ سب جھگڑا آخر کار ۳۰۱ق م میں میدان الیسوس کی فیصلہ کن لڑائی میں طے ہوا۔ یہ مقام اُس جگہ واقع تھا جہاں انتی گونوس نے تینتیس سال مسلسل حکمرانی کی تھی۔ اس لڑائی میں حلیف اپنے ہاتھیوں کی وجہ سے دیمتریوس کو انتی گونوس اور لشکر سے علیحدہ کرنے اور موخرالذکر کو مکمّل شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔ خود انتی گونوس لڑائی میں کام آیا، اور دیمتریوس پانچ ہزار پیادوں اور چار ہزار سواروں کو ساتھ لے کر ایفی سوس بھاگ گیا[۱۵]۔

[۱۵] سناوہ (قصبۂ جفوت) کے لئے دیکھو حواشی باب ۱۳۔ الیسوس زمانۂ مابعد کے

باب ۲

انتی گونوس کی سلطنت کا تو خاتمہ ہو گیا، لیکن کیا یہ ممکن نہ تھا کہ دیمتریوس ایک نئی سلطنت کی بنیاد ڈالے؟ اب بھی اُس کے پاس جہازوں کا جو بیڑا تھا وہ سمندر کا گویا مالک تھا، وہ اب بھی جزیرۂ قبرص، بعض جزائر ایجین، کورنتھ جیسے اہم شہر اور جنوبی تھسلی پر قابض تھا۔ اگر ان مقامات کے علاوہ وہ کسی طرح سے ایتھنز پر بھی قدم جمائے رہے تو پھر ایک ذی اقتدار حکمران بننے میں مطلق کوئی کسر باقی نہیں رہے گی اس لئے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی ایک شہر ایتھنز کا نام سیکڑوں سپاہیوں کے ناموں کے مماثل سمجھا جاتا تھا لیکن خود ایتھنزیوں کی یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ دیمتریوس کی قوت میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ: شہر جولیدی کی جگہ جسے آج کل چائی کہتے ہیں، واقع تھا؛ کیپرٹ : Kiepert Westl Klein. ۹؛ یا ممکن ہے کہ موجودہ مغربی ایشیائے کوچک سکلی کے محل وقوع پر اس جگہ ہو (ریمزے A. M. ۴۳۴) جہاں اندرون ایشیا سے آئی ہوئی دو سڑکیں ایک تو قدیم شاہراہ شمالی اور دوسری قافلوں کی سڑک ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انتی گونوس یہ چاہتا تھا کہ ان دونوں سڑکوں پر سے جو لشکر آئیں وہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پائیں، لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوا۔

اس میدان کی اہمیت کیلئے دیکھو رادے: "لدیہ" Radet:Lydie صفحہ ۳۷ معلوم ہوتا ہے کہ سلیوکوس شمال و مغرب سے آکر انتی گونوس کے پڑاؤ کے شمال میں لیزی ماخوس سے آکر مل گیا ہوگا۔ جنگ کے بعد شام کے متعلق کاسانڈر، لیزی ماخوس اور سلیوکوس نے جو سمجھوتہ کیا اُس کے لئے دیکھو پولی بیوس ۵، ۶۷۔ سلیوکوس کو بیشک سب سے بڑا حصہ ملا، لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہئے اس فتح کا دارومدار بہت بڑی حد تک اُسی کی امداد پر تھا۔ ہمارے نزدیک اُس نے شام پر براہ راست حملہ کرنیکی جگہ بابل سے کاپادوسیا و افروجیہ میں ہو کر اس میدان میں آنا جس کا انتخاب لیزی ماخوس اور انتی گونوس نے کیا تھا، بہت بڑی دور اندیشی اور حربی چال پر مبنی تھا۔

باب ۲

اضافے کا باعث ہوں، چنانچہ اُنھوں نے اُس سے یہ کہلوا بھیجا کہ آئندہ وہ بادشاہوں اور حکمرانوں کے باہمی مناقشوں میں بالکل غیر جانبدار رہیں گے۔ ساتھ ہی رھوڈز کی حکمت عملی اُنھیں کچھ پسند سی آگئی۔ دیمتریوس نے اُس کے اس طرز عمل کو بہت ہی احسان فراموشی پر محمول کیا۔ وہ بھی سکندر کی طرح ایتھنز کو مرکز عالم سمجھے ہوئے تھا، لیکن وہ اس رمز سے آگاہ نہ تھا کہ اس زوال کے عہد میں بھی یونانی اپنی آزادی کو سیاسی زندگی کا جزو لاینفک سمجھتے تھے۔

بہرحال فاتحوں، یعنی لیزی ماخوس اور سلیوکوس نے مفتوحہ علاقوں کو آپس میں تقسیم کرلیا۔ اس تقسیم میں سلیوکوس کو نسبتہً زیادہ علاقہ ملا، یعنی افروجیہ تک ایشیا، جس میں سے صرف کلیکیہ کاساندر کے بھائی پلستارخوس کے لئے وقف رہی۔ کاساندر کو سلطنت یورپ کے استحکام پر مطمئن ہونا پڑا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ملک شام بطلیموس کو نہیں بلکہ سلیوکوس ہی کو ملے گا اس لئے کہ بطلیموس نے انتی گونوس کے خلاف کوئی کارنمایاں انجام نہیں دیا تھا۔ لیکن اس انتظام کی وجہ سے پیچیدگیاں اور بھی زیادہ بڑھ گئیں۔ شمالی ایشیائے کوچک میں زیوٹیس والی بتھی نیہ، اریا راتھیس والی کاپادوسیہ، متھرادائیس والی پفلاگونیہ و پونتوس (افشین) پہلے سے بھی زیادہ آزاد و خودمختار ہوگئے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان ممالک میں قدیم ایرانی دستور العمل کیطرف میلان پیدا ہوچلا تھا، اور اس میلان میں ایک خاص وجہ سے اور بھی زیادہ تحریک پیدا ہوگئی، وہ یہ کہ کاپادوسیہ و پونتوس کے حکمران اپنے آپ کو امرا و شرفائے ایران کا جانشین سمجھتے تھے۔

سلیوکوس کو جو علاقہ ملا تھا وہ باقی دونوں کے علاقے سے اسقدر وسیع تھا کہ یہ دونوں اُس سے حسد کرنے لگے اور بہت جلد اُس کے خلاف متحد و متفق ہوگئے، اور اس اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ ایک خاندانی معاقدے کے ذریعے سے ہوا یعنی لیزی ماخوس نے بطلیموس

کی بیٹی ارسی نوئے کے ساتھ شادی کرلی۔ اس مناکحت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلیوکوس نے دیمتریوس کے ساتھ، جو سمندر اور جزائر کا فرمانروا تھا، صلح کرلی، اور اُس کی بیٹی ستراتونیکا کے ساتھ عقد کرلیا۔ یہ سب سن کر دیمتریوس کلیکیہ میں لنگرانداز ہوا اور کیندہ کے شاہی خزانے کے مابقی پر قبضہ کرلیا[۱۶]۔ لیکن سلیوکوس اور دیمتریوس کے عمدہ تعلق دیرپا نہیں ثابت ہوئے۔ دیمتریوس نے اپنے جدید خسر سے کہا کہ وہ کلیکیہ یا صور کو اُس کے حوالے کردے، جس کا جواب اُسے نفی میں ملا۔ اس کے بعد دیمتریوس نے بطلیموس کی بیٹی بطلیمائس کے ساتھ بھی نکاح کرلیا۔ لیکن فی الوقت لڑائی صرف یونان ہی میں شروع ہوئی۔ ہوا یہ کہ ۲۹۷ ق م میں کاساندر کے انتقال پر پہلے تو اُس کا کمزور بیٹا فیلقوس اور اُس کے بعد اُس کا دوسرا بیٹا انیتی پاتر تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ایتھنز میں دو عمومی رہبر تھے: ایک تو دیموس تھنیس کا بھتیجا دیموخاریس، جس کی تعریف وتوصیف کے طومار باندھے جاتے تھے، اور جو اپنے جمہوری جذبات پر ہمیشہ تفاخر کرنے کے ساتھ ہی مقدونیہ کے سامنے دست استمداد بڑھانے میں مطلق مضائقہ نہیں سمجھتا تھا؛ اور

---

[۱۶] دیمتریوس کلیکیہ بلکہ شاید لیکیہ اور کاریہ کو فتح کرلیتا ہے: دلاموو تزہ ۱۹۰۔ نوشتوں کے ذریعے سے اُسی عہد کے دوسرے واقعات کی تفصیل: ہکس ۱۵۱؛ "مجموعۂ نوشتہ جات اٹیکا" ۲، ۱۹۷؛ ہکس ۱۵۳۔ سوئیداس و ملالوس کے نزدیک کیندا اور اناز ربہ ایک ہی مقام کے دو نام ہیں؛ سترابو کہتا ہے کہ یہ مارسوس کے قریب انخیالے کے اوپر ایک قلعہ تھا (۱۴، ۵، ۱۰)؛ دیکھو ڈروائے سن '۲'، ۱۹۴؛ نیز دیکھو مضمون "اناز ربہ" پاؤلی کے محیط المحیط '۱'، ۱۶۹۱ میں۔ کلیکیہ کی اس وادی میں بہت سی ایسی چوٹیاں ہیں جن پر بآسانی قلعے بن سکتے ہیں۔

باب ۲۔

دوسرے لاخاریس جس نے دیمتریوس کے اٹیکا آنے اور ایلیوسس و رھامنوس پر قابض ہونے کے بعد ایتھنز پر قبضہ کر لیا تھا، اور شاید اس لئے کہ اُس نے محصورین میں ایک نہایت سخت تادیبی کیفیت قائم کی، اُسے خود سر کہہ کر مورد ملامت بنایا گیا۔ ایتھنز کو آخر کار بھوکا مار کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا، اور فاتح نے نہایت اطمینان سے الزامات کی بوچھار اپنے "پیارے ایتھنزیوں" پر سے ہٹا کر اُس خود سر کی طرف منتقل کر دی۔ شہریوں نے اُس پر مرحبا واہ واہ کے نعروں کے ساتھ موںی خیہ اور پرائیوس تحفتہً اُس کے حوالے کر دیئے جن پر اُس نے پہلے ہی سے قبضہ کر رکھا تھا، اور اس طرح انھوں نے گویا ظاہری رکھ رکھاؤ کو قائم رہنے دیا[1] (۲۹۴ ق م)۔

الغرض دیمتریوس ایک مرتبہ پھر ایتھنز کا مالک بن گیا، اور اب اس شہر کو مرکز بنا کر اس نے تمام دیار یونان کی فتح کی تیاریاں شروع کر دیں۔ پیلوپونیز میں اسپارٹا نے نہایت شدت کے ساتھ اُس کی مخالفت کی، اور جواب کے طور پر اسپارٹیوں نے آرکیڈیا پر حملہ کر دیا۔ دیمتریوس اُن سے جنگ آزما ہوا اور انھیں شکست دے دی۔ لیکن فوراً ہی اپنے قدم پلٹا کر سید ھا مقدونیہ میں گھس گیا۔ یہاں اُسے بہت کچھ منافع کی امید تھی، اور چونکہ اُسے ایشیا میں بڑے بڑے نقصانات اُٹھانے پڑے تھے اس لئے یہ اُسکے لئے ضروری بھی تھا۔ لیزی ماخوس و سلیوکوس نے ایشیائے کوچک کے شہروں پر، اور بطلیموس نے قبرص پر قبضہ کر رکھا تھا، اور صرف سالامس ہی ایسا مقام تھا جس پر اُس کی طرف سے اُس کی

[1] دیموخاریس و لاخاریس کے لئے دیکھو باب ۳۔ بہار ۲۹۴ ق م میں ایتھنز اور دیمتریوس کے مابین صلح؛ فون ولاموونز، ۲۳۷۔

باب

بیوی فیلہ مدافعت کر رہی تھی ۔ اب واقعات مقدونیہ کی وجہ سے اُسے یہ موقع مل گیا کہ جو کچھ اُس نے کھویا ہے اُس کا معاوضہ یورپ میں حاصل کرے ۔ تھسا لونیکہ جو فیلقوس کی بیٹی تھی، اپنے فرزند سکندر سے بہت محبت کرتی تھی، چنانچہ انتی پاتر اور اس سکندر کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور انتی پاتر نے تھسالونیکہ کو ملک عدم پہنچا دیا تھا ۔ سکندر دیمتریوس سے مدد کا خواہاں ہوا، لیکن چونکہ موخر الذکر فی الفور مدد کرنے سے معذور تھا اسی وجہ سے وہ بھاگ گیا جہاں پرھوس حال ہی میں مصر سے کمک لے کر آیا تھا ۔ ابتدا میں تو پرھوس اور نیو بطلیموس دونوں مل کر متولیٔ سلطنت بنے تھے، لیکن جب اُسنے دیکھا کہ اُس کا چچا زاد بھائی اُس کا کام تمام کر دینا چاہتا ہے تو وہ فوراً ایک وار میں اپنے حریف کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر خود بلا شرکت غیرے اپائرس کا بادشاہ بن بیٹھا ۔ انتی پاتر اپنے خسر لیزی ماخوس کے پاس گیا لیکن پھر اپنے بھائی (سکندر) کے ساتھ اُس کا ملاپ ہو گیا ۔ اب دیمتریوس مقدونیہ آتا ہے اور اُس کا آنا سکندر کے لئے نہایت بے وقت ثابت ہوتا ہے اس میں شبہہ نہیں کہ خود سکندر اُس کے آنے کا باعث ہوا تھا لیکن اب وہ اُس کے آنے سے خوش نہ تھا اور اُس کی عین خواہش یہ تھی کہ وہ کسی طرح سے واپس چلا جائے ۔ آخر کار اُس نے سوچا کہ اس سے چارہ کار نہیں کہ اُس زمانے کے حکمرانوں کی عام عادت کے مطابق اُس کا خاتمہ کر دے، لیکن دیمتریوس کو اس کی ہوا لگ گئی، اور پہلا وار اُسی نے کر کے سکندر ہی کا خاتمہ کر دیا ۔ اس کے بعد وہ مقدونوی اعیانیوں کی دوستی کا دم بھرنے لگا، اور انھیں خوش رکھنے کے لئے اُس نے اُن تمام امور کو شمار کیا جن کے باعث خاندان انتی پاتر نے فیلقوس و سکندر کو نقصان پہنچایا تھا ۔ بہر حال دیمتریوس کی خدا داد قابلیت سے مرعوب ہو کر اہل مقدونیہ نے اُسے ۲۹۴ سنہ ق م میں

اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔

لیکن اُس کے لئے یہ بعید تھا کہ وہ اپنے مقبوضات سے امن و امان اور خاموشی کے ساتھ استفادہ حاصل کیا کرے اس لئے کہ فطرتاً اُسے ہر روز نت نئے رزمگاہ کی ضرورت تھی۔ پہلا مُلک جس کی طرف اُس نے اب اپنی توجہ مبذول کی، وہ یونان تھا۔ لاخاریس شہر تھبز میں رہتا تھا، اور اس شہر سے دیمتریوس سے مخالفت تھی، چنانچہ اُس نے اُس کو مغلوب کرنے کی غرض سے ہٹئے رونیموس ساکن کارِدیہ کو بیوتیہ کا صوبہ دار مقرر کیا۔ اُدھر ایتھنز میں یہ تدبیر سوچی گئی کہ کسی طرح پرائیوس کے مقدونوی لشکر کو زیر کیا جائے، لیکن اس تدبیر کا قبل از وقت انکشاف ہوجانیکے باعث دیمتریوس نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ خاص شہر کے اندر میوزخانے میں پڑاؤ ڈال دے۔ بات یہ ہے کہ گیتائی قوم نے لیزی ماخوس کو گرفتار کرلیا تھا جس کی وجہ سے دیمتریوس کے کام میں بہت کچھ سہولت ہوگئی تھی، اور گو کچھ مدّت کے بعد لیزی ماخوس آزاد ہوگیا، لیکن فوجی نقطۂ نظر سے شاہ تھریس کی اب کوئی اہمیت باقی نہیں رہی تھی۔ اُدھر بیوتیہ نے از سرِ نو بغاوت کردی لیکن یہ فرو کردی گئی، اور دیمتریوس کے بیٹے انتی گونوس گوناتاس کے بیچ میں پڑ جانے کی وجہ سے بادشاہ نے باغیوں کے ساتھ لطف و کرم کا برتاؤ کیا۔ اب یونان میں صرف اسپارٹا و ایتولیہ ہی ایسے خطّے باقی رہ گئے تھے جو دیمتریوس کے ماتحت نہ ہوں، اور چونکہ ایتولیہ کے قبضے میں دیلفی کی جملہ شاہراہیں تھیں اس لئے دیمتریوس نے اس بہانے سے سنہ ۲۹۰ ق م کا فیثوی تہوار ایتھنز میں منایا۔ رفتہ رفتہ دیمتریوس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔ اگاتھوکلیس والیٔ سرقوسہ اور اُس کی بیٹی لاناسہ نے، جو پرحوس کی بیوی تھی، اُس کے ساتھ سیاسی تعلقات پیدا کرلئے (دیکھو باب ۷، عقب)؛ نیز اُس نے انتیوم کے گرفتار شدہ بحری قزاقوں کو روما واپس

باب ۵

کردیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس شہر کی سیاسی اہمیت سے بخوبی واقف تھا۔[۱۸] اس لئے مسلسل جنگ لابُد اور لازمی تھی، لیکن اُسمیں حکومت کرنے کی مطلق قابلیت نہیں تھی۔ اُس نے مقدونیہ کے ساتھ نہایت سختی اور شدت کا برتاؤ کیا، اور جب پرھوس نے مقدونیہ پر حملہ کیا تو دیمتریوس نے اُسے فرار ہونے پر مجبور کیا۔ اُسنے کوہ پیلون کے دامن میں شہر دیمتریاس جو قائم کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے کس قدر جغرافی معلومات تھی، اس لئے کہ اس شہر سے وہ ہمیشہ یوبیہ و یونان کو جا سکتا تھا اور بندرگاہ فیتوتس سے کام لے سکتا تھا۔ اُس کا آخری خیال یہ تھا کہ اُس کے لئے پرھوس کے ساتھ مخالفہ کرنا مفید مطلب ہوگا۔ واقعہ یہ ہے کہ دونوں عمرالوں میں بیچینی اور حوصلہ مندی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ مولوسی حکمران تو دیار مغربی پر اور مقدونوی فرماں روا مشرقی ملکوں پر حکومت کرے تو مناسب ہے۔ الغرض دونوں کے مابین ایک عہدنامے پر دستخط ہوئے اور اس کے بعد دیمتریوس نے ایشیا پر حملہ کرنے کے لئے نہایت وسیع تیاریاں شروع کردیں[۱۹] ظاہر ہے کہ پرانے حلیفوں کیلئے یہ سب باعث خلفشار تھا، اس لئے کہ یہ سب، مثلاً لیزی ماخوس، سلیوکوس اور بطلیموس ایک دوسرے سے کچھ اچھا سلوک نہیں کرتے تھے، اور تیرہ برس پہلے اُنھیں انتی گونوس کے خلاف جو اتحاد قائم کرنا پڑا تھا اُس کی یاد اُن کے دلوں میں تازہ ہوگئی۔ ان تاجداروں کے علاوہ بیزنطہ، کیزیکوس اور رھوڈز کی آزاد ریاستیں بھی دیمتریوس کے مخالف تھیں اس لئے کہ بظاہر اگر اُسے کامیابی حاصل ہوگئی تو پھر

---

[۱۸] ستراب، ۲، ۳۲؛ نیز ۱، ۳۷۱۔

[۱۹] جنوبی تھسلی میں دیمتریوس کی تیاریوں اور یہاں سے جو مہم جانے والی تھی اُس سے مینوسی روایات کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ دیکھو فون ولاموویتز، ۲۰۳۔

باب ۲

سمندر پر آزادانہ آمدورفت ناممکن ہو جائے گی۔ (۳۰۸ ق م)۔ اُسکے مخالفوں نے ایک تدبیر ایسی سوچی کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، وہ یہ کہ اُنھوں نے پرھوس کو اُس کی مخالفت پر آمادہ کیا، چنانچہ شاہ ایپائروس اُن کی باتوں میں آگیا اور اُس نے دیمتریوس سے دست کشی اختیار کر لی۔ موخرالذکر ابھی تھریس کے خلاف فوج کشی کر کے اپنے بیٹے انتی گونوس گوناتاس کو یونان روانہ کر ہی چکا تھا کہ اُسے خبر ملی کہ پرھوس نے مقدونیہ پر حملہ کر کے شہر بردیا پر قبضہ کر لیا ہے اور اُدھر ایک مصری بیڑا یونانی سمندر میں گشت لگا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سیدھا پرھوس کے مقابلے کے لئے چلا۔ لیکن تصفیۂ معاملات کے لئے کسی لڑائی کی ضرورت ہی نہ تھی اس لئے کہ مسلسل مہموں اور چال بازیوں سے تنگ آکر مقدونوی پرھوس کی طرف چلے گئے۔ الغرض دیمتریوس کو فرار ہونا پڑا اور وہ یونان میں انتی گونوس سے جا ملا۔ ظاہر ہے کہ اُس کی حیثیت کچھ ایسی زیادہ مایوس کن نہیں تھی، لیکن بہت سے لوگ اُسے درحقیقت مایوس کن سمجھتے تھے، چنانچہ اُس کی بیوی فیلہ، جس سے وہ کئی مرتبہ پہلے اپنی بے اعتنائی کا اظہار کر چکا تھا، اپنے شوہر کی مشکلات اور شومیٔ قسمت سے اس درجہ متاثر ہوئی کہ آخر اُس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔ پرھوس اب شاہ مقدونیہ بن گیا، لیکن وہ اس ملک پر بلا شرکت غیرے حکمرانی نہیں کر سکا بلکہ اسے اُس کا ایک حصہ لیزی ماخوس کے حوالے کرنا پڑا، جس نے جملہ دعاوی کا گویا خاتمہ کرنے کے لئے انتی پاتر کے آخری زندہ جانشین یعنی خود اپنے داماد انتی پاتر کو جان سے مروا ڈالا۔ ایتھنزیوں نے اس جدید صورت حال سے نہایت جرأت اور فراست کے ساتھ کام نکالا، یعنی اُنھوں نے تھیوفراستوس کے دوست اولمپیودوروس کی سیادت میں میوزخانے پر دھاوا کر کے اُس پر قبضہ کر لیا۔ بلاشبہہ اُس پر

باب

خود دیمتریوس نے بڑھ کر ایتھنزیوں کو دق کرنا شروع کیا، لیکن (پلوٹارک کی روایت کے بموجب) اُس نے فلسفی کراٹیس کے کہنے سے محاصرہ اُٹھالیا۔ اصل واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے طرزِ عمل پر پیرھوس کے آنے کا ضرور اثر پڑا ہوگا[20]۔ آخرکار پیرھوس اور دیمتریوس کے مابین ایک سمجھوتا ہو گیا لیکن اس سمجھوتے کی شرائط کا ہمیں علم نہیں؛ اغلب امر یہ ہے کہ پائروس کے بادشاہ نے دیمتریوس کو یونان کا بادشاہ تسلیم کرلیا ہوگا۔ لیکن بےچین بادشاہ کو تشفی نہیں ہوئی، بلکہ اُس نے اپنی پرانی تجویز کے مطابق لیزی ماخوس سے ایشیا واپس لینے کی دل میں ٹھانی۔ ملطہ پہنچ کر ذرا دل خوش کرنے کے لئے اُس نے فیلہ بنت بطلیموس کی بھانجی بطلیمائس کے ساتھ، جو اُس سے پہلے سے منسوب تھی، نکاح کرلیا، اور اس کے بعد وہ اندرون ایشیائے کوچک کی طرف چل دیا۔ یہ واقعہ ۲۸۶ ق م کا ہے[21]۔ یہ امر تعجب آفریں ہے اس لئے

---

۲۰ کراٹیس کا بیچ میں پڑنا: فون ولاموو ٹز $\frac{۲۰۷}{۲۰۸}$۔ معلوم ہوتا ہے کہ پرائیوس پر دیمتریوس ہی کا قبضہ رہا۔ اودولیوں ساکن پایونیہ اور سپارتوکوس ساکن بوسفوروس نے ایتھنز کی تائید کی تھی؛ ہکس Hicks ۱۵۷؛ فون ولاموو ٹز ۲۰۶۔ ان واقعات کے لئے دیکھو ہرمان لٹو مزر ص ۱۳۵، جہاں تمام حوالے دئے ہوئے ہیں۔

۲۱ دیمتریوس نے اندرون ایشیائے کوچک کی طرف جو چلا ہے، تو اس سے بہت سے ایسے مسائل پیش آتے ہیں جن پر زمانۂ حال کے مؤرخوں نے کافی توجہ نہیں کی ہے، اور خود ڈروائے سن نے بھی محض پلوٹارک کے بیان کو ذرا موثر پیرائے میں بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے لیکن اس بیان کے بعض عجیب حصّوں کی توجیہ نہیں کی۔ پلوٹارک Dem ۴۷ میں کہتا ہے کہ "اب وہ پیچھے کی طرف مُڑا" جس کے بعد وہ طرسوس پہنچ جاتا ہے؛ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے دیمتریوس آخر کہاں تھا؟ شائد وہ میدان کلیکیہ میں پہنچ گیا ہو۔ جب ڈروائے سن اس مہم کا خاکہ بیان کرتا ہے تو اس مسئلے کو نہیں چھیڑتا۔ پھر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر دیمتریوس کہاں جاتا

باب ۲ — کہ اب جبکہ وہ مقدونیہ پر قابض نہیں رہا تھا اُس کا تعلق بہ نسبت خشکی کے سمندر سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھا؛ لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کا اصلی ارادہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ چاہتا تھا؟ کیا واقعی ارمنستان جانا چاہتا تھا؟ اور پھر وہ اس مُلک تک کیوں نہیں پہنچا؟ ڈرواۓ سن ۲، ۲، ۳۰۵ کے نزدیک وہ اپنی خواہش کے خلاف سیدھی راہ سے ہٹا دیا گیا، اور یہی کم وبیش پلوٹارک کی رائے بھی ہے جو بایں الفاظ یہ کہتا ہے کہ اُس کے سپاہیوں نے ارمنستان کی طرف بڑھنے سے انکار کر دیا۔ لیکن ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ ابتداء ہی سے دیمتریوس کلیکیہ ہی جانا چاہتا تھا اس لیے کہ اول تو اُس کا بیڑا یونان سے کمک لے کر اُسے پہنچا سکتا تھا اور دوسرے وہ اپنے داماد سے اس مُلک کو فتح کر سکتا تھا۔ اگر واقعی اُس کی یہی خواہش تھی تو اس کے لئے اُسے مکمل راز میں رکھنا ضروری تھا تاکہ لوگوں کے دلوں سے شک وشبہہ بالکل دور ہو جائے اور اُس کے لئے یہی بہتر تھا کہ دُنیا سمجھے کہ وہ مجبوراً کلیکیہ جا رہا ہے۔ اس کے برعکس یہ بھی ناممکن نہ تھا کہ وہ واقعی ارمنستان یا مدیہ جانا چاہتا ہو۔ ہمارے نزدیک ایک واقعہ ایسا ہے جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ مہم ایسی سیتھیانہ نہ تھی جیسی وہ ظاہر ہوتی ہے۔ دیمتریوس نے متھراداتیس کی جاں بچائی تھی، وہی متھراداتیس جو اب کتس تیس کے لقب سے پونٹوس کے تخت پر بیٹھا تھا، اور بلاشبہہ اپنے نواح میں نہایت قوی اور ذی اختیار تھا۔ اب جو سڑک ارمنستان و مدیہ جاتی تھی وہ پونٹوس کے پایۂ تخت کو مانا میں ہو کر گزرتی تھی؛ چنانچہ اگر دیمتریوس ارمنستان و مدیہ میں اپنی قسمت لڑانا چاہتا تھا تو اُسے متھراداتیس کی مدد لینی ضروری اور لازمی تھی، اور اس تدبیر کے حصول کے دوران میں دیمتریوس نے ضرور اپنے پرانے دوست کی مدد پر اپنے زعم میں تکیہ کیا ہوگا۔ ممکن ہے کہ اُس کے سپاہیوں نے اس قدر دور افتادہ مہم میں حصہ لینے سے انکار کر دیا ہو اور اسی وجہ سے اُسے اپنے قدم پلٹانے پڑے ہوں؛ مگر یہ بھی ممکن ہے کہ جب وہ کچھ دور بلکہ شائد کاپادوسیہ پہنچ گیا تو اُس وقت اُسے یہ اطلاع ملی کہ متھراداتیس خواہ مجبوراً ورنہ از خود اس کی مدد کرنے سے گریز کر رہا ہے، اور یہ سُن کر وہ سیدھا کلیکیہ کو چلا گیا۔ اس کا ہمیں پورے طور پر علم نہیں کہ وہ کہاں تک پہنچا تھا؛

باب ۲

یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح سے ارمنستان پہنچ جائے۔ بہرحال بجائے اپنی منزل مقصود کے وہ کسی نہ کسی طرح سے کلیکیہ پہنچ گیا جہاں اُسے سلیوکوس سے مقابلہ کرنا پڑا اور آخرکار سوائے ہتھیار ڈال دینے کے اس کے پاس کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہا۔ لیکن دیمتریوس کے لئے یہ بالکل ناممکن تھا کہ وہ اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام خاموشی سے گزار دے۔ چنانچہ اُس نے لڑائی ازسرنو شروع کر دی اور ضلع حلب میں جسے اُس زمانے میں کارھس تس کہتے تھے، جا گھسا۔ دونوں فرماں رواؤں کے درمیان لڑائی ہوتے ہوتے بچ گئی، لیکن سلیوکوس فریق ثانی کی فوج کے روبرو گیا اور ایک تقریر کر کے اُسے اپنے سے ملا لیا۔ اب سلیوکوس کی نظر میں دیمتریوس کا اتنا ہی رتبہ باقی رہ گیا تھا جتنا دو سال پیشتر پرھوس سے آویزش کے زمانے میں، اور اُس میں دوسروں کو اپنی طرف کھینچنے کی مطلق قابلیت نہیں رہی تھی۔ الغرض بہت جلد، یعنی ۲۸۶ ق م میں اُسے پھر ہتھیار ڈال دینے پڑے۔ اُسے دریائے اورونتیس کے کنارے شہر اپامیا لے گئے جہاں اُس نے اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن شراب و کباب میں گزارے، اور آخرکار ۲۸۳ ق م میں اُس نے راہی عدم کو لبیک کہا۔ لوگوں نے سلیوکوس پر یہ الزام رکھا کہ اُس نے آہستہ آہستہ

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ پلوٹارک دریائے لیکوس سے کوچ کی بابت کوئی قطعی بات بیان نہیں کرتا، اور نہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ کون سا دریائے لیکوس مراد ہے۔ میں نے ان امور کو اس لئے بیان کیا ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ ڈروائے سن کے بعد بھی جانشینان سکندر کی بابت بعض ایسے امور ہیں جو مفصل بحث کے محتاج ہیں۔ لیکن ان پر تفصیل سے بحث کرنا ہمارا کام نہیں۔ سلیوکوس کا سانڈ خانہ اپامیا میں واقع تھا اور یہی وجہ تھی کہ دیمتریوس کا وہاں دل لگ گیا اس لئے کہ وہ یہاں جتنا چاہتا گھوڑے پر سوار ہوتا۔ یہ تھی ایسی بات جس کا اب تک لحاظ نہیں کیا گیا۔

سنویت کا عدم تعین؛ ڈروائے سن ۲، ۳، ۳۱۰۔

اپنے حریف کا خون چوس لیا ہے، درانحالیکہ اُس میں سرے سے کسی قسم کی شرارت کی اہلیت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ یہ واقعہ ہے کہ دیمتریوس نے اپنے قوائے ذہنیہ و قوائے جسمانیہ دونوں کا ستیاناس کر دیا تھا۔ پرھوس بھی، جس نے اُسے مقدونیہ سے نکالا تھا، زیادہ مدت تک اس مُلک کو اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکا اس لئے کہ اُسی زمانے میں لیزی ماخوس اُسے شکست دے کر مقدونیہ و تھسلی کے بڑے حصے پر قابض ہو گیا۔

العرض ۲۸۵ ق م میں تماشا گاہ یونان پر صرف تین ذی اقتدار حکمران باقی رہ گئے تھے، یعنی لیزی ماخوس، سلیوکوس اور بطلیموس، جن میں سے موخر الذکر کی عمر تو ۸۲ برس کی ہو گئی تھی، لیزی ماخوس کی ۷۹ برس کی اور سلیوکوس کی ۷۸ سال کی۔ بطلیموس نے تو ان واقعات کے بہت جلد بعد معاملات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر اپنی سلطنت اپنے چھوٹے بیٹے یعنی ۳۰ سالہ بطلیموس خلادیلفوس کے سپرد کر دی اور اس طرح اپنے بڑے بیٹے بطلیموس کیرانوس کو جس کی عمر ۳۰ سال کی تھی مجحوب الارث قرار دیا۔ اس پر کیرانوس فوراً لیزی ماخوس کی طرف چلا گیا۔ اُس سے لیزی ماخوس سے عزیزدارانہ تعلقات پہلے ہی سے تھے، یعنی لیزی ماخوس کے بیٹے اگاتھوکلیس اُس کی حقیقی بہن لیساندرہ کا شوہر تھا اور خود لیزی ماخوس بطلیموس اکبر کی دوسری بیٹی ارسی نوئے سے منسوب تھا۔ لیکن کیرانوس کے آنے سے خاندان لیزی ماخوس کا ستارہ گہنا گیا۔ اُس نے آرسی نوئے سے سازش کر کے اگاتھوکلیس کی اُس کے باپ کے سامنے شکایت کی جس پر باپ نے بیٹے کو پہلے تو قید کیا اور پھر اُس کا کام تمام ہی کرا دیا۔ اس سے بادشاہ کو بڑا بھاری نقصان پہنچا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب فلیتائروس ساکن تیوس جو قلعۂ پرگامم میں لیزی ماخوس کے نو ہزار تالینت کی حفاظت پر مامور تھا، اس سے برگشتہ ہو گیا تھا، اور یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ آئندہ سے

سلیوکوس کے ساتھ جا ملے گا، اس نے ہار یالوس کے قدم بہ قدم چل کر یہ روپیہ خود اپنی جیب میں رکھ لیا تھا۔ کیرانوس بھی خود لیزی ماخوس کی نظر سے گر گیا اور سلیوکوس کی طرف چلا گیا، جس کے دربار میں لیزی ماخوس کا بیٹا سکندر بھی موجود تھا۔ اب خود اپنے ہی کرتوت کی وجہ سے لیزی ماخوس بالکل بے یار و مددگار رہ گیا، اور گو اُس نے اپنی بیٹی ارسی نوئے کو بطلیموس فلادیلفوس کے پاس نکاح کی غرض سے روانہ کیا، لیکن اس سے اُسے کوئی سیاسی فائدہ نہیں ہوا۔ سلیوکوس اُس سے جنگ آزما ہوا، ہیلیس پونتی افروجیہ کے میدان کوروپن میں لیزی ماخوس کو شکست ہوئی اور ساتھ ہی اُس کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ (۲۸۱ سنہ ق م)[۲۲]

تھریس و مقدونیہ دونوں پر سلیوکوس ہی کا قبضہ تھا، معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی خواہش یہ تھی کہ وہ اپنی زندگی کے آخری ایام اپنے وطن مالوف مقدونیہ کے بادشاہ کی حیثیت سے بسر کرے، جس کی یاد اُس نے ایشیا میں متعدد نئے شہر آباد کر کے تازہ کی تھی۔ غالباً اسی غرض سے وہ یورپ کی طرف چلا لیکن جب وہ لیزی ماخیہ پہنچا تو کیرانوس نے اُسے قتل کر دیا، اور اپنی انتہائی سراسیمگی کی حالت میں فوج نے اُسے اپنا حکمران تسلیم کر لیا (۲۸۱ سنہ ق م)۔ اس کے بعد کیرانوس آگے بڑھا اور تھریس و مقدونیہ پر بھی قابض ہو گیا۔ اُدھر ایشیا میں سلیوکوس کے بیٹے انطاکوس نے بہت سوں کو اپنا جانبدار بنا لیا، اور فلے تائروس نے سلیوکوس کی نعش کو، جسے اُس نے کیرانوس سے خرید لیا تھا، انطاکوس کے پاس روانہ کر دیا۔ انتی گونوس اس

۲۲؎ جنگ "میدان کوروپن" میں لڑی گئی Porph.Eust.Sch. ۱، ۳، ۲۳۔ لیکن اس وقت تک عین محل وقوع کا تعین نہیں ہوا ہے App.Syr. ۶۲ کے نزدیک یہ مقام "افروجیہ میں ہیلیس پونت کے قریب" تھا۔ پرگامم کیلئے دیکھو ابواب ۵، ۱۳، ۲۱۔

قابل نہ تھا کہ سرزمین یونان کو کیرانوس کی مخالفت کے لئے میدان کارزار بنائے۔ ممکن ہے کہ یہ ہوس جنگ آزما ہوتا، لیکن عین اُسی زمانے میں ایپائروس کا یہ بادشاہ تارنتوم کی طلب پر اٹلی کی مہم سر کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا اور تینوں حکمران یعنی کیرانوس، انطاگوس اور انتی گونوس اُسے روپے، جہاز اور فوج سے اُس کی مدد کر رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کے سب اُس کے چلے جانے سے بہت ہی خوش تھے[۲۳]۔

اپنی حکومت کی بنیاد مضبوط کرنے کی غرض سے کیرانوس نے اپنی بہن ارسی نوئے کے ساتھ، جس سے مل کر اُس نے اگاتھوکلیس کا حال ہی میں خاتمہ کیا تھا، خود نکاح کر لیا! اور اس طرح اُس کے بھانجے، جو شاید تھریس کے دعویدار ہو جاتے، اُس کے قابو میں آ گئے، جنھیں اُس نے خود اُن کی ماں کے روبرو قتل کر ڈالا! یہ واقعات سنہ ۲۸۰ ق م کے ہیں۔

اب جبکہ ایک اور اہم واقعہ ظہور میں آنے والا ہے تو ہم یہاں ذرا توقف کرتے ہیں اور ایک خاص نقطۂ نظر سے اُس عہد کی خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

۲۳ انتی گونوس ایتولیوں کا حلیف تھا۔ سنہ ۲۸۰ ق م میں آریوس والئ اسپارٹا نے یک بیک اُن کے خلاف فوجکشی کی لیکن اُسے پسپا ہونا پڑا۔ ہمیں اس کا علم نہیں کہ درپردہ کس قسم کی پیچیدگیاں تھیں جو اس حرکت کا باعث ہوئیں۔ پولمان Poehlmann کا خیال ہے کہ مصر نے اسپارٹا کو بھڑکایا ہوگا۔ دیکھو باب ۱۲، حاشیہ ۷۔

باب سوم

اِس عہد کی ممتاز شخصیتیں

۳۲۳ق م سے ۲۸۰ق م تک کا زمانہ بڑے بھاری اختلال کا زمانہ ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب وہ سلطنت جو طرح طرح کے مصائب جھیل چکی تھی اور اب گویا حالت نزع میں گرفتار تھی، آخر کار متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم ہو جاتی ہے جن میں سے سب سے نمایاں ریاستیں خالص یونانی ہیں، اور جن ملکوں کو سکندر نے فتح کیا تھا اُن میں یونانی تہذیب و تمدن کا بول بالا ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس چہل سالہ مدت میں، جن کے حالات ہم نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ بیان کئے ہیں، یونانی تمدن کا انتشار اُن کا نمایاں ترین واقعہ نہیں قرار دیا جا سکتا، بلکہ اگر ہم دیکھیں تو اُس عہد کا سب سے زیادہ قابل لحاظ واقعہ یہ ہے کہ اس میں فرد کو پہلی مرتبہ وہ اہمیت دی گئی جو اُسے قدیم زمانے میں حاصل نہیں تھی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس زمانے میں چند ممتاز افراد کی خواہش، ارادہ اور مفاد ہر چیز کا محور بن گیا ہے، اور گو اقوام کی خواہشات اور فوائد کا بعض مرتبہ ضرور لحاظ رکھا جاتا ہے، لیکن علی العموم اُسے مطلق پیش نظر نہیں رکھا

جاتا۔ اس عہد کے حکمرانوں کی حیثیت پرانے سورماؤں کی سی ہے، اور عوام النّاس قدیم الایّام کی طرح معاملات عامّہ میں نہایت ہی ثانوی حصّہ لیتے ہیں۔ صرف دو ملکوں، یعنی یونان اور ایشیائے کوچک میں قوم کچھ آگے بڑھتی ہے، لیکن اُسے شاذ و نادر ہی کامیابی حاصل ہوتی ہے، گو ایک مرتبہ رھوڈز میں اُس کی کامیابی نہایت غیر معمولی ہے۔ لیکن ہماری دانست میں وہ مصنّف غلطی پر ہیں جو کہتے ہیں کہ قوم میں وہ پہلی سی مردانگی باقی نہیں رہی تھی[1]۔

جو اشخاص صف اوّل میں آتے ہیں وہ ایک معنی کر کے "خود ساختہ" کہلائے جا سکتے ہیں، اس لیے کہ انھیں جو رتبہ حاصل ہوا وہ اُن کے حسب نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کی ذاتی قابلیت کی وجہ سے حاصل ہوا تھا۔ لیکن ہمیں اُن کے عروج کی کیفیت کو غلط معنے پہنا کر یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ اپنے عروج سے بے خبر تھے۔ سکندر کے جانشینوں کی نپولین کے مارشلوں سے تشبیہ دی جاتی ہے، گو اس میں حقیقت کا تھوڑا بہت عنصر ضرور ہے، لیکن جو واقعی فرق ہے وہ بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ نپولین خود ایک "نو دولتا" تھا، اور اُس کے قابل ترین مارشلوں میں سے ایک بھٹیارے کا، دوسرا خدمتگار کا اور تیسرا سائیس کالڑکا تھا۔ اس کے برعکس سکندر یونانیوں کا شہزادہ تھا اور اُس کے اکثر سپہ سالار ملک کے بہترین خاندانوں کے رُکن تھے۔ لیکن اپنے سردار کی موت کے بعد جو کچھ رتبہ انھیں حاصل ہوا وہ خود اپنی ذاتی قابلیت کی وجہ سے تھا، اور چونکہ ان میں آپس میں ہمیشہ نفاق و شقاق برپا رہتا تھا اس لیے انھیں اپنا درجہ قائم رکھنا اور بھی زیادہ کٹھن ہو گیا تھا۔ یہ ایک ایسا تنازع للبقا تھا جس میں صرف

[1] عام معلومات کے لئے دیکھو ڈروائے سن خاکہ ہائے خصائص، و نیز مہافی: "زندگی و فکر" Mahaffy :-Life and thought باب ۳ و ۴۔

اعلیٰ ترین خصائص کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ فی نفسہٖ اس واقعے سے کہ دو مشہور بادشاہ یعنی لیزی ماخوس و انتی گونوس اپنے اپنے بڑھاپے میں میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے مارے گئے، اُس زمانے کی جرأت اور بہادری کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے خصائص میں ایک قابلِ ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی زندگی پر مذہب کا کوئی خاص اثر نہیں تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ یونانی مذہب کا دارومدار یا تو محض رسوم پر تھا ورنہ اُسکی حیثیت سیاسی تھی؛ چونکہ مذہب خارجی اعمال پر مشتمل تھا اسلیئے اُس کا اخلاقِ انسانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، اور چونکہ اُس کا تعلق براہِ راست مملکت سے تھا اس لیئے بادشاہ اُس سے جیسا جی چاہے کام لے سکتے تھے، اور اُن کے اس فعل سے خود اُصولِ مذہب پر کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان واقعات سے تین سو سال بعد تک کسی نئے مذہب کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی، گو اس ابتدائی زمانے ہی میں یونانیوں نے زندہ انسانوں کو معبودوں کے زمرے میں رکھ کر اپنے مذہب کی قدر و قیمت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

الغرض، مذہب جیسا کچھ بھی تھا، اُس سے لوگوں کی معاشری حالت میں مطلق کچھ فرق پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس سے صرف یہی ہوا کہ حکمرانوں کی خود غرضی میں اضافہ ہو گیا، اور اُنھوں نے اپنا حسب و نسب، علامات اور خوابوں کی تعبیروں کے ذریعے سے اپنے غرض و مطلب کے حصول کی کوشش کی۔ چونکہ عوام النّاس کے عقائد اب بھی راسخ تھے اس لیئے اِس قسم کی اوہام پرستی کے مظاہروں سے اُن کا کام نکل آتا تھا۔ مثلاً سلیوکوس نے اپنا الوہی نسب ثابت کرنے کی کوشش کی، اور یومنیس نے (ذرا انکسار کے ساتھ!) اپنی الوہی ماموریت جتائی۔ جب کبھی سکندر کے

باب ۳

جانشین سپہ سالاروں اور بادشاہوں نے حسب حال انسانی طرز عمل اختیار کیا، تو یہ یا تو ذاتی اغراض کے لئے ورنہ اپنے فلسفیانہ عقائد کی بنا پر، اور ہمیں اُن کا ممنون ہونا چاہیئے اس لئے کہ یہ عہد جانبازیوں کے واسطے اس قدر مفید مطلب تھا کہ محض فوری فائدے کو اپنے طرز عمل کا واحد معیار بنانے سے گریز کرنے کیلئے بڑی بھاری اخلاقی قوت کی ضرورت تھی۔

ان میں جو لوگ ذی اثر کہے جا سکتے ہیں وہ سب کے سب مقدونوی ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے اوصاف میں تشدد کا عنصر غالب ہے۔ لیکن یونانی تمدن نے شاہ فیلقوس تک کے مصاحبوں میں گھر کر لیا تھا، اور یہ بھی اپنے روزمرہ کی بود و باش میں بعض یونانی طریقوں پر بالالتزام عمل کرتے ہیں۔ ان قاعدوں کی ترویج عین اُس زمانے میں ہوئی اور اُسے یونانی تعلیم و تربیت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے۔ مثال کے طور پر حکمرانوں کے باہمی میل جول کے طرز کو لیجئے جس میں بہت کچھ ادب و لحاظ مدنظر رکھا جاتا تھا، اور یہی ادب و لحاظ بعد میں چل کر جملہ دیار یورپ میں رواج پا گیا۔ لیکن جب ہم بیرونی سطح سے ذرا نیچے اُترتے ہیں تو پھر ہم بربریت ہی بربریت سے دو چار ہوتے ہیں، اور اُس کے ضمن میں یہ فرمانروا مردو بنجی فرنگیوں سے کچھ بہتر ثابت نہیں ہوتے۔ اس سے بھی زیادہ ہم رنگی اس عہد اور اطالوی نشاۃ جدیدہ میں پائی جاتی ہے، جہاں غایت سنگدلانہ خود غرضی پر تمدن کا صرف ہلکا سا خول چڑھ گیا تھا۔

فرد کی بڑھتی ہوئی اہمیت کا ایک مظاہرہ عورتوں کی حیثیت سے ہوتا ہے جو عہد زیر بحث میں معاملات عامہ میں ممتاز حصہ لیتی ہیں، اور اس سے بھی نشاۃ ثانیہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

اس باب کے باقی ماندہ حصے میں ہم "جانشینان سکندر" میں سے

باب ۳۱

ممتاز ترین کا حال بیان کریں گے اور اُن کے "چند تابعین" کا ذکر کرتے ہوئے بعض جمہوریتوں اور چند غیر معمولی عورتوں سے ناظرین کو شناسا کرائیں گے ؎

؎ دیادوخی اور اپی گونی ("جانشین" و "تابعین") کے الفاظ ہئے رونی موس ساکن کاردیہ ہی نے ان معنی میں استعمال کئے تھے، دیکھو "بالا" یادداشت باب ۱؛ نیز مطالعہ کرو ڈروائےسن ۱/۳؛ اُوزنے زر "کنیدوس کا چٹکلہ" Usener: Epigramm von Knidos صفحہ ۳۶ - اصل میں "اپی گونی" تھبز کے ساتھ حملہ آوروں کے بیٹوں کا نام تھا، اور ۲۲۰ ق م کے افراد کو یہ نام دینا دراصل ڈروائےسن کا کام ہے۔ دیودوروس تیسری صدی ق م کے وسط کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ لفظ استعمال نہیں کرتا۔

ان کے علاوہ دوسرے "تابعین" کے لئے دیکھو عقب، باب ۱۵، حاشیہ ۳۔

جانشینانِ سکندر اور اُن کے "تابعین" دونوں نے اس رتبے کو مستحکم کرنے کی جان توڑ کوششیں کیں جنھیں انھوں نے بزور شمشیر حاصل کیا تھا۔ اوّل تو یہ اُصول قائم کیا گیا کہ منصب "بادشاہی" ورثہ کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے، اور قابل ترین اشخاص اس کے اہل ہوتے ہیں (کیوہلر "روداد اکاڈمی برلن" Koehler Sitzungsber Berl. Akad. ۱۸۹۱ء ۲۶ فروری) - انتی گونوس، کاساندر وغیرہ نے اپنے دعاوی کو اسی اصول پر مبنی کیا اور اپنے افعال کو حق بجانب ٹھہرایا۔ لیکن چونکہ کسی خاص فرد کی قابلیت مشتبہ ہوتی تھی اس لئے "بادشاہ" کے علاوہ دوسرے خطابات نکالے گئے، اور یہ خطابات اُس زمانے کے حالات کا اس وجہ سے جزو لاینفک ہو گئے کہ ناقابل حکمرانوں کی تعداد میں روز افزوں ترقی ہو رہی تھی۔ لیکن یہ حوصلہ مند افراد کے لئے کافی نہیں تھا، چنانچہ موروثی حق کو پھر کھینچ لایا گیا اور اس پر خانہ ساز الوہی حقوق کا اضافہ بھی کیا گیا۔ بادشاہ یا تو فیلقوس پدر سکندر کی

سب سے پہلے ہم دو شخصوں، یعنی پردِکاس[۵۳] اور کراتیروس کو نظر انداز کئے دیتے ہیں، اس لئے کہ پردِکاس نے تو بہت ہی کم دن چین سے حکومت کی، اور گو وہ قابل ہو لیکن اپنی انتہائی منکسر المزاجی کی وجہ سے وہ تمام سلطنت پر حکومت کرنے کا اہل ثابت نہیں ہوا، اور کراتیروس بے وقت وفات پا گیا۔ ان دونوں کے بعد پہلا نمبر انتی پاتر کا آتا ہے[۵۴] جو دیادوخی یا جانشینان سکندر میں سب سے

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ نسل سے تھے جیسے بطلیموس، ورنہ مقدونوی خاندان شاہی کے دوسرے ارکان تھے، جیسے انتی گونوس کے جانشین (پولی بیوس ۵، ۱۰؛ بطالسہ، ساتیروس، حصہ ۲۱، میولر، ۳، ۱۶۵)؛ اور بعض کو معبودوں کی نسل سے سمجھا جاتا تھا (مثلاً سلیوکوسی)؛ اور بعض مرتبہ دونوں اہلیتیں، یعنی ذاتی قابلیت اور الوہی حقوق دونوں کو ملانے کی کوشش کی جاتی تھی (جیسے یو ہے میروس نے کیا؛ دیکھو باب ۶)۔ اگر خود زیوس ایک خوش قسمت بادشاہ تھا تو پھر اسکندر کو حقدار حکمران بننے میں کیا امر مانع ہو سکتا تھا؟۔

پولی بیوس (۸، ۱۲) نے سکندر کے سپہ سالاروں کی تعریف و توصیف کی ہے، لیکن اس نے لفظ "اسی کی طرح" جو استعمال کئے ہیں وہ درست نہیں اس لئے کہ خود وہی دوسرے پاروں میں سکندر کو ان سب سے زیادہ قابل بتاتا ہے۔

مہافی (: زندگی" صفحہ ۶۷) نے بھی سکندر کے مارشلوں اور دیادوخی کے درمیان مماثلت دکھائی ہے۔

[۵۳] پردِکاس؛ پلوٹارک Al. Virt. ۲، ۱۱ میں اسکے بعض نہایت نفیس الفاظ نقل کئے گئے ہیں۔

[۵۴] فون ولاموو تز ۱ Ant V. Kar ۱۸۵) انتی پاتر کو "دو نبیل" کا لقب دیتا ہے۔ وہ بطلیموس کی طرح نہایت چالاک تھا، اور ملوکیت کی اہمیت یا خود اپنے اقتدارات کی طرف سے اُسے کوئی شکوک نہیں تھے۔ اور اسی وجہ سے اُس کی شخصیت کا نسبتہً اچھا اثر پڑتا ہے۔ وہ سکندر کے دعاویِ الوہیت کا مخالف تھا۔

باب ۳۰

معمر تھا۔ ۳۱۹ق م میں اپنی موت کے وقت اُس کی عمر اسّی برس کی تھی، اس لئے جس وقت سکندر نے ایشیا کی طرف قدم بڑھایا ہے اُس وقت وہ ۶۳ سال کا اور تخت نشینی فیلقوس کے وقت ۴۰ سال کا ہوگا۔ انتی پاتر پرانے طرز کا مقدونوی تھا، اور اُسے یونانی تمدن یا عام فتوحات کی حکمت عملی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، بلکہ اُسے ایشیا کی بجائے اپنے وطن مالوف مقدونیہ کی زیادہ پروا تھی وہ مبالغہ آمیزی یا غلو کو بالکل پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب سکندر کے غیاب میں یہ یوروپی حصہ جات سلطنت پر حکومت کرتا تھا تو اپنی بے لطف طبیعت کی وجہ سے اُسے بار بار اولمپیاس سے جھگڑے مول لینے پڑے۔ وہ اپنے ملک کے دشمنوں کو سزا دینے میں ذرا دریغ نہیں کرتا تھا، اور اُس کے بُرے سلوک کی بدیہی مثال وہ برتاؤ ہے جو اُس نے جنگ لامیہ کے بعد ایتھنزی محبان وطن کے ساتھ روا رکھا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خود غرض تھا یا کہ اُس نے اپنے خاندان والوں کو غیر معمولی فائدہ پہنچایا تھا، اگر ایسا ہوتا تو وہ اپنا جانشین اپنے بیٹے کاساندر کی بجائے ایک معمر شخص پولیس پرخون کو کیوں مقرر کرتا۔

عمر کے اعتبار سے دوسرا نمبر انتی گونوس کا ہے[۵] جس کے باپ کا نام فیلقوس تھا اور جو ۳۸۵ق م میں پیدا ہوا تھا، چنانچہ وہ شاہ فیلقوس سے عمر میں بڑا اور دیموس تھنیس کا ہم عمر تھا۔ اسنے اپنی عملی زندگی نسبتہً دیر میں شروع کی۔ سب سے پہلے اسے سکندر نے افرجیہ کا صوبہ دار مقرر کیا، اور چونکہ یہ صوبہ ایشیائے کوچک کے وسطی صحرا کے مغرب میں واقع تھا اور مشرق کی دو شاہراہیں یہیں سے چلتی تھیں (دیکھو باب ۴) اس لیے یہ بہت ہی اہم صوبہ تھا۔ بہر حال سکندر کی وفات تک انتی گونوس اس اہم عہدہ پر فائز رہا، لیکن اس نے مہمات ایشیا میں کوئی

---

[۵] انتی گونوس۔ اس کا حسب نسب، ڈروائے سن ۱/۲۷، ۷۲، ۱/۸۷، مقابلہ کرو A. I. V. H. ۱۲، ۱۳

باب ۳

قابل قدر حصہ نہیں لیا، اور سکندر کی وفات کے بعد تک، یعنی ۶۲ برس کی عمر تک وہ سیاسیات کی صف اوّل میں نہیں آیا۔ وہ بھاری بھرکم ضرور تھا لیکن یک چشم تھا جس کی وجہ سے اسے لوگ ”غلطان چشم“ کہتے تھے۔ انتی گونوس بڑا ہوشیار اور با اصول شخص تھا اور روپیہ جمع کرنے میں مشّاق تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی سالانہ آمدنی گیارہ ہزار تالنت تھی، اور اُس کے خزانے کا اندازہ ۳۵ ہزار تالنت کیا گیا ہے۔ وہ حاضر جواب تھا، اور بہت سی کہاوتیں اس کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ وہ خوش خلق ضرور تھا، لیکن اگر کوئی اُس کے یک چشم ہونے پر ہنسی اُڑاتا تو وہ اس کا روادار نہ ہوتا، چنانچہ جب خیوس کے سوفسطائی تھیوکریتوس نے اس کی تضحیک کی تو اسے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بہ نسبت سپہ سالاری کے انتی گونوس کو تنظیم کا زیادہ ملکہ تھا۔ اُس نے یومنیس کو لڑ کر نہیں بلکہ دغا فریب سے مغلوب کیا۔ مصر کے خلاف اُس نے کوئی کارنمایاں انجام نہیں دیا، اور ہمارا خیال ہے کہ وہ لیزی ماخوس و سلیوکوس کے چنگل میں صرف اسی وجہ سے پھنس گیا کہ اس نے ان پر علیحدہ علیحدہ حملے نہیں کیے۔ اسے اپنے بیٹے دیمتریوس پر مکمل اعتماد تھا، اور ان دونوں کے باہمی تعلقات نہایت اچھے تھے۔ جنگ اپسوس کے واقعات سے اس اعتماد کا پتا لگتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں ذہنی اطمینان کا کس قدر مادّہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اس معرکے میں جب دشمن اسے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا تو اُس کے مصاحبوں نے اُس سے کہا کہ جہاں پناہ غنیم آپ کی طرف بڑھ رہا ہے، اُس نے معاً جواب دیا کہ

بڑھنے دو، میرا بیٹا مجھے آکر بچا لے گا، اور اسی انتظار میں اُس نے لڑکر جان دے دی! یہ افرد جیہ میں اپنا نام چھوڑ کر مرا! لکھا ہے کہ اُس کی موت کے بعد کسی نے ایک کسان کو زمین کھودتے دیکھا اور پوچھا کہ بھائی کیا کر رہے ہو تو اُس نے جواب دیا کہ میں انتی گونوس کو ڈھونڈ رہا ہوں!۔

انتی گونوس کے بعد بطلیموس کو لیجیئے جو اسی نوئے اور طبقۂ ادنی کے ایک شخص مسمّی لاگوس کا بیٹا تھا، گو عام طور پر یہ مشہور تھا کہ وہ خود شاہ فیلقوس کے نطفے سے پیدا ہوئے اور اگر ہم مختلف تاریخوں پر غور کریں تو یہ استدلال بعید از قیاس معلوم نہیں ہوتا۔ وہ ۳۶۷ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ وہ بہادر، تنومند قابل اعتماد اور سکندر کا وفاشعار ملازم تھا۔ اسی نے بیسوس کو قید کیا تھا۔ اُس نے مصر کی حقیقی اہمیت کا اندازہ کر کے سکندر کی موت کے بعد ہی اُس پر قبضہ کر لیا، اور کبھی مکمل سلطنت پر قبضہ کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لایا، جس سے اُس کی زیرکی اور ہوشیاری کا ثبوت ملتا ہے۔ فرمانروائے مصر کی حیثیت سے اُس نے پہلے تو پرڈکاس اور اسکے بعد انتی گونوس

---

۶ بطلیموس۔ کلیس Cless نے پاؤلی کی "محیط" Pauly's R. E. ۶، ۱ ۱۷۹/۱۹ میں اس کا پورا حال لکھا ہے۔ خطاب "محافظ"، پئوسانیاس ۱، ۸، ۶ (رھوڈزیوں کی شکر گزاری)؛ Arr. ۶، ۱۱، ۸ (جہاں یہ غلط بیانی کی گئی ہے کہ یہ خطاب سکندر کے چھڑانے کی وجہ سے ملا تھا)؛ ۲۶۱/۲۶۰ ق م میں اس خطاب کا اُس کے بیٹے نے اعلان کرایا؛ فہرست نوادر خانۂ برطانیہ، "بطلیموس" صفحہ XXXX مقابلہ کرو کیوہلر: رو داد اکادمیہ برلن، فروری ۱۸۹۱؁ء۔ پ گارڈنر "ابواب جدید" صفحہ ۵۲ میں کہتا ہے کہ بطلیموس اوّل سے زیادہ منصف مزاج حکمراں مشکل سے ملیگا؛ لیکن مجھے اُس کے انصاف کی کوئی خاص مثال نہیں ملی۔

باب ۳

و دیمتریوس کی جو مقاومت کی اس سے اُس کی ہمت اور تدبیر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُس نے کتابیں تصنیف کر کے علمی میدان میں بھی اپنا نام پیدا کیا، چنانچہ اُس کی تاریخ سکندرِ اعظم اُس کے ہم عصروں میں بہت مقبول تھی۔ اُس نے فلادیلفوس کے حق میں تخت سے دست برداری دے کر اپنی بے غرضی کا ثبوت دیا اور اس واقعے کے دو سال بعد، یعنی ۲۸۳ق م میں ۸۰ برس کی عمر پاکر راہیِ مُلکِ عدم ہوا۔ سکندر کے جانشینوں نے جو شاہی خاندان قائم کئے اُن میں سب سے طویل خاندان بطلیموس ہی کا تھا جس نے مصر پر تقریباً تین سو برس حکومت کی، جس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اُس کے بانی نے جو طرزِ حکومت قائم کیا تھا وہ مُلک کے حسب حال تھا۔

لیزی ماخوس، جو اگاتھوکلیس ساکن تھسلی کا بیٹا تھا، ۳۶۱ق م میں پیدا ہوا تھا[۵]۔ وہ بادشاہ کے جیش حفاظت کا رکن تھا، اور

---

[۵] لیزی ماخوس: کلیس Cless کا مضمون پاؤلی کی "محیط" میں، ۴، ۳، ۱۳۰؛ اِسکے متعلق جو واقعات ہیں وہ پوسانیاس ۱، ۹، ۱۰ میں ملیں گے۔ وہ سکندر کے سررشتے کا ایک بہادر رکن تھا۔ اسے تھریس کا جائزہ دار بنایا گیا، اور اس حیثیت سے اُسے سات سال تک بربریوں سے جنگ آزمائی کرنی پڑی جن میں سے سب سے ممتاز اودریسی سیوتھیس سوم تھا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ۳۱۵ق م تک انتی گونوس کے مدمقابل کی حیثیت سے فریقی آویزشوں میں شریک نہیں ہوتا۔ دیودوروس ۱۹، ۷۷ کے مطابق وہ بیزنطیوں کو انتی گونوس کے ساتھ ملنے سے باز رکھتا ہے۔ جنگ اپسوس کے بعد اُس نے جو ہوشیاری دکھائی اُسکے لئے دیکھو کلیس، ۱۳۰۶/۱۳۰۹

شہر لیزی ماخیہ نے جسے اب ہگزاملی کہتے ہیں، ہمسایہ کاردیہ کی جگہ لے لی۔ یہ شہر سطح سمندر سے تقریباً ۶۰۰ فٹ بلند تھا اور بحر تھریس اور

باب ۳

نہ صرف فطرتاً بہادر تھا بلکہ تدبیر جنگی میں بھی کامل تھا۔ اُسنے انتی گونوس کے ساتھ جنگ کے دوران میں کسی فیصلہ کن معرکے سے گریز کرکے اپنی سپہ سالارانہ قابلیت کا ثبوت دیا اور چونکہ انتی گونوس کی فوج اُس کی فوج سے زیادہ تھی اس لئے سلیوکوس کے آنے تک وہ اپنے حریف سے دست و گریبان نہیں ہوا۔ وہ ایک نفیس خطّے پر قابض تھا جس میں تھریس و ایشیائے کوچک کا ایک حصّہ شامل تھا، اور ساتھ ہی اُس نے اپنے خزانے میں ایک بڑی رقم جمع کرلی تھی جس کا غاروِنی لاکس کے موقع پر مضحکہ اُڑایا

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ ہیلیس پونٹ دونوں سے اس کا فاصلہ مساوی تھا۔ در آنحالیکہ کاردیہ کا تعلق صرف بحر تھریس سے تھا، ہیلیس پونٹ سے نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایشیا کی اہمیت پہلے سے بہت بڑھ گئی تھی۔

پلوٹارک: "دیمیوس تھنیس" ۲۵ میں لیزیماخوس کو "گازو فی لاکس" کا لقب دیا ہے۔ پرگامم میں نو ہزار تالنت کا خزانہ تھا (جسے فلے تائروس نے غبن کرلیا)؛ پولی اے نوس (۴، ۹، ۴) نے سار دس میں بھی اس فرماں روا کے ایک خزانے کا ذکر کیا ہے اور استرابو (۷، ۳۱۹) سے تری زس (تھریس) میں ایک اور خزانے کا پتا چلتا ہے۔

لیزی ماخوس نے بتھی نیہ کے شہر انتی گونیہ کا نام بدل کر اپنی بیوی کے نام پر نقیہ رکھا۔ اس کے علاوہ اس نے کئی شہر آباد بھی کئے؛ ان کے لئے دیکھو کون۔ "قدیم بلدیات کے محل وقوع" Kuhn : Enstehung der Staedte der Alten لائپزگ ۱۸۷۸ء، ص $\frac{۳۳۵}{۳۴۴}$۔

لیزی ماخوس فلسفیوں کو نکال باہر کرتا ہے Ath ۱۳، ۶۱۰۔

ل، میولر کے کتابچہ ۳، ۴۴۴ میں پیولمان Poehlman نے ٹھیک کہا ہے کہ لیزی ماخوس کے سکّوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جن شہروں نے انھیں رائج کیا وہ اس کے دست نگر ہوں گے، بلکہ صرف اس خاص نوع کے سکّوں کی مقبولیت کا پتا لگتا ہے

لیزی ماخوس کے لئے دیکھو نیز Niese ۱، $\frac{۳۹۶}{۳۹۹}$۔

گیا۔ انتی گونوس اور سلیوکوس کی طرح اُس نے نئے شہر آباد کرنے کی اہمیت تسلیم کی، چنانچہ اُس نے ہیلیس پونٹ پر لیزی ماخیہ آباد کیا اور سمرنا کی از سر نو تعمیر کا حکم دیا۔ وہ قطر تا جلاب زرتھا، اور جب اُس نے ایشیائے کوچک کے کنارے کے شہروں میں اپنے سکوں کی نقل مروّج دیکھی ہو گی تو اُسے ضرور اطمینان ہوا ہو گا۔ لیکن امتداد زمانہ سے اُس کی طبیعت میں تنگ خیالی ہی نہیں بلکہ کمینہ پن بھی آتا گیا جس کی وجہ سے آخر کار خود اُس کا کام تمام ہو گیا۔ اُس نے خود لکھ کر ایک خط رہوس کو بھیجا اور اُسے دھوکے میں ڈالنے کے لئے یہ ظاہر کرایا کہ یہ خط بطلیموس کے پاس سے آیا ہے؛ اُس نے سلیوکوس کو دو ہزار تالنت اس شرط پر دینے کا وعدہ کیا کہ وہ دیمتریوس کا خاتمہ کر دے گا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پرانے ساتھی سے کس قدر کم واقف تھا۔ اُس نے کیرانوس کی باتوں کا یقین کر کے اپنے نہایت ہی قابل بیٹے اگاتھوکلیس کو جان سے مروا ڈالا، اور مقدونیہ پر قبضہ کرنے کی غرض سے اپنے داماد انتی پاتر کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے مظالم کی وجہ سے اس کے ساتھیوں نے اُس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور جب وہ میدان جنگ میں مارا گیا ہے تو سوائے ایک جاندار کے کسی نے اُس کی لاش کی طرف التفات نہ کیا، اور وہ جاندار اُس کا کتا تھا۔

سلیوکوس، جو لائوڈیکے اور سپہ سالار انطاکوس کا (یا جیسا اُس کے خوشامدی کہتے تھے، اپولو کا) بیٹا تھا، ۳۵۴ ق م میں پیدا ہوا۔ سلیوکوس بڑا طاقتور شخص تھا، اور قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ

---

۵ سلیوکوس سکلیس، پاؤلی، ۱، ۶، ۲۲۳/۲۳۶؛ بابلون: "شاہان سوریہ" Babelon : Rois de Syrie صفحہ ۱۱ تا صفحہ XXXIX — جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، اس لنگر میں جس کا تعلق اپولو سے فرض کیا جاتا ہے (جسٹن ۱۵، ۴)

باب ۱۵

اُس نے خود سکندر کے سامنے ایک جنگلی سانڈ کو نیچا دکھایا تھا۔ وہ پردکاس کے اثر کی وجہ سے خلیارخ مقرر ہوا تھا۔ لیکن وہ وقت بھی آیا جب اُس نے خود پردکاس کے خون میں اپنے ہاتھ رنگنے سے گریز نہیں کیا۔ وہ زیرک اور مستقل مزاج تھا، اور لوگ اُسے سکندر کے سپہ سالاروں میں بہترین تصوّر کرتے تھے۔ ساتھ ہی اُس میں اعلیٰ درجے کی انتظامی قابلیت بھی تھی۔ اُسنے شہر آباد کئے، کاشتکاری، افزائش نسل اسپاں، تجارت اور فنون لطیفہ سب ہی کی سرپرستی کی اور سب ہی کو فروغ دیا۔ انطاکوس کی بیماری کے قصّے سے، جس کی طرف ہم ناظرین کی توجّہ عنقریب مبذول کریں گے، اُس کی اچھی خصلت کا اظہار ہوتا ہے، اور

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور اپولو میں کوئی تعلّق نہیں۔ بابل کے سکّوں پر پہلی مرتبہ لنگر کی شکل جو بنائی جاتی ہے وہ اُس وقت جب سلیوکوس صوبہ دار مازائیوس کے جانشین کی حیثیت سے وہاں سکّے ڈھالتا ہے۔ مقابلہ کرو App. Syr ۵۶ کا فقرہ (جسے بابلون Babelon نے نقل کیا ہے) جس کے مطابق سلیوکوس کی ماں کو لنگر والی انگوٹھی ملتی ہے جسے سلیوکوس نے دریائے فرات کے قریب گما دیا تھا، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اُس کی قسمت میں اس دریا کی حکومت لکھی ہے۔ مجھے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دریا کا تعلق بابل سے ہو گا۔

افسانے: جسٹن ۱۵، ۴۔ انہیں سے بعض لیزی ماخوس کے افسانوں کے مطابق صحیح سلیوکوس ایک سانڈ پر غلبہ پاتا ہے (App. Syr ۵۶) لیزی ماخوس ایک شیر کو مغلوب کرتا ہے (جسٹن ۱۵، ۳)؛ دونوں کے سروں پر اتفاقاً کپڑا باندھ دیا جاتا ہے، اور اُسے آئندہ ملوکیت کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ سکّوں پر سلیوکوس کی نشانی سینگوں والا گھوڑا ہے۔ بابلون جن شبیہوں کو سلیوکوس کی بتاتا ہے اُنکے سینگ بھی ہیں اور پٹی بھی۔ سکندر کی طرح سلیوکوس ایتھنز پر تحائف کی بوچھار کرتا ہے۔ کرتیوس: بلدی تاریخ Curtius: Stadtgesch ۲۴۴۔

باب۷

اُس میں جو فطری شرافت تھی اُس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے کہ جب اُس نے میدان میں لیزی ماخوس کو نیچا دکھایا ہے تو اُس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اپنی زندگی کے آخری ایام اپنے وطن مالوف مقدونیہ میں کاٹنے کی اجازت دی جائے۔ اُسنے کیرانوس نے جو دھوکا دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی ذہنیت کی سطح اس قابل نفرت شخص کی ذہنی سطح سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی۔

جن لوگوں کا ہمیں بیان کرنا ہے اُن میں صرف یومنیس ہی ایسا ہے جو نسلاً یونانی تھا۔ وہ کاردیہ کا باشندہ تھا، اور تقریباً ۳۶۱ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ سکندر کے عہد میں وہ ایک ذی اثر عہدے پر ضرور ممتاز تھا، لیکن اُس کے رتبے کو ہم درخشاں نہیں کہہ سکتے۔ (دیکھو جلد ۳، باب ۲۷)، نہ اُس زمانے میں اُسے ایک قابل سپاہی سمجھا جاتا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سکندر کی موت تک اُسکی سپاہیانہ قابلیت خفتہ ہی رہی لیکن اس واقعے کے بعد اُس نے اپنے آپ کو عمدہ سپاہی، اور دور اندیش سپہ سالار اور آزمودہ کار مدبّر ثابت کر دکھایا۔ وہ اس فن سے واقف تھا کہ سپاہیوں کے احساسات کو کس طرح سے کام میں لانا چاہیئے اور ان پر کس طرح اثر ڈالنا چاہیئے، اور یہ اس کے سکندر والے خیمے کو نصب کرنے کے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب انتی گونوس نے اُسے نیچا دکھانا چاہا تو اُسے اس کے لئے مکروفریب کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس نے توحّد سلطنت کے اُصول اور خاندان شاہی کی پشت پناہی کر کے اپنے راستے میں گویا کانٹے بو لئے۔ اگر وہ دوسروں کی تحریکات کو سنتا جو اُسے اپنا جانبدار بنانا چاہتے تھے تو شائد اُس کی جان بچ جاتی۔ اخلاقی اعتبار سے وہ بہترین مقدونیوں جیسے سلیوکوس، بطلیموس اور انتی گونوس سے کچھ کم نہ تھا، اور سپہ سالار و مدبّر کی حیثیت سے بطلیموس و انتی گونوس کا کم از کم ہم مرتبہ ضرور تھا، بلکہ شائد انتی گونوس سے تو بڑھا ہی ہوا تھا۔ اُس پر اختلافی

باب ۳

زمانے میں اُس کی ہستی یونانیوں کے لئے قابل فخر تھی۔ دوسرے سپہ سالاروں کے برخلاف اُس کی بدقسمتی یہ تھی کہ قوم اُس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ تھی، درآنحالیکہ اُس کے دوسرے ساتھی محض اپنا مقدونوی حسب نسب جتلا کر مُلک کے ہر حصّے سے اپنے ہمنوا جمع کر سکتے تھے۔ اس آخری بڑے یونانی سپہ سالار نے اپنے آپ کو ایسے مقصد سے وابستہ کرکے جو نصف ناکام ہو چکا تھا، اور اُس پر خود اپنی قربانی چڑھا کر یہ ثابت کر دیا کہ یونانیوں میں اب بھی مطلمیت اور وفاداری کی روح باقی ہے، اور اب بھی وہ مقدونیوں پر سبقت لئے ہوئے ہیں۔ چونکہ آجکل یونانی خصائص کے ساتھ تعصب کا برتاؤ کیا جاتا ہے اس لئے ہمیں ناظرین کی توجہ اس خاص بات کی طرف مبذول کرنی ضروری تھی۔

سکندر کے جانشینوں کے بعد ہم اُن کے تابعین کیطرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ان دونوں کے درمیان کاساندر بمنزلۂ ایک کڑی کے ہے۔ کاساندر[۹] انتی پاتر کا بیٹا تھا۔ وہ تقریباً ۳۵۵ ق م میں پیدا ہوا اور اس طرح سلیوکوس کا کم و بیش ہم عمر تھا۔ وہ فطرتاً درشت مزاج اور ضدّی واقع ہوا تھا۔ ایشیا جانے کے بعد

---

[۹] کاساندر۔ فون ولاموونز کے نزدیک وہ ہر کام ٹھنڈے دل سے اور سمجھ کر کرتا تھا لیکن Arr. 7. 27. اور پلوٹارک "سکندر" ۷۴ کے مطابق وہ جوشیلا تھا، اور اُس کے جذبات مشکل سے قابو میں آتے تھے، اور بعض مرتبہ واقعات کے گزر جانے کے بعد بھی وہ اپنے آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ اُسکی رعایا کے لئے یہ قسمت کی بات تھی کہ اُسکی حکومت کبھی مستحکم نہیں ہوئی، گو فون ولاموونز کا خیال ہے کہ وہ بادشاہ رہتا تو کلٹی قوم اتنا نقصان نہ پہنچاتی لیکن ہمیں یہ باور کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ اُسکی مدافعت کیرانوس سے زیادہ کر سکتا، اور ہم عام نقطۂ نظر سے کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے کے دوسرے حکمرانوں کیطرح اس فرمانروا کی موت سے مُلک کو کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا۔

باب ۳۵

اُس کے ساتھ سکندر نے اچھا برتاؤ نہیں کیا، اور اُس کی حکومت کے اختتام پر بھی اُس کا طریقہ کچھ اچھا نہیں رہا، جس کی وجہ سے جب تک وہ زندہ رہا برابر اُس کے دل میں بادشاہ کی طرف غیظ و غضب کی آگ بھڑکتی رہی، اور بادشاہ کی موت کے بعد اُس نے شاہی خاندان سے انتقام لیا۔ اُس کے اور اولمپیاس کے باہمی تعلقات پہلے ہی سے خراب تھے، چنانچہ موخرالذکر نے اپنے حریف کے خاندان کے ساتھ بھی بہت برا سلوک کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے اولمپیاس، سکندر اصغر اور اُس کی ماں روشنک کو جان سے مروا ڈالا، اور پولیس پرخون کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ سکندر کے دوسرے بیٹے ہرقل کا بھی خاتمہ کردے۔ وہ ۲۹۷ ق م میں دق سے مرگیا۔ اُس کے بڑے بیٹے میں تو باپ کا کمزور نظام جسمانی گویا عود کر آیا تھا، اور باقی جو اولاد تھی اُس میں انتی پاتر کی سرد مہری اور تدبیر، جو کاساندر میں سخت گیری اور تشدد کی صفت میں منقلب ہوگئی تھی، اب ادنیٰ درجے کے ظلم و ستم کی شکل میں تبدیل ہوگئی۔ بڑا بیٹا فیلقوس تو چار مہینے سلطنت کرنے کے بعد وفات پاگیا، باقی دو میں سے انتی پاتر نے تو اپنی ماں ہی کو قتل کرادیا اور اس کے بعد اپنے خسر لیزی ماخوس کے حکم سے اپنے جرم کی پاداش کو پہنچا؛ تیسرا بیٹا سکندر چاہتا تھا کہ دیمیتریوس کو مروا ڈالے لیکن موقع پاکر دیمیتریوس ہی نے اُس کا کام تمام کر ڈالا۔ اس طرح انتی پاتر کے خاندان کا صفایا ہوگیا، اور اس کے خاتمے سے مقدونیہ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔

جس طرح کاساندر میں انتی پاتر کے تمام خصائل اپنی پوری شدت اور ابتری کی حالت میں موجود تھے اسی طرح دیمیتریوس میں انتی گونوس کی عادتیں مبالغہ آمیزی کے ساتھ بھری تھیں، لیکن

باب ۳۲

فرق صرف یہ ہے کہ اُس میں انتی گونوس کی خود غرضی یا اُس کی عمدہ صفات کا شائبہ بھی نہ تھا۔[۱] وہ ایک خوبرو جوان تھا۔ اُس کی تدبیریں عظیم الشان تھیں، وہ اپنے دشمنوں، مثلاً بطلیموس، کے ساتھ شجیعانہ برتاؤ پسند کرتا تھا، اور اپنے دوستوں، مثلاً متھرا داتیس، کے ساتھ ایثار کرتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا سوچ بچار کر کے کرتا تھا۔ وہ طبعاً آرام طلب تھا، لیکن صرف اُس وقت عیش و عشرت میں مبتلا ہوتا تھا جب اُسے تفکرات نہ ہوتے اور اطمینان چین کیساتھ زندگی بسر کر سکتا۔ اُسے نہ صرف اپنے ذاتی رکھ رکھاؤ بلکہ فوجی

---

[۱] دیمتریوس۔ اس دلچسپ شخص کا ہمدردانہ خاکہ فون ولاموونز ۸۷ ا میں ملیگا۔ مقابلہ کرو ہرمان تومزر: "مملکت قدیم" Hermann Thumser : Staat salt
۱۳۵۔ اس کا افسوس ہے کہ واقعات کے جلد جلد پیش آنے کی وجہ سے دیمتریوس کو کافی تعلیم نہیں ملی، لیکن اس کے بغیر بھی وہ کیا بلحاظ انسان کے اور کیا بلحاظ مدبر کے الکبیادیس سے کہیں برتر ہے، گو ان دونوں میں بہت سے خصائص مشترک ہیں۔ وہ اگر کسی کا ہمنوا ہو جاتا تو اُس کے ساتھ ہمیشہ شجیعانہ اور وفادارانہ برتاؤ کرتا، اور اس کے برعکس اگر ہم الکبیادیس کو دیکھیں تو ان صفات کے فقدان کی وجہ سے اس کا اثر ہمارے دلوں پر نہایت بُرا ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ دیمتریوس کے اخلاقی توازن میں بھی خامی پیدا ہو گئی، مثلاً دیکھو پلوٹارک: "دیمتریوس" ۳ ۴ میں جہاں اس کی بہ نسبت اس کے بیٹے میں جذبہ انسانیت زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ باپ تو اپنی زندگی کے اختتام پر ایشیائے کوچک میں سرفروشانہ مہم سر کرتا ہے، اور بیٹا یونانی صوبوں پر اس قدر خاموشی کے ساتھ حکومت کرتا ہے کہ اگر بعد میں وہ یونان کو فتح مقدونیہ کا مرکز نہ بناتا تو شائد کسی کو معلوم بھی نہ ہوتا کہ وہ یونان پر قابض ہے۔ تاریخ یونان کے نقطۂ نظر سے دیمتریوس کو اتھنز کے ساتھ جو لگاؤ اور اُنس تھا اس کی وجہ سے اُس کی اہمیت کچھ کم نہیں ہے۔

باب ۳۔ تیاریوں میں بھی ظاہری بناوٹ کی طرف رجحان تھا، مثلاً کہیں محاصرہ کر رہا ہو تو اُس کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اپنی قوت کا مظاہرہ بڑے پیمانے پر کرے، چنانچہ جب اُسے رھوڈز کے محاصرے میں ناکامی ہوئی تو اُس نے یہ سوچ کر اپنے ضمیر کو اطمینان دے لیا کہ خیر اس سے پہلے کسی نے ایسے محاصرے کی ہمت ہی نہیں کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اُس نے رھوڈزیوں کو ہیلیے پولس تحفتہً دے کر شہر والوں کی کامیابی پر گویا مہر ثبت کر دی۔ اس کا لقب "پولیورکی تیس" یعنی "محاصرہ کن" مشہور ہو گیا، اور یہ بالکل درست بھی تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سپہسالاری میں وہ اپنے باپ سے کچھ بہتر نہیں تھا۔ امتدادِ زمانہ سے اس کے نقائص بڑھتے ہی گئے، اور اپنے تلون کی وجہ سے وہ مُلک پر اطمینان سے حکومت کرنے کے قابل نہیں رہا بادشاہ مقدونیہ بننے کے بعد اُس کا مقصد یہ ہو گیا کہ حکمران کے بے کیف فرائض کا بوجھ اُٹھائے بغیر شاہی تزک واحتشام کے ساتھ رہے۔ اسکے پاس جو درخواستیں آتی تھیں اُنھیں وہ پانی میں پھینک دیتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی وہ خوش خلق بھی تھا، چنانچہ اُس کے خُلق کی ایک مثال لکھی ہے کہ ایک مرتبہ جب ایک بڑھیا نے اُسے بُرا بھلا کہا تو وہ فوراً اپنے فرائضِ منصبی پورے کرنے کے لئے تیار ہو گیا اور کچھ مدت تک اچھی طرح سے حکومت کرنے لگا۔ اُس نے بہت سی باتوں میں سکندرِ اعظم کا اتباع کیا، مثلاً اُس کی طرح اسے بھی ایتھنز سے عشق تھا، جہاں وہ بار بار جاتا تھا، گو اُس کا یہ جانا صرف ذہنی ارتفاع کے لئے نہیں تھا، اور جیسے سکندر نے گرانی کوس کے مالِ غنیمت سے ایتھنز کو زرہ بکتر روانہ کئے تھے اسی طرح اس نے بھی سالامس سے روانہ کئے۔ بعض کے نزدیک وہ بہ نسبت سکندر کے الکبیادیس سے زیادہ مشابہ تھا، یہ نہیں تو کم از کم اُس کے پرائیویس میں اُس نے اور اُس کی خانگی زندگی سے ہمیں الکبیادیس

کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ بلا شبہہ وہ اتنا اچھا سیاست داں نہ تھا جیسا الکبیا دیس، لیکن وہ اُس سے کہیں زیادہ عالی منش اور خوش خُلق تھا الکبیا دیس کے برخلاف اُس نے اپنے آپ کو مغلوب ہو جانے دیا اور یہی بس اُس کا خاتمہ تھا۔ ہمارے نزدیک اُس نے اتیھنز والوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا وہ اُسے نہایت ناشکرانہ معلوم ہوا ہو۔ وہ باپ بھی اچھا تھا اور بیٹا بھی اور اِس خود غرضانہ عہد میں یہ ایک نہایت ہی قابل تعریف بات تھی۔ وہ ۳۳۷ق م میں پیدا ہوا تھا اور صرف ۵۳ برس کی عمر میں ۲۸۴ ق م میں مر گیا۔ کچھ عرصے کے لئے وہ سمندر کا مالک اور بحری ڈاکوؤں کا حکمران بن گیا تھا، اور جب اُسے اپنے ہتھیار ڈال دینے پڑے تو اُس نے مُلک میں لوٹ مار کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اس زمانے میں انفرادیت کو جو عروج حاصل ہوا تھا اس کا پورا اظہار دیمتریوس میں ہو گیا، اور اُس کے افعال میں بہ نسبت اپنے حریفوں کے انانیت کے اظہار میں جو کمی نظر آتی ہے اس کی وجہ سے اُس نے گویا اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری۔ واقعہ یہ ہے کہ زمانے کی کچھ اس قسم کی حالت ہو گئی تھی کہ بے مقصد شخص خواہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو، کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دیمتریوس اپنے زمانے کا گویا سرفروش سبارز تھا اور اریوستو کے اسلوب میں کسی رزمیہ تالیف کا آسانی سے موضوع بن سکتا تھا۔ اُس کی صفات کے مدنظر اگر ہم اُسے پیر نابالغ کا لقب دیں تو یہ غلط نہ ہوگا۔

ہم بطلیموس اوّل کے بیٹے اور جانشین کا حال کچھ دیر بعد بیان کریں گے۔ وہ انطاکوس ولد سلیوکوس کی طرح (جس کا متعاقب ذکر کیا جائے گا) میدان جنگ میں کارہائے نمایاں کا اتنا اہل نہ تھا جتنا کسی موروثی مُلک پر امن و امان سے حکومت کرنے کا۔ وہ تابعی،، ضرور ہے، لیکن ایک دوسرے شائد صحیح تر معنی میں، لغت کا جہاں تک اعتبار ہے ”تابعین،، یعنی فرزندان جانشینان سکندر

باب ۱۳

میں، جنھوں نے اپنے آبا کا کام چاہے کم ہی قابلیت کے ساتھ جاری رکھا، ہمیں بطلیموس کیرانوس کو شریک کرنا چاہیے[۱۱۵] اُس کے باپ نے اُس کے خصائل کا صحیح اندازہ کر کے اُس سے تخت سے محروم کر دیا۔ فضائے تاریخ میں کیرانوس مصر چھوڑنے کے بعد ہی نمودار ہوتا ہے۔ اُس وقت اُس کی عمر تیس سال کی ہوگی۔ اس کے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس قسم کا شخص تھا۔ وہ لیزی ماخوس کے پاس بھاگ جاتا ہے، جس کی بیوی خود اُس کی بہن ارسی نوئے تھی؛ اس بہن سے ناجائز تعلق پیدا کر لیتا ہے تاکہ بادشاہ کے بیٹے کو انجام کو پہنچا سکے، آخر اس بیٹے کا خاتمہ کر دیتا ہے، پھر سلیوکوس کے پاس بھاگ جاتا ہے اور اُس کا بھی خاتمہ کر کے اپنے آپ کو مقدونیہ و تھریس کا مالک بنا لیتا ہے، خود اپنی ماں جائی بہن ارسی نوئے سے نکاح کر لیتا ہے، اور اُس کے بچوں، یعنی اپنے بھانجوں کو اُس کے روبرو صرف اس لئے مار ڈالتا ہے کہ وہ تھریس کے جائز وارث ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ غالیوں نے ۲۷۹ ق م میں اُسے نشانۂ تیغ بنایا، اور ہم اس نتیجے پر خواہی نخواہی پہنچتے ہیں کہ غالیوں کا حملہ بے فائدہ نہیں ثابت ہوا۔ ہمیں یہ سوچ کر تھرتھری آتی ہے کہ دورانِ قیام مصر میں اس بدبخت نے کیا کیا نہ کیا ہوگا کہ اُس کے باپ نے فلادیلفوس کی کی والدہ کی خوشامد اور درخواست کو مان کر کیرانوس کو محروم الارث کر دیا۔

---

[۱۱۵] بطلیموس کیرانوس۔ ڈرواسے سن نے اپنی کتاب ۲، ۲، ۳۲۹ میں جسٹینوس کا اس لفاظانہ فقرے کا مکمل ترجمہ کر دیا ہے جس میں اُس نے ارسی نوئے کے بچوں کے قتل کا حال بیان کیا ہے، (۲۴، ۲، ۳) اور اس سے اُس عہد کے اشخاص پر زبردست روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے نزدیک جسٹینوس میں اس قسم کی جو تفصیل مندرج ہے اُس کی وقعت لفاظی سے زیادہ نہیں۔

پولیس پرخون کے خصائل کا بیان کرنے کے لئے جو معلومات درکار ہیں اُتنے پر ہم حاوی نہیں ہیں، اور پرھوس کا ذکر متعاقب کیا جائے گا۔

جمہوریت پسند مدبروں میں ہم یہاں صرف ایتھنزیوں کا شمار کرسکتے ہیں[۱۱]۔ ڈیموس تھنیس اور فوکیون کا اس عہد سے کوئی تعلق نہیں اس لئے کہ ان دونوں کی زندگی کے صرف آخری ایام اس عہد میں آتے ہیں، اور یہی کیفیت ہی پریدیس کی ہے۔ بلاشبہہ دیماڈیس جنگ خئیرونیہ تک سیاسیات کی صف اوّل میں نہیں آتا، لیکن اس کے بعد وہ نسبتہً گمنام زندگی بسر کرنے کے بعد تماشاگاہ سے غائب ہو جاتا ہے۔ ڈیموس تھنیس کا بھتیجا ڈیموخاریس کا نام آجتک اس توصیفی تحریک کی وجہ سے جو اس کے بیٹے لاخیس نے کی تھی، اُس وقت تک محو نہیں ہوا۔ اس تحریک میں اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اُس نے صرف جمہوریہ کی خدمت کی، اور ساتھ ہی کمال سادگی سے اس کا بھی اعادہ کیا گیا ہے کہ اُس نے ایتھنز کے لئے شاہان مقدونیہ سے روپیہ حاصل کیا۔ تمائیوس نے اس کی بُرائی اور پولی بیوس نے اُس کی تعریف کی ہے، لیکن موخرالذکر کی تعریف کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ اُس کی موافقت میں اُسے کسی خاص واقعے کا علم ہوگا۔

ایتھنزیوں اور دیمتریوس کی باہمی جنگ کے دوران میں لاخاریس نے اپنے آپ کو خودسر بنالیا تھا لیکن جو الزامات اُس کے سر تھوپے جاتے ہیں اُن کا وہ ہمارے نزدیک مستحق نہیں تھا۔ بلاشبہہ اُسپر خزانے کی چوری کا الزام لگایا جاتا ہے، لیکن اس کے برعکس یہ بھی واقعہ ہے کہ اُسنے محصور شہر میں مسلسل نادہی کیفیت قائم رکھی اور زمانۂ قحط میں موٹا کھایا، جس کی

---

[۱۱] جمہوری مدبر، ہرمان ٹومزرج ۵ ۱۳ - فون ولاموویتز ۸۹ ۱ میں بہت اچھا بیان ملیگا۔ پولی بیوس نے ۶، ۱۲، ۱۳ میں جو ڈیموخاریس کو سراہا ہے اُس سے اُسکی مدبرانہ صفات پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

باب ۳۲

وجہ سے اُس کی تعریف کرنا حق بحقدار رسید کا مصداق ہوگا۔

دیمتریوس ساکن فالیروم کو مدبر کہنا درست نہیں، بلکہ وہ دراصل ایک عالم اور دُنیادار شخص تھا جسنے ایتھنز کے انتظام کے زمانے میں اپنی قابلیت کا سکّہ جما دیا تھا۔

عورتوں میں[۱۱۲] سب سے پہلے شاہی خاندان کی خاتونوں کا شمار

[۱۱۳] خواتین خانوادۂ شاہی:-

امین تاس

پرد کاس سوم تا سنہ ۳۵۹ ق م — امین تاس = کی نانے — یوریدیس = فیلقوس ارھی دائیوس

فیلقوس تا سنہ ۳۳۶ ق م = (۱) اولمپیاس — سکندر = روشنک، کلیوپاترا = سکندر والی آپیائروس

فیلقوس = (۲) (زوجہ ازالیریہ) — کی نانہ = امین تاس

فیلقوس = (۳) (زوجہ لاریسہ) — فیلقوس ارھی دائیوس = یوری دیس

فیلقوس = (۴) (زوجہ فیرا) — تھسالونیکے = کاساندر

باب ۳
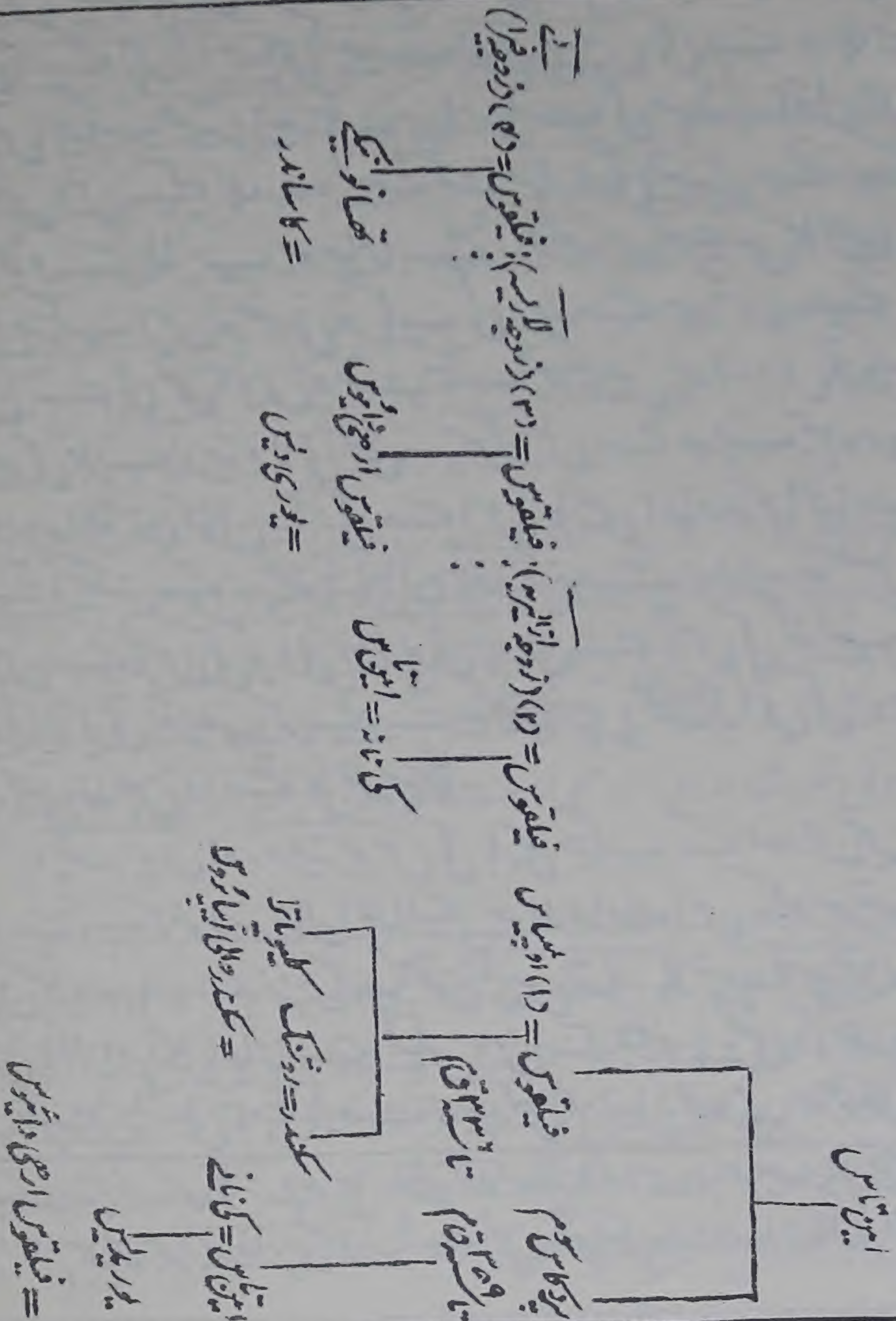
کیا جائے گا، اور ان میں پہلا نمبر اُس شیطان صفت ملکہ اولمپیاس کا ہے۔ اس ملکہ کو اپنی زندگی میں، بچپن سے موت تک کیا کیا تجربے نہ ہوئے ہوں گے! اُس کا شوہر اُس سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے، پھر اُس کے بیٹے کی لاثانی کامیابیوں کی ابتدا ہوتی ہے، جس سے اولمپیاس کو اس وجہ سے کوئی خاص مسرت نہیں ہوتی کہ وہ خود مقدونیہ پر حکومت کرنا چاہتی تھی اور ظاہر ہے کہ یہ انتی پاتر کو پسند نہیں تھا۔ پھر سکندر اپنی نوجوانی ہی میں مرجاتا ہے، جس سے اولمپیاس کی سب خوشیوں پر گویا پانی پھر جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے میکے یعنی ایپائروس چلی جاتی ہے، لیکن وہاں قیام کرنیکی بجائے وہ پھر واپس مقدونیہ آکر یہاں مظالم کی بوچھار کرتی ہے، اور آخر کار نہایت ہی بھیانک طریقے سے ماری جاتی ہے۔ وہ ایک ایسی ہستی ہے جس کے سامنے تنقید کا منھ بالکل بند ہو جاتا ہے۔

اولمپیاس کی سی جبلت بہت کینانہ اور یوریدیس میں بھی تھی۔ ان عورتوں کی بابت اس کتاب کے پہلے باب میں کافی لکھا جا چکا ہے۔ کینانہ ایک دلیر، قدآور عورت تھی، چنانچہ جب الیریہ کیساتھ جنگ ہوئی تو اُس نے ملکہ الیریہ کو، جو لڑائی میں شریک تھی خود اپنے ہاتھ سے تہ تیغ کیا۔ الکے تاس برادر پردکاس کو ایسے مقدونوی مشکل سے مل سکتے تھے جو فیلقوس کی بیٹی پر وار کرنے پر راضی ہوتے۔ کینانہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ڈروائے سن (۲، ۲، ۲۰۷) کہتا ہے کہ جب اماسترسس نے لیزی ماخوس سے نکاح کیا ہے اُس وقت وہ "بزرگی" کی حد کو پہنچ گئی تھی لیکن اس کے باوجود اُس نے بادشاہ کو "شیشے میں اُتار لیا"۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ہوشیار بادشاہ کو تو مالدار شہر ہرقلیہ نے شیشے میں اُتارا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اُس زمانے کے فرمانرواؤں کو آجکل صرف اعلیٰ خصائل کا حامل ہی نہیں بلکہ اس قدر جذبات والا سمجھا جاتا ہے کہ انھیں راٹین کے دردیوں کے اشخاص سے مطابقت دی جاتی ہے۔

باب ۳

اور اُس کی بیٹی یوریدیس کے مابین، جس نے نیم مجنوں بادشاہ کیساتھ تعلق کر کے سیاسی اثر پیدا کیا، بہت کچھ مماثلت پائی جاتی ہے۔

کھسالونیکے، جو فیلقوس کی فیرائے والی بیوی کے بطن سے پیدا ہوئی تھی، کاساندر کی ملکہ بنی۔ کاساندر نے یہ رشتہ اس لئے پیدا کیا کہ اُس کے خیال کے مطابق اُس کی وجہ سے مقدونوی اُسکی عزت کرنے لگیں گے۔ اس ملکہ نے تھرما کا نام بدل کر اپنے نام پر تھسالونیکا رکھا جو اب سالونیکا کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کے زمانے میں جو باہمی تنازعات ہوئے اُن سب میں اُس نے حصہ لیا، اور چونکہ اُس کے بیٹے انتی پاتر کو یہ پسند نہ تھا کہ وہ اُس کے بھائی سکندر کی ہم نوائی کرے اس لئے اُس نے اپنی ماں پر ہاتھ صاف کیا اور اُسے جان سے مار ڈالا۔

اس سے ذرا پہلے، یعنی ۳۰۸ ق م میں فیلقوس کی ایک دوسری بیٹی کلیوپاترا کا (جو اولمپیاس کی بیٹی تھی) خاتمہ ہو چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اپنی ماں کے بہیمی جذبات میں سے بہت زیادہ ورثے میں ملے ہوں گے، اس لئے کہ جب وہ اپنے ماموں سکندر والیٔ ایپائروس کی بیوہ ہوئی، اور لیوناتوس و پرڈکاس دونوں کی قبل از وقت موت کی وجہ سے نکاح نہ کر سکنے کی وجہ سے اپنی دیرینہ خواہش پوری نہ کر سکی تو لیزی ماخوس و کاساندر کے نکاح کے پیاموں کو ٹھکرا کر وہ سارڈس چلی گئی تاکہ اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام وہیں گزار دے۔ وہاں اُسے خیال پیدا ہوا کہ بطلیموس کیساتھ نکاح کرنا چاہیئے، لیکن قبل اس کے کہ وہ ایسا کر سکے، انتی گونوس نے (حسب تفصیل بالا) اُسے مُلکِ عدم پہنچا دیا۔

ہمیں روشنک کی بابت جو کچھ کہنا تھا ہم اس سے پہلے ہی کہہ چکے ہیں۔

فیلہ دختر انتی پاتر کے حالات سے انسانی دلچسپی موجزن ہوتی ہے۔

باب ۳۷

اُس نے پہلے کراتیروس اور اُس کے بعد پولیورکی تیس سے شادی کی۔ اُس نے اپنے ممتاز شوہر کی بے شمار لغزشوں کو نظر انداز کر دیا اور جب اُس نے دیکھا کہ وہ اپنا پرانا رتبہ قائم نہیں رکھ سکا تو ۲۸۶ ق م میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس واقعے سے ایک سال بعد دیمتریوس اسی فیلہ کی بھانجی بطلیمائس کے ساتھ جو بطلیموس اور یوریدیس کی بیٹی ہے، بصد تزک و احتشام نکاح کر لیتا ہے، اور اس شان و شوکت سے اُس عہد و نیز اس شخص کے خصائص کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ فیلہ اور دیمتریوس کا بیٹا وہ عقلمند اور قابل انتی گونوس گوناتاس تھا جس نے بعد میں تاریخ یونان میں نام پیدا کیا؛ اور کراتیروس کے نطفے سے اُس کے جو بیٹا ہوا وہ مورخ کراتیروس ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ارسی نوئے جو بطلیموس اوّل کی بیٹی تھی، نہایت ہوشیار اور سازشی طبیعت کی عورت ہوگی۔ اسکی شادی لیزی ماخوس سے ہوئی تھی۔ اُس نے اپنے سوتیلے بھائی کیرانوس سے مل کر اپنے سوتیلے بیٹے اگاتھوکلیس کو مار ڈالا اور اس کے بعد خود اپنے بھائی کیرانوس سے نکاح کر کے اُسے تیر کر دیا تا آنکہ اسنے خود اُس کے بچوں کو جان سے مار ڈالا۔ اس وقت تک اُس نے اس کا کافی ثبوت دیا تھا کہ وہ سازشوں کے معاملے میں یکتا ہے، لیکن اپنی زندگی کے آخری ایام میں اُس نے اپنی دور اندیشی کا بھی ثبوت دے دیا۔ وہ مصر گئی اور وہاں اپنے حقیقی بھائی بطلیموس دوم کی بیوی بن کر اُس پر پورا قابو حاصل کر لیا۔* اس عورت کا حقیقی تعلق زمانہ مابعد سے ہے۔

* [خدا جانے حقیقی بھائی کی بیوی بننا کس حد تک دور اندیشی پر دلالت کرتا ہے! مترجم اردو]

باب ۱۔

کراتے سی پولس، جو پولیس پرخون کے بیٹے سکندر کی بیوی تھی، بڑی تنومند اور زبردست عورت تھی۔ جب اس کا شوہر ۳۱۴ ق م میں قتل ہوا، اور شہر سکیون، جو اُس کے قلمرو میں شامل تھا، باغی ہو گیا، تو وہ خود ایک فوج لے کر گئی اور باغیوں کو شکست دے کر ان میں سے تیس کو سولی دے دی۔ اس کے بعد اُس نے باترے کو اپنا مسکن بنالیا۔ ایک مرتبہ اُس کے ساتھ ملاقات کے دوران میں دیمیتریوس گرفتار ہونے سے بال بال بچ گیا۔

اماسترس ایک معزز ایرانی بیگم تھی جس کی شادی سپاہیوں کی اُس عظیم الشان مجلس مناکحت میں کراتیروس کے ساتھ ہوئی تھی جو سکندر اعظم نے منعقد کی تھی۔ کچھ مدت کے بعد کراتیروس نے اُسے دیونی سیوس والیٔ ہرقلیہ کے حوالے کر دیا، اور اس جدید معاقدے کی وجہ سے اُس کا رتبہ اتنا بڑھا کہ گو وہ صرف چھوٹے ہی سے رقبے پر حکومت کرتا تھا، لیکن اُسے بجائے خود سر کے لقب شاہی اختیار کرنے کی ہمت ہو گئی۔ دیونی سیوس کی موت کے بعد سن رسیدہ اماسترس نے لیزی ماخوس کے ساتھ نکاح کر لیا، اور اپنے شوہر کے دل میں گھر پیدا کر لیا۔ لیکن باوجود اس عزت کے جو لیزی ماخوس اپنی نئی منکوحہ کی کرتا تھا، ان دونوں نے ایک دوسرے سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور لیزی ماخوس نے ارسی نوئے سے نکاح کر لیا، جس کے بعد اماسترس ہرقلیہ چلی گئی جہاں بالآخر خود اُسی کے دو بیٹوں یعنی کلیارخوس اور اوکسفریس نے اُسے جان سے مار ڈالا۔ جب لیزی ماخوس نے اس واقعے کو سنا تو اُس نے پلٹ کر ان دونوں مادر کشوں کو قتل کر دیا۔ اس ایرانی خاتون کی پرورش آزادی کی فضا میں نہیں ہوئی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ اُسے اپنی دو طلاقوں کو نہایت خاموشی کے ساتھ برداشت کیا۔ اسکے برعکس روشنک کہ جس کا نشو و نما بختاریہ کے پہاڑی قلعوں میں ہوا تھا،

اپنی مدد خود کرتی آتی تھی، چنانچہ اُس نے اپنی سوکن یعنی سکندر کی دوسری بیوی کا خاتمہ کر کے ہی آرام لیا۔

اگر ہم اُس عہد کے متعلق صحیح اندازہ لگانے کے لئے واقعات متذکرۂ بالا سے نتائج اخذ کرنا چاہیں، تو نظر غائر دوڑانے سے معلوم ہو گا کہ اس میں بڑے بڑے تضاد و تبائن موجود ہیں، اور گھپ اندھیرے کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں روشنی کی جھلک بھی معلوم دیتی ہے۔ تاریکی اور نکبت تو ہر چار طرف چھائی ہی ہوئی ہے۔ جہاں ذاتی اغراض آجاتے ہیں وہاں دوسروں کی جان کی مطلق پروا نہیں کی جاتی۔ اگر اس عہد کے بہترین اشخاص کے کرتوت ایسے ہوں تو بدترین کا تو کیا ہی ذکر ہے! ممکن ہے کہ انتی گونوس نے کچھ سوچنے کے بعد سیاسی ضرورت کی وجہ سے اپنے قیدی یومنیس کا خاتمہ کر دیا ہو، لیکن سارد س میں کلیوپاترا کے قتل کی مطلق ضرورت نہیں تھی۔ بطلیموس نے نکوکلیس شاہزادہ سارد س اور بطلیموس برادرزادہ انتی گونوس کو خودکشی پر اس لئے مجبور کیا کہ اُس کے نزدیک یہ علم بغاوت بلند کرنا چاہتے تھے۔ خود سلیوکوس نے پردِکاس کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے۔ ایولودوروس ساکن کاساندریہ ایک ظالم و سفاک خود سر کی مثال پیش کرتا ہے۔ ارگی راس پد اسے کے طرزِ عمل سے جنھوں نے یومنیس کو صرف اپنے اطمینانِ خاطر کی وجہ سے اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیا، انتہائی دغابازی کی مثال معلوم ہوتی ہے۔ اس عہد کا تاریک ترین پہلو یہ ہے کہ والدین اولاد کے اور اولاد والدین کی دشمن نظر آتے ہیں۔ لیزی ماخوس اپنے بیٹے اگاتھوکلیس کو جان سے مار ڈالتا ہے، کلیارخوس اور اوکساتھریس ساکنان ہرقلیہ اپنی حقیقی ماں اماسترس کا خاتمہ کر دیتے ہیں، انتی پاتر شاہ مقدونیہ اپنی ماں تھسالونیکے کو ملک عدم پہنچاتا ہے۔ بہیمی جذبات کے اس اندوہناک

مظاہرے کا خوش آئند تباین انتی گونوس کے اہل خاندان کے باہمی تعلقات سے نظر آتا ہے۔ اُس کے اور دیمتریوس کے درمیان مکمّل اعتماد ہے اور باپ اپنے بیٹے پر پورا اعتبار کرتا ہے۔ جنگ ایپسوس میں اپنی موت سے چند لمحے قبل تک اسے اسکا یقین ہے کہ اُس کا بیٹا اُسے دشمن کے نرغے سے نکال لے گا۔ دیمتریوس اس کے لئے ہمیشہ تیّار رہتا ہے کہ جو کچھ بھی وہ کرے اپنے باپ کے حکم کے مطابق کرے اور خود اپنی ذاتی غرض مطلب کی پروا نہیں کرتا۔ اسی طرح سلیوکوس اور اپنے بیٹے انطاکوس کے درمیان بھی پورا اعتبار و اعتماد تھا۔ اس کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے، جس میں وثنیات کی جھلک معلوم ہوتی ہے کہ جب انطاکوس بیمار ہوا تو حکیم ایرازسترالوس نے یہ تشخیص کی کہ اُس کے مرض کا اصلی باعث اُس کا اپنی سوتیلی ماں ستراتونیس کے ساتھ عشق ہے، جو دیمتریوس و فیلہ کی بیٹی تھی۔ جب اُس نے سلیوکوس سے یہ حال بیان کیا تو اُس نے فوراً اپنی بیوی کو اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا اور ساتھ ہی اُسے اپنی سلطنت کے مشرقی حصّے کا صوبہ دار بنا دیا۔[۱] مقدونیہ، شام اور مصر کی تاریخ میں ایسے اتفاق و اتحاد کی مثالیں کم نظر آتی ہیں ※ یہاں بھی مطلق العنانی کے بُرے نتیجے پیدا ہوتے ہیں، اور آخر میں ان خاندانوں کا اور بی تھینیہ، کاپادوسیہ اور پونتوس کے حکمرانوں کا جو حشر ہوتا ہے اس کے وہ اپنی انتہائی خود غرضی اور بد اخلاقی کی وجہ سے

---

۱ سلیوکوس و انطاکوس Sus ۱۹۹۔ ۷ ۔ پرسی گارڈنر: "ابواب جدید" صفحہ ۴۵۴ -

※ [لیکن کیا ایسا اتّفاق قابل رشک ہے، جس کے تحت باپ اپنی بیوی کو اپنے بیٹے کے حوالے کر دے! مترجم اُردو] -

پورے طور پر مستحق تھے۔ صرف پرگامُم ہی ایسی سلطنت ہے جہاں کے حکمرانوں میں یونانی خون کافی مقدار میں دوڑتا تھا اور جہاں کے فرمانرواؤں کا طرزِ عمل ان بربری ریاستوں سے ذرا بہتر ہے۔

اُس تاریک عہد کی تاریخ کا ذرہ زیادہ دل خوش کُن پہلو یہ ہے کہ کم از کم بہتر قسم کے فرماں روا اپنے دشمنوں سے بُرا سلوک روا نہیں رکھتے۔ فیلقوس اور سکندر دونوں نے ایتھنز کیساتھ عمدہ برتاؤ کر کے آئندہ کے لئے ایک مثال قائم کر دی تھی۔ انکے جانشینوں میں سے بطلیموس اور دیمتریوس نے برابر یہ سلسلہ قائم رکھا، اور موخرالذکر اپنے باپ کے قدم بقدم چلا۔ ۳۱۲ ق م میں جنگ غازہ کے بعد بطلیموس نے قیدیوں، خدمتگاروں اور گرفتار شدہ اسباب کو دیمتریوس کے پاس یہ کہہ کر واپس بھیج دیا کہ نوجوان سپہ سالار نے جو ہمت و جرأت دکھائی ہے اُس کی مبارکباد دینا اور کہنا یہ سب تمہارا ہے اس لئے تم ہی کو مبارک ہو؛ اور اسی سال میں جنگ میوس کے بعد، جس میں دیمتریوس کو فتح ہوئی تھی؛ اُس نے یہی سلوک بطلیموس والوں کے ساتھ کیا، اور سپہ سالار کلیس کو، جب اُس نے گرفتار کر لیا تھا، شاہ مصر کے پاس واپس کر دیا۔ اسی طرح محاصرۂ رھوڈز کے وقت فریقین نے ایک دوسرے کا بیحد خیال رکھا، اور ایک طرف تو رھوڈزیوں نے انتی گونوس اور دیمتریوس کے مجسموں کو ویسا کا ویسا ہی رہنے دیا اور دوسری جانب دیمتریوس نے رھوڈزیوں کو سلام کہلوایا اور ہیلے پونس اُنکیں تحفتہً نذر کر دیا۔ اسی قسم کے خیال کی ایک دوسری مثال یہ بھی ہے کہ رھوڈز کا وہ حصہ، جس میں پروتوگیس نامی نقاش رہتا تھا، صرف اسی کی وجہ سے نذرِ آتش نہیں کیا گیا، حالانکہ اُس کا جلا دینا محاصرہ کرنے والوں کے مفید مطلب ہوتا۔

مناکحت کے مسئلے میں فرمانروا فیلقوس کا اتباع کرکے جتنی چاہے شادیاں کرتے ہیں؛ فرق صرف اتنا ہے کہ جہاں فیلقوس صرف اپنی ذاتی خواہش سے عورتوں کو محل میں داخل کرتا تھا وہاں سکندر کے جانشین سیاسی اغراض بھی ملحوظ رکھتے ہیں، اور کبھی خانوادۂ شاہی سے کبھی دوسرے دیادوخیوں کے خاندانوں سے سلسلۂ مناکحت قائم کرتے ہیں۔ یہ معاقدے دراصل باہمی تعلقات کا گویا مظاہرہ ہیں، اور وہ صرف اُسی وقت تک باقی رہتی ہیں جب تک تعلقات اچھے رہتے ہیں، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شاہزادیاں اپنے شوہروں اور سسرالیوں کو برابر تبدیل کرتی رہتی ہیں، اور اپنی قسمت اچھی سمجھتی ہیں اگر شکررنجی کی صورت میں اُنھیں طلاق ہی دیجائے، جان سے نہ مارا جائے۔ دیمتریوس پولیورکی تیس نے جو شادیاں کیں وہ محض اس لئے کہ وہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سوتیلے بھائی بہنوں میں اکثر نقیض رہتے ہیں۔ رہا بہن بھائیوں کی باہمی مناکحت کا مسئلہ، تو اس کی مثالیں قدیم مصر کی تاریخ میں بھی ملتی ہیں *

یورپ اور ایشیا دونوں کی سلطنتوں کی افواج میں اجیر سپاہیوں کی اہمیت بڑھتی جاتی ہے[۱۵]، اور صورت حال تقریباً

* تعجب ہے کہ فاضل مصنف نے ایسی کریہ رسم کو جس کے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اس طرح سرسری طور پر بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے [مترجم اردو]

۱۵ مقدونوی فوج۔ مسلح قوم کی سکندر کے زمانے میں بڑی اہمیت تھی اور نہ صرف وہ بادشاہ کی پشت پناہ تھی بلکہ اُس کا بادشاہ پر اثر بھی تھا، اُسنے بادشاہ کو واپسی پر مجبور کیا، مقدونیوں کو یک جدّی تسلیم کرایا، اور پرانے سپاہیوں کو واپسی کی اجازت دلوائی۔ سکندر اعظم کی موت کے بعد بھی صورت حال میں مدّت دراز تک تبدیلی نہیں ہوئی، اور فوج بادشاہ کی

وہی ہوتی جاتی ہے جو سکندر سے پہلے تھی۔ پھر بحری قزاقی عام ہے۔ باب ۳

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ پشت و پناہ بنی رہی، لیکن بعض مرتبہ اُس کی آقا بھی بنجاتی تھی۔ وہی تھی جس نے ارھی دایوس کو تخت پر بٹھایا، جس نے پردکاس کی خواہش کے خلاف بطلیموس کو بری کیا، جس نے پردکاس کے قتل کی تائید کی؛ یومنیس قریب کی سب چالیں چل کر ہی اُس پر حاوی ہو سکا، مگر بہت ہی جلد وہ اُس سے باغی ہو گئی۔ لیکن ارگی راس پدے کے متکبرانہ برتاؤ سے فرماں رواؤں کو یقین ہو گیا کہ آئندہ اُن کے لئے مقدونوی سپاہیوں پر زیادہ انحصار کرنا ٹھیک نہیں۔ پھر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جتنے غاصب فرماں روا تھے اُن کے دعاوی کی حیثیت بالکل مساوی تھی، اور خود مقدونیہ میں فوج کبھی ایک کی پشت پناہی کرتی تھی کبھی دوسرے کی، چنانچہ دیادوخی اس نتیجے پر پہنچے کہ اُن کے لئے اجیر سپاہی بھی وقت پر کام آسکتے ہیں۔ حقیقی تناسب یہ تھا کہ "عمومی بادشاہ: عمومی فوج:: غاصب فرماں روا: اجیر سپاہی" بدیں اسباب قومی فوج کی اہمیت مقدونیہ میں بہت کم ہو جاتی ہے، اور خود انتی گونوس کے جانشینوں کا بھی اپنی بیرونی مہمات میں اجیر سپاہیوں پر ہی دار و مدار ہے۔

اجیر سپاہیوں میں ہر ایک نسل کے افراد موجود تھے۔ یونانیوں میں سب سے زیادہ اجیر سپاہی کریٹ اور ایتولیہ کے تھے، اور انھیں میں سے اجیروں کے اکثر سپہ سالار بھی نکلتے تھے۔ کریٹیوں کے لئے دیکھو پولی بیوس ۸، ۱۸، ۱۴۔ ایتولیوں سے خاصکر مصر میں، اکثر ملاقی ہوتے ہیں۔ پھر بربری اقوام کے لوگ مثلاً تھریسی (پولی بیوس ۵، ۶۵) اور کیلٹ تھریس اور ایشیا سے آتے تھے مقابلہ کرو ل، شیوالیر: "یونانی اجیر سپاہی" L. Chevalier: Die griech Soeldnerheeie پسٹ و پراگ، ۱۸۶۰ء۔ اجیر سپاہیوں اور اُن کے مالکوں کے باہمی تعلقات کے لئے دیکھو وہ دلچسپ نوشتہ جو فرینکل Fraen Kel نمبر ۱۳ میں دیا ہوا ہے۔ نیز مقابلہ کرو پولی بیوس ۱۳۱، ۳۔

انھیں قوموں کے افراد، خصوصاً یونانی، اور یونانیوں میں کریٹی اور

باب۳ | اور یہ قزّاق اور اجیر سپاہی اکثر ایک ہی ہوتے ہیں جو موقع ومحل کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - اینولی بحری قزّاقی میں حصّہ لیتے تھے - وہ "قزّاق" (یا جیسے بعض مرتبہ انھیں موسوم کیا تھا) "پئی راتائی" یا "سمندر پر کوشاں" بنجاتے تھے - اجیر سپاہیوں اور بحری قزّاقی کے باہمی تعلق کے لئے دیکھو استرابو ۱۰، ۱، ۴۷- بے روزگار سپاہی جن کے پاس کچھ روپیہ جمع ہوجاتا تھا، ایک جہاز خرید کر بحری قزّاقی کرنے لگتے اور وقت آنے پر پھر فوج میں بھرتی ہوجاتے پادشاہوں کے بڑے بڑے سپہ سالار ان قزّاقوں کے سردار بن جاتے تھے، جیسے امینیاس جسے پرھوس کے مقابلے کے لئے انتی گونوس نے بھیجا تھا (دِّرواے سن ۳، ۱، ۲۱۲)؛ اُس نے کاساندریہ کے خلاف جو مہم سر کی اس کے لئے دیکھو ڈِرواے سن ۳، ۱، ۱۹۹ - دیکھو باب ۵ - اس واقعے کے لئے کہ مقدونیہ کی طرف سے بھی بحری قزّاقی کو مدد پہنچی - پولیورکرتیس نے ۳۰۵ ق م میں ان قزّاقوں کو رھوڈز کے خلاف روانہ کیا - بطلیموس اوّل نے بھی انطاکوس اوّل کے خلاف بحری قزّاقوں سے کام لیا؛ پئوسانیاس، ۱، ۷ - فیلقوس پنجم شاہ مقدونیہ کا دوست دیمتریوس ساکن فاروس بحری قزّاقی کرتا ہے؛ پولی بیوس، ۴، ۱۶، ۱۹ - قزّاقوں کا سردار نکاندر انطاکوس سوم کے امیرالبحر پولیکسینیداس کی سرکردگی میں رھوڈزیوں سے لڑتا ہے؛ لیوی ۷، ۳۷، ۱۱ - مقابلہ کرو شٹائن: "بحری قزّاقی زمانۂ قدیمہ میں" Stein: Ueber Piraterie im Alterthum ۱۸۹۱ء، اور گومپارِیتی: "گورتینا کے قوانین کی" Comparetti: Commentary on the laws of Gortyna جدول ۲۲۵، لنچائی کی مجلس علمیہ کی مجلد عماراتِ قدیمہ، جلد ۳ Monumenti antichi die Accad. dei Lincei An. V. Kar بعض مملکتیں اور افراد دوسرے کاروبار کے طور پر بحری قزّاقی کرتی ہیں - اینولی، پولی بیوس ۴، ۶، جہاں حال کے زمانے کے ان بحر قزّاقوں سے مماثلت پائی جاتی ہے - جو اپنی مملکتوں کے اشارے سے بحری قزّاقی کرتے پھرتے ہوں - فیلقوس کی

کے اعتبار سے اپنا پیشہ بدلتے رہتے ہیں۔
یہ عجیب وغریب بات ہے کہ وحدت سلطنت کی آخری
نشانی یہ ہے کہ بہت سے قلعوں میں خزانہ جمع ہے، جسے متحد
سلطنت کی مِلک سمجھا تا ہے اور جسے بادشاہ بننے کے بعد
بھی مختلف سپہ سالار ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ ان قلعوں میں ایک
کیندا بھی تھا جو کلیکیہ میں واقع تھا۔ اس میں ۳۰۲ ق م تک

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بحری قزاقی جلد ۳، باب ۱۵، حاشیہ ۷۔ اگاتھوکلیس
اقوام یا فی گی اور پیوکستی سے بحری قزاقی کے لئے محالفہ کر لیتا ہے۔
دیودوروس ۲۱، ۴۔ نابس ساکن اسپارٹا؛ پولی بیوس ۱۳، ۸ فیلقوس
۵؛ پولی بیوس ۱۸، ۴، ۵۴؛ فیلقوس پنجم نے تو یہ ہمت کی تھی کہ "بدکاری"
اور "مخالفت قانون" کے نام پر قربان گاہیں بنائیں، اور اُدھر اُسکے
آقا نے اعلان کیا کہ میں صرف دیوتاؤں سے ڈرتا ہوں! دیکھو باب ۶،
حاشیہ ۴۔
تیسری صدی ق م میں ایشیائے کوچک کا جنوبی ساحل، جو بعد میں بحری قزاقی
کا آماجگاہ بن جاتا ہے، اس قدر پیش پیش نہیں ہے، اس لئے کہ مصر کی
بڑھتی ہوئی طاقت نے انھیں زیادہ نقصان نہیں پہنچانے دیا۔ نیز
رومنوں اور انطاکوس کے درمیان جو صلح نامہ ہوا تھا اس کے نتائج کیلئے
دیکھو ابواب ۱۷ و ۱۹، حاشیہ ۱۰۔
ہمارے زمانے میں بحری قزاقی کے آزاد شہروں کے اخلاق پر جو بُرا اثر پڑا
اُسمیں مبالغہ کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ اجیر سپاہیوں کے سردار شاہی درباروں
میں ٹھسک سے چلتے تھے اور اجیر سپاہی شہروں میں چکر لگاتے تھے،
لیکن ہمارے نزدیک آزاد بلدیات کی حالت جداگانہ تھی؛ اور ایتھنز میں تو جہاں ذہنی
ارتفاع کی بہت قدر کیجاتی تھی، انکا سامنے پڑنا بھی مشکل تھا۔ یہی کیفیت رھوڈز کی تھی جہاں لوگ
بیرونی تزئین کے خواہاں تھے۔ ایتولی اور کریتی بہت کچھ مال غنیمت اپنے ساتھ گھر لاتے تھے۔

باب ۳

خزانہ موجود تھا جس کے باقی ۱۲۰۰ تالنٹ پر سنہ ۳ ق م میں دیمیتریوس قبضہ کر لیتا ہے۔ اس زمانے میں ہر شخص روپیہ جمع کرتا ہے۔ لیزی ماخوس کا خزانہ پرگامم میں تھا، اور ہم دیکھیں گے کہ زمانۂ مابعد میں متھراداتیس نے پونتوس میں ۷۵ جگہ خزانے جمع کئے۔

یادداشت

اس عہد کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہمیں سکندر اور اُسکے جانشینوں کے مابین جو فرق ہے اُسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے؛ نہ سکندر کی بے مثل عظمت کی وجہ سے اُس کے جانشینوں کی طرف غیر معمولی خوبیاں منسوب کرنی چاہئیں نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کے ذریعے سے یونان کو کوئی خاص فائدہ پہنچا۔ سکندر کی ایسی ذات تھی جس نے یونان کے لئے ایک جدید عہد کی بنیاد ڈالی، اور ساتھ ہی ہمارے نزدیک وہ انسانیت کا اچھا خاصا نمونہ تھا؛ اس کے برعکس دیادوخی انانیت پرست تھے جنھوں نے ظاہری امور تک میں اس نمونے کی نقالی کی۔ ہم صرف اسلئے اُنھیں اپنے دماغ میں جگہ دیتے ہیں کہ انھوں نے تمدن کی پشت پناہی کی، بالخصوص سلیوکوسیوں نے یونانی شہری زندگی کو فروغ دیا، جس کی وجہ سے آزادی اور تمدن کو بھی فائدہ پہنچا۔ بطلیموسیوں نے حکمیات کو فروغ دیا، لیکن ان کا رتبہ سلیوکوسیوں سے ذرا کم ہے۔ انتی گونوسیوں کا نمبر سب سے کمتر ہے۔ میں نے جلد ۳ باب ۲۷ میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس قوم یونان کی تاریخ میں جو"

نمایاں طور پر ایک جمہوریت پسند قوم تھی، سکندر کا وہی رتبہ ہے جو بہترین خود سروں کا تھا، اس لئے کہ اپنے اعلیٰ وارفع جوش کے ساتھ اُس نے یونانیوں کو بربریوں کے تفوّق سے نجات دی اور ایک بڑے رقبے میں یونانی تہذیب و تمدّن کو معزز و مفتخر کیا۔ اسی آخری بات پر ہمیں اُس کے جانشینوں پر اپنے حکم کو مبنی کرنا پڑے گا۔ جہاں تک اُنھوں نے ایشیا اور مصر میں یونانی تمدّن کو فروغ پہنچایا۔ وہاں تک ہم اُن کی تعریف کریں گے، لیکن میرے نزدیک یہ امر خارج از بحث ہے کہ اُنھوں نے یونان قدیم کو کسی قسم کا فائدہ پہنچایا ہو۔

باب چہارم

کلٹ قوم کا حملہ

ایشیائے کوچک کے جغرافی خصوصیات اور اُس کی تاریخ

اس معاشرے کو، جس کا واحد مقصد عیش وعشرت اور طلب اقتدار تھا، اور جس کی بنیاد خودغرضی پر تھی، ایک سخت سزا ملنے والی تھی، اور عنقریب مقدونیہ ویونان دونوں پر ایک ایسی قوم حملہ کرنے والی تھی جو مقدونیوں سے بدرجہا سخت گیر تھی۔ لیکن اس حملے کا اثر توقعات کے مطابق نہیں ہوا، طوفان آیا اور نکل گیا، اور یونانی مقدونوی دنیا پھر اپنے پرانے ڈھرے پر چلتی رہی؛ غالوی قبیلوں نے جو حملہ کیا اس سے اُن کو کوئی مستقل نقصان نہیں پہنچا[1]۔

[1] یونان اور ایشیائے کوچک میں کلٹ؛ اسناد: پوسانیاس، ۱، ۴، ۱۰، ۱۹، ۲۳، ۴۲؛ کلٹ یونان میں؛ مقابلہ کرو فون ولاموو تز "انتی گونوس سا کن کا رسیتوس" V. Will. An. V. Kar. ۲۲۳-۱ شمٹ کے نزدیک (جس کے لئے دیکھو عقب)

باب ۷ غالوی یا کلٹی جو یونانیوں اور لاطینیوں کے نسلی بھائی بند تھے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ - پیؤسانیاس کے بیان کے ماخذ اٹیکائی مصنف ہیں جن کے بیانات ممکن ہے کہ اُس تک تمائیوس کے ذریعے سے پہنچے ہوں، اور یہی کیفیت دیودوروس اور جسٹینوس کی بھی ہے - دیودوروس ۲۲، ۴، ۹؛ جسٹینوس ۲۴، ۴/۸؛ ۲۵، ۱، ۲، ۲۴ Prol. جسٹی نوس میں یورپ اور ایشیا کے کلٹوں کا ذکر ہے؛ لیوی ۳۸، ۱۶ میں صرف ایشیائی کلٹوں کا بیان ہے - میم نون ۱۹ (دمیولر ۳، ۵۳۵) میں مُلک کے تینوں قبائل کے مابین تقسیم کا بالکل جداگانہ بیان ہے -

زمانۂ حال کے مؤلف: پاؤلی کی "محیط" جلد ۳ ص ۶۰۲-۶۰۶ میں ہیوشٹارک کا مضمون Galli، جہاں ویرنسڈورف Wernsdorff تیری Thierry وغیرہ کی تصانیف کے اقتباسات دئیے ہوئے ہیں ۱۰- شمٹ "ماخذ قدما برائے بیانات حملہ جات کلٹ"

W. A. Sehmidt : De font. vet. auctor. in enarrandis enped. a Gallis

برلن ۱۸۳۶ء؛ مضامین تاریخ قدیم Abh. z. alten Gesch. - رٹر: جغرافیہ" Ritter: Erdkunde ۸، ۵۹۷/۶۱۰ - ڈرواےسن ۲، ۲، ۳۴۰/۳۵۸؛ ۳، ۱، ۸۵، ۸۶

ڈرواےسن کا خیال ہے کہ حکمرانوں کے باہمی جھگڑوں کے درمیان کلٹ حملہ محض ایک وقفہ سمجھنا چاہیے، چنانچہ وہ اس کے واقعات و نتائج کے ساتھ پورے طور پر انصاف نہیں کرسکتا - ہمارے نزدیک کلٹوں کے ایشیائی حملے کی واقعی اہمیت اُن کے اس سے مشہورتر اور دلچسپ حملۂ اٹلی سے بہت زیادہ ہے - شیوالیر: "غالویوں کا حملہ یونان پر" Chevalier : Die Einælle der Gallier in Griechenland

پراگ ۱۸۶۲ء؛ "ایشیائے کوچک میں غالوی" Gallier in Kleinaseen

پراگ ۱۸۶۳ء - واخسموت: "کلٹوں کی دیلفی کے مقام پر شکست" Waehsmuth : die Niederlage der Kelten vor Delphi جریدۂ تاریخی Histor zaitschreft

باب ۴۔

کچھ صدی پہلے مشرق سے مغرب کی طرف چلے گئے تھے اور وہاں پہنچ کر غالیہ و برطانیہ پر قابض ہو گئے تھے۔ لیکن پانچویں صدی ق م ہی میں اُن کی اکا دکا ٹولیوں نے دوبارہ مشرق کا راستہ اختیار کیا، اور وہاں سے جنوب کی طرف چل دیے۔ ان میں سے بعض تو کوہ الپ کو عبور کر کے وادی پو میں آ گئے اور بعض اس پہاڑ کے شمالی علاقوں کو قطع کر کے دریائے ڈینیوب کے وسطی علاقوں میں پھیل گئے۔ اوّل الذکر گروہ نے سنہ ۳۹۰ ق م میں وسطی اٹلی اور خاص شہر روما کو فتح کرنے کی کوشش کی، لیکن ثانی الذکر گروہ اپنے مساکن سے سو سال بعد تک نہیں چلے، اور جب وہ مشرق کی طرف آئے تو مقدونیہ اور یونان جیسے متمدن ممالک کے لیے نہایت خطرناک ثابت ہوئے۔ اٹلی میں اس قوم کو دو جگہ زک پہنچی تھی، ایک تو سنہ ۲۸۳ ق م میں سنیونیوں کے ہاتھ اور دوسرے جھیل وادی مونیوم کے مقام پر، جہاں

لقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ جریدۂ تاریخی Histor Zeitschrift جلد ۱۰۔ مقابلہ کرو اُن کاغذات کا جو انقرہ و پرگامم کی عمارتوں کے اکتشاف و تفہیم کے بعد منضبط ہوئے ہیں، جن میں سے پرگامم کے متعلقہ کاغذات کے اقتباسات باب ۲۱ میں مذکور ہیں۔ گالاتیہ کے متعلق، مقابلہ کرو خاص کر پرو، گیوم و دیلبے: "گالاتیہ میں آثاری جستجو" Perrot, Guillaume et Delbet: Explor archeol de la Galatie پیرس سنہ ۱۸۶۳ء، ۲ جلد، ہومان و پخشٹائن: "ایشیائے کوچک و شمالی شام میں سیاحت" Humann und Puchstein: Reisen in Kleinas. u. Nordsyrien برلن سنہ ۱۸۹۰ء۔ نیز دیکھو عقب، باب ۱۳، حاشیہ ۴، باب ۲۱ حاشیہ ۴ (سکہ جات الیفی سوس)۔ الیفی سوس کے سلسلے میں کریتوس نے بت خانے کا جو تعلق دکھایا ہے اور سمرنا کی تشبیہ دونوں کو خیال میں رکھنا چاہیئے۔

باب ۴۲

غالوی اور اٹیروری متحد تھے، رومنوں کے ہاتھ، اور جو غالوی وہاں سے بھاگ یونان آئے ہوں گے اُن کی وجہ سے یہاں کے غالویوں کو بہت مدد پہنچی ہوگی۔ جب مشرقی غالویوں کے ساتھ یہ شکست خوردہ اطالوی غالوی بھی مل گئے تو انھیں یہ محسوس ہونے لگا کہ جس ملک میں وہ آباد ہیں وہ اُن کی ضروریات کے لئے نہایت ہی مختصر ہے۔

اٹلی اور جزیرہ نمائے بلقان میں آکر بھی غالویوں کی بےچینی اور جنگ جویانہ خصائل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ گلہ بانی کو کاشتکاری پر ترجیح دیتے تھے، تزک و احتشام اور مال غنیمت کے دل سے شائق تھے، اور جو کچھ ملتا تھا اُسے فوراً ہی خرچ کر دیتے تھے۔ اُن کی تدبیروں میں یونانیوں اور مقدونیوں کی سی ہوشیاری نہیں تھی، اور جب اُن کا غنیم سے مقابلہ ہوتا تھا تو وہ پورے زور کے ساتھ اُس پر حربہ کر بیٹھتے تھے۔ اگر ہم فروسیت کے معنی شجاعت اور حب تزک کے لیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُن کے خصائل میں فروسیانہ عنصر بھی شامل تھا، لیکن ان میں وہ لطیف جذبات بالکل مفقود تھے جو فروسیت کی گویا جان ہیں۔ یہ جزیرہ نمائے بلقان آکر بہت سے مقدونیوں اور ایپائروسیوں، مثلاً دیمتریوس اور پرھوس سے دوچار ہوتے ہیں، اور جب ہم دونوں فریق کا مقابلہ کرتے ہیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں حملہ آوروں کی مبارزیت نہایت ہی ادنیٰ قسم کی تھی۔

سنہ ۳۰۰ ق م ہی میں بلقانی علاقوں میں حرکت شروع ہوگئی تھی، اور کلٹوں نے دریائے مارگوس یا مورادہ کے کناروں پر (جو دریائے ڈینیوب کا معاون ہے) اور زنجیرہ اور بیلوس پر جو ایجئن سے کچھ زیادہ دور نہ تھا، اپنی بستیاں آباد کر لی تھیں۔ لیکن سنہ ۲۸۰ ق م میں وہ اور آگے بڑھے۔ انھوں نے دیکھا کہ یونانی مقدونوی دنیا اپنے

آپس کے جھگڑوں ٹنٹوں کی وجہ سے اپنی تمام تر قوت صرف کر رہی ہے، اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اُن کی جیسی زور دار اور جری قوم آسانی کیساتھ اُن کا خاتمہ کر دے گی۔ یہ سوچ کر وہ جنوبی اور مشرقی سمت کی طرف چل دئیے۔

مقدونیہ و یونان کے کلٹی حملے، اُن کی ترقی، اور ایشیائے کوچک میں اُن کے آباد ہونے کے واقعات کو قدما نے نہایت ناقص انداز سے منضبط کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پاس کسی قدیم مصنّف کے قلم سے نکلی ہوئی ایسی کوئی مسلسل تصنیف نہیں ہے، اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ ہم کسی ایسے شخص سے دوچار نہیں ہوتے جس نے کلٹوں کی مخالفت میں کوئی کار نمایاں انجام دیا ہو اور جس کی سوانح عمری میں اس قوم کے حالات بیان کئے گئے ہوں جب وہ مقدونیہ اور یونان پہنچے تو پرھوس اٹلی میں مصروف پیکار تھا اور ایشیائے کوچک میں آئے تو دیمتریوس کو مرے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے۔ یہ دونوں باتیں اُن کے مفید مطلب تھیں اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ اگر دیمتریوس زندہ ہوتا تو ان بدیسیوں کے کچلنے کا مسئلہ اُس کے لئے اُتنا ہی پسندیدہ ہوتا جیسے رچرڈ "شیر دل" کا مسلمانوں کے خلاف جنگ ہائے صلیبی میں لڑنا۔ باقی جن فرماں رواؤں نے اُن کی واقعی مخالفت کی وہ ایسے بڑے بہادر نہ تھے۔ انتی گونوس گوناتاس نے چند واقعات سے فائدہ اٹھا کر انہیں سے بعض کو ضرور شکست دی؛ ہم اُن کارروائیوں سے واقف نہیں جو انطاکوس سوتر نے اُن کے خلاف کیں، اور اگر اتالوسیوں نے غالویوں کے خلاف شمشیر برہنہ نہ کی ہوتی اور خود علوم و فنون کے عاشق نہ ہوتے تو شائد ان حملہ آوروں کی بابت واحد واقعہ ہمیں یہ معلوم ہوتا کہ وہ زمانہ مابعد میں ایشیائے کوچک کے ایک حصّے پر قابض تھے۔ یونانی جمہوریتوں نے ان کے خلاف جو کچھ

باب ۴۷

جدّ و جہد کی اُس کا پتا ہمیں افسانوں سے لگتا ہے۔ ان سب باتوں سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہمیں غالویوں کے حملۂ یونان کی بابت بہت ہی کم معلومات حاصل ہیں، حالانکہ ایشیائے کوچک میں انھوں نے جس مقام پر نوآبادی قائم کی وہ تاریخ عالم کا ایک نہایت ہی اہم موقع ہے جس کی اہمیت کا اس وقت تک کافی اندازہ نہیں کیا گیا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہمیں معلوم ہے اُس کا پتا مفصلۂ ذیل بیان سے لگے گا۔

۲۷۹ قم میں کلٹوں نے اپنے تھریسی مساکن چھوڑ دئے اور تین ٹولیوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک ٹولی تو کیرے تھریوس کی ماتحتی میں تھریسیوں اور ترائی بالیوں کے خلاف، دوسری برینوس و آکی خوریوس کی سیادت میں مُلک پیونیہ کی طرف اور تیسری بولگیوس کی نگرانی میں مقدونیہ و الیریہ کی جانب چلی۔ ان میں سے اس آخری ٹولی نے کیرانوس کو گرفتار کر دیا اور اُسے قتل کر کے اُسکا سر نیزے پر آویزاں کر دیا۔ اس شخص کی موت سے، جس کا خوف ہر شخص پر طاری تھا، اور باوجود اپنی بد طینتی کے نہایت بہادر مشہور تھا، مقدونیہ میں بڑا بھاری خلفشار پھیل گیا، اور اس کے بعد اس کے مُلک میں کوئی ایسا شخص باقی نہیں رہا جو مُلک کی رہبری کا اہل ہوتا۔ بے حال و بے جان مقدونیہ پر جو کلٹوں کے حملوں کے لئے گویا وقف تھا، کیرانوس کا بھائی میلیاگر، کاساندر کا بھتیجا انتی پاتر، اور سوس تھنیس نامی ایک سپہ سالار نے باری باری سے حکومت کی۔ ۲۷۸ قم میں کلٹوں نے پھر ایک بڑی مہم سر کی۔ ان میں سے ایک حصّے کو لے کر لیونوریوس اور لوتاریوس کی سر کردگی میں مشرق کی طرف چلے، اور اُن کا بیشتر حصّہ برینوس اور اکی خوریوس کی سیادت میں جنوب کا رخ کر کے تھسلی کو تاراج کرتے ہوئے تھرموپلی پہنچا۔ اسی مقام پر یونانیوں نے ان کی کچھ

باب ۴

مدافعت کی، اور افسانوی بیانات کے بموجب یہاں یونانیوں نے جنگ ہائے ایران کے سے شجاعانہ کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ یہاں دشمن نے زرکسز کے حملے کی طرح پہاڑوں پر ہو کر کوچ کرنے سے یونانیوں کو اپنے عقب میں لے لیا اور اسی طرح یونانیوں کو ایک ایتھنزی بیڑے نے بچایا۔ علاوہ ایتھنزیوں، بیوتیوں، فوکسیوں اور کچھ مقدونیوں کے ایتولیوں نے بھی تھرموپلی پر بربری حملہ آوروں کی مدافعت کیلئے کچھ فوج روانہ کی تھی۔ جب سپاہیوں نے سنا کہ خود اُن کے ملک ایتولیہ پر کلٹوں نے حملہ کر کے شہر کالیوم کو تاراج کر دیا ہے، تو وہ اس درے پر سے گھر کی طرف چل دیئے۔ ایتولیوں اور حملہ آوروں کے مابین نہایت ہی گھمسان جنگ ہوئی، چنانچہ جتنے لوگوں نے اس ملک پر حملہ کیا تھا اُس میں سے صرف نصف تعداد بچ کر نکلی۔ برینوس اور اُس کے ساتھیوں نے تھرموپلی سے دیلفی کی راہ لی، لیکن یہاں کے زلزلوں اور زمین کے سمندر میں پھسل جانے کی وجہ سے وہ ہراساں ہو گئے؛ بعض تو قتل ہوئے، اور قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ باقیوں نے ایک روز رات کے وقت پاگل پن کے دورے میں ایک دوسرے کا خاتمہ کر دیا، اور جو اس خون ریزی سے بچ نکلے وہ واپس شمال کیطرف چل دیئے۔ برینوس بھی زخمی ہو گیا تھا، اور چونکہ اُسے اب زندگی کی تمنا نہیں تھی اس لئے اُس نے شراب میں زہر ملا کر پی لیا اور اسطرح اپنی جان دے دی۔ یہ تو وہ قصہ ہے جو یونانیوں میں مشہور تھا، لیکن واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لیٹرے مال غنیمت لے کر تھریس واپس چلے گئے ہوں گے۔

ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس تمام قصے میں ایک طرح کا رزمیہ عنصر پایا جاتا ہے، اور جب ہم غالویوں کی مزید ترقی پر نظر ڈالتے ہیں تو صورت حال بالکل اُسی نوع کی نظر آتی ہے جیسے جنگ ٹروائے کے بعد یونانیوں کی تھی۔ ہمیں اس عہد کی بابت صرف جزوی معلومات

باب۷

حاصل ہیں۔ کہتے ہیں کہ کلٹوں کے گروہ نے بلقان میں ایک سلطنت قائم کی جس کا صدر مقام تیلس تھا؛ ایک دوسرا گروہ تقریبی خرسونیز میں لیزی ماخیہ کے قریب انتی گونوس گوناتاس کے مقابل آیا؛ لیکن وہاں ۲۷۷ق م میں اُسے شکست فاحش ملی۔ اس کارنمایاں کی وجہ سے گوناتاس مقدونیوں میں اس قدر مقبول ہوگیا کہ دوسرے مناسب رہبروں کے فقدان کی حالت میں اُنھوں نے اُسی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ لیکن ہم دیکھیں گے کہ اُس کا یہ زور بہت دن تک قائم نہیں رہا۔[۲] کلٹوں کا میلان اب بھی خانہ بدوشی کی طرف تھا، اور وہ اب پروپونتس اور بوسیفورس میں لیونوروس اور لوتاریوس کی سیادت میں بھرے ہوئے تھے۔ بیزنطہ کو اچھی طرح سے ویران و برباد کر کے اُنھوں نے ایشیا میں جانے کا تہیہ کیا جہاں لوٹ مار کے مواقع اس سے کہیں بہتر تھے۔ اس میں وہ اوّل تو خود اپنی کوشش کی وجہ سے، مگر زیادہ تر نکومدیس شاہ بِتھی نیہ کی مدد سے کامیاب ہوئے۔ نکومدیس اپنے بھائیوں کے ساتھ خانہ جنگی میں مبتلا تھا۔ چنانچہ اُس نے ۲۷۸ق م میں پہلے تو اُن کے ساتھ ایک عہدنامہ کیا اور پھر اُنھیں اپنے مُلک میں بلالیا۔ یہ عہدنامہ میمون میں مذکور ہے، اور اُس کے ذریعے سے فریقین نے یہ طے کیا کہ نکومدیس اور اُس کے جانشینوں سے کلٹوں کی ہمیشہ ہمیشہ دوستی رہیگی، اور اُس کی مرضی کے بدون وہ کسی دوسرے کی ملازمت اختیار نہیں کریں گے، لیکن ضرورت پڑے تو وہ بیزنطہ،

۲ـه لیزی ماخیہ کے مقام پر ۲۷۷ق م میں گوناتاس کی کامیابی؛ جسٹی نوس ۲۵، ۲؛ Diog. La. ۲، ۱۴۱۔ اس کے بعد اُس نے ایسے سکّے ڈھالے جن پر پان دیوتا کی شبیہ تھی؛ امہوف: "سکّہ جات یونان" Imhoof: Mon. Gr. ۱۲۸، حاشیہ ۱، وزنیز: "کنیدوس والا چٹکلہ"، Usener: Epigramn von Knidos ۳۷۔

باب ۴

خالکدون، ہرقلیہ، تیانہ اور کیوس والوں کو مدد پہنچا سکیں گے۔ اس عہد نامے پر سترہ سرداروں نے دستخط کئے۔ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ اس پر عمل ہوتا رہا، اور نہ صرف سلطنت بتھی نیہ قائم رہی بلکہ بہت سے شہر بھی مامون رہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بیز نطہ پر زمانۂ مابعد میں غالویوں نے مظالم ڈھائے، لیکن یہ یوروپی غالوی تھے۔ جو لوگ ایشیا جاکر بسے انھیں دوسری قوموں کی اراضی کو دل بھر کر لوٹ مار کرنے کی اجازت دی گئی اور سال ہا سال انھوں نے اس اجازت سے تا حد امکان فائدہ اٹھایا۔ اسی زمانے میں اُن کے اور اُن کی عورتوں کے آباد ہونے کے لئے انھیں وہ اراضی مل گئی جو بعد میں چل کر گالاتیہ کا حصہ بن گئی، اور انھوں نے اس اراضی کو اپنا مرکز بنا کر چاروں طرف کے ملک پر خوب چھاپے مارے۔ انھوں نے اپنے تین قبیلے بنائے تھے جنھوں نے ایک ایک حصۂ ملک اپنے لئے مختص کر لیا تھا، یعنی ترو کمیوں نے ہیلیس پونٹ، تولستو بوئیوں نے ایونیہ اور تکتوساگیوں نے اندرون ملک کا علاقہ۔ علاوہ ازیں جس نے انھیں نوکر رکھنا چاہا اسکی ملازمت میں یہ شامل ہو گئے، اور انطاکوس ہیئے راکس جیسے حکمرانوں کے کم و بیش آزاد حلیفوں کے طور پر اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں لڑے [۴۳] رفتہ رفتہ

---

[۴۳] کلکٹ سرینہ کے خلاف بطلیموس کو مدد دیتے ہیں، ڈروائے سن ۲۶، ۲۰۰، پرموس اور رائس کے مدمقابل دیمتریوس کی خدمت میں، ڈروائے سن ۳، ۱، ۲۰۳؛ دیمتریوس کے پاس، دیکھو عقب، باب ۹؛ اپولو دوروس ساکن کاساندریہ کے پاس، ڈروائے سن ۳، ۱، ۱۹۹؛ تقریباً ۲۰۰ ق م میں مصر میں، پولی بیوس ۵، ۶۵؛ زمانۂ مابعد میں ایشیائے کوچک کے حکمرانوں کے پاس، رسئے ناش: ''متھرادادتیس''، Reinach: Mithrid- ۲۶۴، ۳۰۸۔ بیز نطہ یوروپی غالویوں کا باجگزار بننے پر مجبور رہتا ہے، دیکھو عقب باب ۱۳۔

باب ۱۲

(خصوصاً شاہان پرگامم کی شکست کی وجہ سے) ان کی چلت پھرت اس علاقے میں محدود ہو گئی جسے اُنھوں نے اپنا مسکن بنا لیا تھا، یا یوں کہو کہ جس کے قبضے کے لئے اُن سے کہا گیا تھا اور جس پر اُن کے قبضے کو ایشیائے کوچک کے فرماں رواؤں، بالخصوص سلیوکوسیوں اور شاہان کاپادوسیہ و پونتوس نے زمانۂ مابعد میں تسلیم کر لیا تھا۔ یہ وہ ملک تھا جو بالائی سنگاریوس اور وسطی ہالیس کے کناروں پر واقع تھا۔ یہ مرتفع تھا، اس میں درختوں کی کمی تھی، جنوبی علاقہ اکثر صحرائی اور زمین نمکین تھی، جو بہ نسبت کاشتکاری کے چراگاہ کے لئے زیادہ موزوں تھی۔ یہاں تولستوبوئی پیسیونوس کے قریب، تکتوساگیس انگورہ کے نواح میں، اور تروکمی مشرق میں تادیوم کے قریب آباد ہو گئے[۴] عام طور پر اُنھیں گالاتی کہتے تھے۔ لیکن زمانۂ مابعد میں رومن اُنھیں غالوہی یونانی کہہ کر پکارنے لگے۔ ہم اس قوم کے سیاسی ادارات کا ذکر تیرھویں باب میں کریں گے۔

اس قوم کی کامیابی کا واقعی سبب اُس کے خصائص ہیں۔ یہ جنوب کی طرف مقدونیہ اور تسلی میں ہو کر جو گزرے تو اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ ان ممالک میں شہروں کی تعداد نسبتہً کم تھی، انھوں نے کیرونوس کو جو شکست دی اور اُسے قتل کیا اس کی وجہ سے اُن سے ہر شخص بے حد خوف کھاتا رہتا تھا اور کوئی مرد ایسا نہ تھا جو کھلے میدان میں اُن سے رزم آزمائی کر سکتا۔ خود وہ کبھی شہروں پر حملہ نہیں کرتے تھے، جس کا اصلی راز یہ تھا کہ خود اپنے بچاؤ کے لئے

---

[۴] تادیوم کے محل وقوع کی بابت میرے نزدیک کیپرٹ اور ریمزے ٹھیک ہیں اور ہرشفیلڈ غلط۔ دیکھو رسے ناش Chron. d'or (۲) ۴ ۹۸۔ پرگامم والے تولستوبوئیوں کو تولستواگی کہتے تھے دیکھو فرینکل: "مکتوبات" Fraenkel: Inschr، صفحہ ۲۴۔

اُن کے پاس لکڑی کی ڈھالوں کے سوائے کچھ نہ تھا۔ ان تمام اسباب کی وجہ سے وہ کھلے میدان پر ٹڈی دل کی طرح چھاگئے لیکن جوں ہی وہ یونان کے شہروں اور پہاڑی زنجیروں تک پہنچے اور بالخصوص جب اُنھیں درۂ تھرموپلی میں ہوکر گزرنے میں دقت پیش آئی تو اُن کی قوت کا بس خاتمہ ہوگیا، اور وہ کوہ ایتہ کے شہر ہرقلیہ پر بھی حملہ نہ کرسکے۔ اُنھوں نے صرف ایک شہر یعنی کالیوم پر قبضہ کیا جو نہایت ہی مختصر آبادی تھی، اور یہاں والوں پر نہایت ہی ظالمانہ برتاؤ کیا، اس لئے کہ اُنھیں اس پہاڑی علاقے میں کھانے کو کچھ نہیں ملا تھا، اور بھوکے بھیڑیوں کی طرح جو کچھ اُن کے سامنے آیا بس اُسی پر ٹوٹ پڑے۔ آخر کار جب اُن کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہا تو وہ شمال کی طرف واپس چلے گئے۔

جزیرہ نمائے بلقان اور ایشیائے کوچک میں کلٹوں کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سب سے پہلے تو بحیثیت ایک قوم کے وہ بڑی بڑی فتوحات کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اس میں وہ ناکام رہتے ہیں اور اُنھیں ایشیائے کوچک کے صرف ایک حصے پر قناعت کرنی پڑتی ہے۔ یہ عہد نہایت مختصر ہے اور تقریباً ۲۷۵ ق م میں ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد ایک طرف تو وہ خود اپنے مُلک کو مرکز بناکر ہر چہار طرف چھاپے مارتے رہتے ہیں اور دوسری جانب غیر ملکی حکمرانوں کی ملازمت میں تھوڑی یا بہت تعداد میں شامل ہوکر اپنی دولت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ہمیں وہ یورپ، افریقہ، ایشیا تینوں براعظموں میں نظر آتے ہیں؛ ہم انھیں پرھوس اور اُس کے دشمن دیمتریوس دونوں کی فوج میں دیکھتے ہیں، اور وہ مقدونیہ وایشیائے کوچک اور مصر تینوں ملکوں کے درباروں

بابۂ

میں دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کی وجہ سے اُنکی تعداد میں روز بروز کمی ہوتی جاتی ہے۔ وہ اکثر غدر کردیتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں تلوار کے گھاٹ اُتار دئے جاتے ہیں۔ اب ان کی تاریخ کا تیسرا دور شروع ہوتا ہے، اور وہ دوسری اور پہلی صدی ق م میں اپنے افروجی اور کاپادوسی حدبوں کے کم و بیش بے چین نواسیوں کے روپ میں نظر آتے ہیں۔ الغرض ان کی اہمیت رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ ایک بات اس وقت تک علی العموم نظرانداز کردی گئی ہے، وہ یہ کہ ان کا محض اس مُلک میں آباد رہنا ہی ایک طرح پر کافی اہم ہے اور یہ اُسی وقت سمجھ میں آسکتا ہے جب ہم ایشیائے کوچک کی ساخت پر غور کریں۔[۵]

[۵] ایشیائے کوچک کی ساخت؛ رٹر: "جغرافیہ" Ritter: Erdkunde ۱۸، ۳/۱ وغیرہ، ۶۱ وغیرہ (جہاں وسطی سطح مرتفع اور اُس میں گزرنے کی مشکلات کا ذکر کیا گیا ہے)۔ رٹر کی دو جلدوں میں وہ تمام مواد جمع کردیا گیا ہے جسکی بابت ۱۸۵۸ء تک معلومات حاصل تھیں، لیکن ان میں مغربی ڈھلاؤ کا ذکر نہیں۔ ان ڈھلاؤں سے بعض کا ذکر رادے کی کتاب: "مملکت لیدیہ اور دنیائے یونان بزمانہ مرمنادیاں" Radet: La Lydie et le monde grec au temps des Mermnades (پیرس، ۱۸۹۳ء) میں تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایشیائے کوچک کے قدیم جغرافئے کے لئے کیپرٹ: "کتاب درسی" Kiepert: Lehrbuch ۸۹ وغیرہ؛ لولنگ کا مضمون اے میولر جلد ۳ میں Lolling in A. Mueller جہاں ادبی حوالے دئے ہوئے ہیں؛ ریمزے: "ایشیائے کوچک کا تاریخی جغرافیہ" Ramsay: Historical Geography of Asia Minor لندن ۱۸۹۰ء۔ دراصل یہ آخری کتاب ایشیائے کوچک کا تاریخی جغرافیہ نہیں بلکہ اس ملک کی جغرافی تحقیقات کا ایک نفیس ذخیرہ ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جو کسی طالب حقیقت کے مطالعے کے لئے

باب ۴

ایشیائے کوچک ایک ایسی سطح مرتفع ہے جس کے چاروں طرف کوہستانی زنجیرے ہیں اور وسط میں ایک میدان ہے، اور اگر اس واقعے کو نظرانداز کر دیا جائے کہ اس کے تین طرف سمندر ہے اور اس کے بہترین اور زرخیز ترین قطعے ساحل کے محاذ میں ہیں تو اس کا مقابلہ سرزمین ایران کے ساتھ کیا جا سکتا ہے

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ بید ضروری ہے؛ لیکن بغیر عمدہ نقشوں کے (جیسے کیپرٹ کے نقشے ہیں) اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ خود ریمزے نے اپنی کتاب میں نقشے دئے ہیں لیکن یہ اس وجہ سے بیکار ہیں کہ ان میں نہ تو خطوط کنٹور ہیں اور نہ زمانۂ حال کے نام۔ اس کتاب کی تعریف کرنا آسان ہے، اس کا مطالعہ مشکل۔ مقابلہ کرو مفصل بیان جو گ۔ ہرشفیلڈ G. Hirschfeld, نے برلن کے ہفتہ وار جریدۂ لسانیات in Ber Phil. Woch ۱۸۹۱ء میں دیا ہے۔ شائد اسی وقت کی وجہ سے ایک چیز پر اس وقت تک غور نہیں کیا گیا وہ یہ کہ ریمزے نے ایک طرف تو ایرانی شاہراہ کی طرف اس قدر توجہ کی ہے لیکن ساتھ ہی ہیروڈوٹس ۵، ۵۲ میں کلیکیہ کے "حدود" کا بالکل غلط اندازہ کیا ہے، اور اسی وجہ سے "راہ شاہی" کے خطوط غلط کھینچے ہیں، جس کی وجہ سے وہ کیپرٹ سے ناقص تر ہے۔ نیز دیکھو متعاقب، باب ۵ حاشیہ ۹۔ مقابلہ کرو "کتابچۂ ایشیائے کوچک ماورائے قفقاز، ایران وغیرہ" جو زیر ادارت میجر جنرل سر چارلس ولسن (لندن، مرے، ۱۸۹۵ء) شائع ہوئی ہے اور جسکی تیاری میں ہوگر تھے اور ریمزے نے تعاون کیا ہے۔ اس کتاب میں جو نفیس نقشے اور دو اشارے دئے ہوئے ہیں اُنکی وجہ سے یہ کتاب ریمزے کی کتاب کا ایک لطیف تتمہ بنجاتی ہے اور اسکی مدد سے یہ آخری کتاب کا آسانی کے ساتھ مطالعہ کیا جا سکتا ہے بدیں سبب میں نے اسکی ضرورت نہیں سمجھی کہ ہر قدیم شہر کے لئے کتابچے کے اقتباسات دوں۔ پہلے اشارے میں تمام قدیم نام دئے ہوئے ہیں اسلئے یہ بیکار ہوتا۔ ہمارے نزدیک اسوقت ایشیائے کوچک کے جغرافیے کے مطالعے کیواسطے سر چارلس ولسن کی کتاب سے بہتر کسی چیز سے مدد نہیں مل سکتی۔

باب ۴

اس کی ابتدا دریائے فرات کے مغرب میں ایک پہاڑی ملک سے ہوتی ہے، جس میں سے مختلف دریا نکل کر تین مختلف سمندروں میں جا گرتے ہیں، یعنی اگامیسس، ہالیس اور ایرس بحیرۂ اسود میں، پیراموس اور ساروس بحیرۂ روم میں، اور بعض ندیاں دریائے فرات کے ذریعے سے بحر ہند میں۔ اس پہاڑی علاقے سے زنجیرۂ انتی توروس شمال و مشرق سے جنوب و مغرب کی طرف ان دو چشموں کے درمیان میں ہو کر جاتا ہے جو مل کر دریائے سارم بن جاتے ہیں۔ انتی توروس کے مغرب میں کوہ توروس آتا ہے جس کا رخ بھی اسی طرح جنوب و مشرق کی طرف کو ہے، اور اس کے بعد یہ مغرب کی طرف گھوم کر حدب ایشیائے کوچک کی جنوبی سرحد بن جاتا ہے۔ اس حدب کے شمالی حصے میں ایک زنجیرہ واقع ہے جس کا کوئی خاص نام نہیں اور جو اتنا بلند بھی نہیں ہے جتنا توروس؛ اسی میں ہو کر وہ دریا نکلتے ہیں جو اندرونی حدب میں ہو کر جاری ہوتے ہیں۔ یہ حدب شمال اور مغرب کی طرف جھکا ہوا ہے جس کے باعث جو دریا شمال کی طرف نہیں بہتے اُن کا رخ مغرب کی جانب ہے۔ یہ فطری طور پر کئی حصوں میں منقسم ہیں جن کے چار بڑے بڑے خطے سمجھنے چاہئیں؛ ایک ذرا بڑا مغرب کی طرف اور تین ذرا چھوٹے چھوٹے مشرق کی جانب۔ یہ تین مفصلۂ ذیل ہیں: اوّل توکاپادوسیہ کی سطح مرتفع، جو قدیم جوالا مکھی کوہ ارگائیوس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، اور جس کا رقبہ تقریباً ۱۵۰ مربع میل اور اوسط اونچائی سطح سمندر سے ۳۸۰۰ فٹ ہے؛ دوسرے اُس کے شمال و مشرق میں میدان ہالیس جو بعد میں کاپادوسیہ اور پونتوس کی سلطنتوں میں منقسم ہو گیا، اور جس کا رقبہ بھی خطۂ اوّل کے برابر اور اونچائی ۲۵۰۰ فٹ ہے؛ تیسرے شمال و مغرب میں گالاتیہ کی سطح مرتفع جو دریائے ہالیس کے مشرق تک جاتی ہے

اور جو ترکمیوں کا مسکن تھا؛ یہ بھی سطح سمندر سے تقریباً ۳۵۰۰ فٹ بلند ہے۔ گالاتیہ کا مغربی حصہ جو دریائے ہالیس کے بائیں جانب ہے، ذرا زیادہ پہاڑی ہے اور یہ چوتھے حدب کے قریب ہی واقع ہے۔ اُس چوتھے خطّے کا رقبہ تقریباً ۷۰۰ مربع میل ہے، اور یہ جنوب و مشرق سے شمال و مغرب کی طرف یعنی کلیکی کی توروس سے تقریباً بتھی نیہ کی سرحد تک ایک طرف اور کوہستان گالاتیہ تک دوسری طرف جاتا ہے، اور اسی میں دریائے سانگاریوس کے بالائی حصّے پر تولستوبولی اور تکتوساگی اقوام کا مسکن تھا۔ اس سطح مرتفع کو اکثر حدب لیکاؤنیہ یا حدب قونیہ ("اکونیوم") کہتے ہیں۔ اس کے مغربی جانب پہاڑوں کا ایک زنجیرہ ہے جو اسے دورقبوں سے علیحدہ کر دیتا ہے، یعنی ایک طرف جنوب میں پسیدیہ اور ازدریہ کی بلند وادیوں سے جن میں عمیق جھیلیں پائی جاتی ہیں، اور دوسری طرف شمال میں میاندر اور ہرموس کے پند ھاروں سے، یعنی اُن حصّوں سے جن کا مدّت دراز تک یونان کے ساتھ گہرا تعلق رہا تھا۔ مشرق میں ٹطہ کی بڑی نمکین جھیل ہے۔ یہ حدب جو سمندر سے اوسطاً ۳۳۰۰ فٹ بلند ہے، بنجر اور بے درخت زمین سے بھرا ہے، اور موسم گرما میں پانی نہ ہونیکی وجہ سے بیابان بنا رہتا ہے، لیکن موسم سرما میں اُس پر مویشی ہی مویشی نظر آتے ہیں۔ مذکورۂ بالا زنجیرے کے دامن میں ایک پرانی کاروانی سڑک شمال و مغرب سے جنوب و مشرق کی طرف جاتی ہے اور کلیکیہ اور لیدیہ کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ یہ سڑک جن علاقوں میں ہو کر گزرتی ہے وہ آباد نہیں اور چونکہ گرمیوں میں پانی کا نشان بھی نہیں ہوتا اس لئے اُس پر ہو کر صرف جاڑوں ہی میں گزر سکتے ہیں۔ لیکن باوجودیکہ یہ آباد نہیں تاہم یہ ناخوشگوار بھی نہیں ہیں اس لئے کہ اُن میں کوئی ایسی فطری رکاوٹیں نہیں ملتیں

باب ۴

جو علی العموم پہاڑی علاقوں میں نظر آتی ہیں۔ ساتھ ہی یہ تنہا مسافر کے لئے خالی از خطرہ بھی نہیں ہے۔ چاروں طرف کا ملک ایک طرح کا صحرا ہے، اور قرب وجوار کے حصوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتا ہے ان قطعوں پر صرف وہی قافلے گزر سکتے ہیں جنھوں نے اپنی حفاظت کا سامان کر لیا ہو، اور صرف وہی سلطنت اُن کی حفاظت کر سکتی ہے جو قوت والی اور ذی اقتدار ہو۔ فتحمند اقوام کے راستے میں یہ خطے حائل ہوتے ہیں اس لئے کہ اُن میں کافی غذا کا بند وبست نہیں ہو سکتا۔ سلطنت ایران یقیناً ایک نہایت قوی سلطنت تھی، لیکن یہ سڑک افروجیہ ولیدیہ کے سرکاری کاموں کے لئے استعمال نہیں کی جاتی تھی، بلکہ سرکاری کار و بار ایک دوسری شمالی سڑک کے ذریعے سے انجام دئے جاتے تھے جو منبع میاندر سے تقریباً خط مستقیم پر پیسی نوس اور انگورہ کو، اور وہاں سے گالاتیہ کی سطح مرتفع میں پیتریہ (بوغاز کوئی) کو، اور وہاں سے مشرقی سمت میں کومانا (پونتوس) کو جاتی تھی۔ اس آخری مقام سے اس کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں، ایک ارمنستان کی طرف جاتی تھی اور دوسری دریائے فرات کی جانب۔ یہ راستہ شمال کی طرف ایشیائے کوچک کے وسطی حصّے کا دور کرتا ہوا اُن مقامات سے ہو کر نکلتا تھا جو نسبتہً آباد تھے۔

اسی ملک کے ایک حصّے پر گالاتائے قابض ہو گئے۔ تمدّن کے پُرانے مراکز، مثلاً پیسی نوس جہاں "اُمّ الآلہہ" کی پوجا کی جاتی تھی، انگورہ و پیتریہ جہاں پہاڑی مجسّمے کندہ تھے، سب کے سب اُن کے قبضے میں آ گئے۔ تیسری صدی ق م کے بیشتر حصّے میں اُن میں اور اُن کے متمدّن ہمسایوں میں آویزش ہوئی۔ ہمارے پاس یہ فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ایونی یونانیوں اور کلیکیہ

باب ۱۴

وشام کے مقدونیوں کے درمیان اُن کے مُلک میں ہوکر امن و اَمان سے آمد و رفت اور رسل و رسائل ممکن تھے؛ لہٰذا ہم حکم لگا سکتے ہیں کہ ایشیا میں جو گالا تائے آباد ہوئے انھیں کی وجہ سے ایشیائے کوچک دو سیاسی حصوں میں منقسم ہو گیا، اور انھیں کی وجہ سے یونانیوں اور مقدونیوں نے جنوبی راستہ اختیار کیا تھا۔ اس جنوبی راستے پر جو شہر آباد ہوئے اُن کے ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان واقعات کے بعد میں آباد کئے گئے ہوں گے، جیسے نیسہ، انطاکیہ، لاؤدیکیہ، اپامیا، یولیہ، فیلومیلیوم، لاؤدیکیہ کاتاکیکومینے وغیرہ، درانحالیکہ شمالی شہروں کے ناموں سے اُن کی قدامت عیاں ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جنوبی شاہراہ کے دونوں طرف شہروں کے آباد ہونے میں بہت مدت لگ گئی ہوگی، اور یہ بھی کہ صدی قیام کے دوران میں صرف مسلح آدمیوں کے بڑے بڑے قافلے ہی اس راستے پر ہوکر امن و امان سے گزر سکتے تھے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا ایشیائے کوچک کی یہ تقسیم عام تہذیب و تمدن کے انتشار کے مطابق تھی یا مخالف۔ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ اُس کے مخالف نہیں تھی۔ خاندان سلیوکوس کے حکمران شہری مملکتوں کو پسند کرتے ہوں گے۔ لیکن امتداد زمانہ سے اُن کا میلان مطلق العنانی کی طرف ہو گیا ہو گا؛ ساتھ ہی ساتھ ان بادشاہوں کو جس قسم کی مشکلات سے دوچار ہونا پڑا اس سے شہری آبادی کو فروغ پہنچا ہو گا۔ ان ریاستوں کے باہمی تعلقات کے ختم ہو جانے کی وجہ سے جو ایشیائے کوچک کے وسط میں واقع تھیں، ان میں سے ہر ایک خود اپنے اُصول کے مطابق ترقی کرنے کے قابل ہو گئی، اور ہم دیکھتے ہیں کہ کاپادوسیہ اور پونتوس میں یونانی قوم امن و امان کے ساتھ ترقی کرتی رہی۔ گالاتائے

کے تعلقات شاہان بتھی نیہ کے ساتھ نہایت اچھے تھے۔ یہ بادشاہ نسلاً تو بربری تھے، لیکن ان میں یونانیت سرایت کئے ہوئے تھی، اور یہ ہمسایہ یونانی شہروں کے ساتھ دوستانہ طریق برتتے تھے، جیسا اُن کے اور گالاتائے کے باہمی عہد نامے کے ذریعے سے ظاہر ہوتا ہے۔ گالاتائے کے آنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اُنھوں نے ایک طرح سے قدیم زمانے کے سب سے اہم بحری راستے کو آزاد کر دیا۔ جب یہ راستہ بطلیموس کیرونوس کے قبضے میں تھا تو یہ خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ اُس کے ذریعے سے ہمسایہ اور بعید یونانی آزاد ریاستوں کو حلقہ بگوش بنایا جائیگا۔ جب یہ ناممکن ہو گیا کہ ایسی بڑی سلطنت قائم کی جائے جنہیں بیزنطہ اور اسکے مقابل کا ایشیائے کوچک کا ساحل دونوں شامل ہوں تو پھر بیزنطہ ہرقلیہ، کیئری کوس اور ابی دوس آزاد رہنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا، اور بحیرۂ اسود کے ساحلوں کیساتھ تجارت کو بھی آزادی ملسکتی تھی گالاتیوں کو عقب کے ملک میں آباد ہونے کی اجازت دے کر اور غالویوں سے جو عہد نامے ہوئے اُن میں تجارتی بلدیات کو شامل کر کے ممکن تھا کہ شاہان بتھی نیہ یہ دعویٰ کر سکیں کہ خواہ غیر شعوری طور پر ہی سہی، اُنھوں نے بہر حال اس نواح میں آزادی کو محفوظ رکھا ہے۔ بجنسہ اسی قسم کے اثرات ساحلی علاقے پر مصری اقتدار کے مستحکم ہونے کے پڑے تھے، اور یہ استحکام بھی غالویوں کے حملۂ ایشیائے کوچک کی وجہ سے ہی ممکن ہو گیا تھا (اس کی بابت مفصلۂ ذیل ذکر متعاقب کیا جائے گا)۔ اس نواح میں بطالسہ مالک نہیں بلکہ ایک طرح پر محافظ و نگران تھے۔ رھوڈز کے ساتھ اُن کے جو تعلّقات تھے اُن کی وجہ سے اس نگرانی کا بلدی آزادی پر بہت اچھا اثر پڑا جو خاص طور پر تجارتی معاملات پر بہت گہرا تھا۔

ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بربری غالوی اسی طرح سے ایشیا میں بند

تھے جیسے کوئی بیرونی نامیاتی یا غیر نامیاتی جوہر کسی زندہ جسم میں چلا جائے اور وہاں بالکلیہ مقید ہو جانے کی وجہ سے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے۔ محبس کا دروازہ کھلا اور قیدی نکلا۔ لیکن انجام کار ین یہ غالوی ایشیائے کوچک کی آبادی کے ساتھ بالکل گھل مل گئے

جس طرح چارلس اعظم کی سلطنت پر نارمنوں، اسلافیوں اور ہنوں نے جو حملے کیے اُن سے ثابت ہو گیا کہ اب اس سلطنت کا در اصل وجود باقی نہیں رہا گو بظاہر یہ سلطنت برابر قائم تھی، اسی طرح سے غالوی حملے کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ اب سلطنت سکندری میں مطلق جان باقی نہیں ہے۔ جب ہم اس خاص پہلو پر غور کرتے ہیں تو یہ بات نہایت قابل لحاظ معلوم ہوتی ہے کہ غالوی حملہ آوروں کو سکندر اعظم کے ملک میں ناکامی نہیں ہوئی بلکہ یونان میں، جو محض دوسرے درجے کا ماتحت ملک بن کر تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ یہ بربری شہروں پر حملہ کرنے کے اہل نہ تھے، لیکن ساتھ ہی اس سے مختلف بلدیات کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ نیز دیمتریوس نے رھوڈز پر جو حملہ کیا اس سے بھی اُن کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ دیمتریوس نے جملہ مروّجہ آلہ جات حرب کو کام میں لاکر اس شہر کو مسخّر کرنے کی کوشش کی، لیکن اس میں وہ صرف اس لئے ناکام ہوا کہ رھوڈز کے شہریوں نے اُس کی مدافعت کی جان توڑ کوشش کی۔ الغرض سکندر کے عہد کے بعد بھی شہری آزادی کے عناصر قدیم اقوام کی حفاظت کی ناقابل شکست ضمانت کے ساتھ ہی یہ اس مملکتی انظم کا ایک اہم جزو بھی بنے رہے جن کی تاریخ سے ہم آئندہ چند صدیوں میں دوچار ہوں گے۔ سکندر کی مہمّات کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ متعدّد مملکتیں قائم ہو گئیں جن پر یونانیت

باب ۷

کا غلبہ تھا، اور جن کا ذہنی اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق تھا۔ ان واقعات کو سمجھنے کے لئے جنھیں ہم تحریر میں لائیں گے اس کی ضرورت ہے کہ ۲۷۵ ق م میں جو اہم مملکتیں نظر آتی ہیں اُن کی بابت معلومات بہم پہنچائیں، چنانچہ یہ معلومات آیندہ باب میں ناظرین کے سامنے پیش کی جائیں گی [۹۶]

---

[۹۶] میں نے کلٹوں کے حملوں اور مہموں اور حکمرانوں کی کامیابیوں کی بابت جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے وہ دوسروں کے نقطۂ نظر سے مختلف ہے۔ حکمرانوں کی کامیابیوں کی بابت ڈرواسے سن حسب ذیل رائے کا اظہار کرتا ہے: "اگر ان جنگلی بہائم سے یونان کو ان حرکات سے بچانا مقصود تھا جو اُن سے ایشیائے کوچک میں سرزد ہوئیں تو پھر اسی کو ایسے طاقتور مقدونیہ کی ضرورت تھی جو اُسے قلعے کی طرح محفوظ رکھ سکے، اور انتی گونوس فاتح لیزی ماخیہ ہی ایسا شخص تھا جو بربریوں کی مدافعت کر سکتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ قدیم وقائع میں کہیں انتی گونوس کے اس کارنمایاں کا تذکرہ نہیں ملتا، بلکہ ان میں صرف اس کا ذکر سننے میں آتا ہے کہ اُس نے کس طرح کاساندریہ میں اپولودوروس کی قوت کا خاتمہ کیا" الغرض خود ڈرواسے سن تسلیم کرتا ہے کہ انتی گونوس کے بربریوں سے یونان کو محفوظ رکھنے کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ملتا؛ لیکن اُس کے نزدیک اُس کے کام اور لیزی ماخیہ اور کاساندریہ کی کامیابیاں اتنی اہم ہیں کہ وہ اُس کے سر یونان کی حفاظت کا سہرا رکھتا ہے۔

باب پنجم

دنیائے یونان کی سیاسی کیفیت تقریباً ۲۷۵ ق م میں

(۞)

سپہ داران سکندری کے تماشاگاہِ دُنیا سے چلے جانے کے بعد ایک بڑی حد تک قدیم حالات از سر نو عود کر آئے، یعنی سیاسی

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ گو قدما اس کی بابت ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالتے۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو انتی گونوس نے لیزی ماخیہ میں بہت کم اور کاساندریہ میں کچھ بھی نہیں کر دکھایا۔ لیزی ماخیہ میں غالویوں پر وہ یک بیک ٹوٹ پڑتا ہے؛ (جسٹی نوس ۲۵، ۲؛ مقابلہ کرو Diog. La. ۲، ۱۴۰، اور ڈرداے سن ۳، ۱، ۱۹۳)۔ مکر و فریب اور ذرا سی خوش قسمتی سے اس قسم کی کامیابی آسانی سے ہو سکتی ہے؛ لیکن اس طرح کا فاتح جنگی اعتبار سے سورما نہیں کہا جا سکتا۔ اس قسم کی چالبازی تاریخ کے درخشاں جنگی کامیابیوں میں شمار نہیں کی جا سکتی۔ رہا کاساندریہ، سو اُسے تو اُس نے نہیں بلکہ اُس کے خفیہ مددگار امینیاس نے مسخر کیا تھا، اور وہ بھی چال چل کر؛ پولی اے نوس ۴، ۶، ۱۸۔ ان سب

باب ۵ | اعتبار سے ایشیا اور یورپ ایک دوسرے سے پھر علیحدہ ہو گئے اور

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ معرکوں سے غالوی مقدونیہ و یونان پر حملہ کرنے سے باز نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ واپس نہیں آئے، لیکن اسکی وجہ ایک تو یہ تھی کہ تھرموپلی کے مقام پر اُن کی مدافعت اچھی طرح سے ہوئی تھی، اور دوسرے ایسے ملک میں جو شہروں سے بھرا ہوا تھا اُنھیں کھانے کے لئے کیا مل سکتا تھا، اور تیسرے ان میں سے بہت سوں کے ایشیا وغیرہ چلے جانے کی وجہ سے وہ کمزور ہو گئے تھے۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غالویوں کو یونان سے باہر رکھنے کا سہرا حوادث زمانہ اور یونانیوں کی شجاعت کے سر رکھنا چاہیئے نہ کہ مقدونوی پادشاہوں کے سر۔ اصل میں اس مورخ نے یونانیوں کے کارناموں کو نظر انداز اور مقدونوی بادشاہوں کے ایسے کارناموں کو سراہا ہے جن کا ذکر تک نہیں، تو اس کی وجہ وہی بے بنیاد مفروضہ ہے کہ اُس عہد کے جمہوریت پسند نالائق ہو گئے تھے اور اُنکی توانائی میں کمی پیدا ہو گئی تھی۔ پولی بیوس ۹، ۳۵ میں اکارنانی لیزی کوس کہتا ہے کہ مقدونیہ کے ہاتھوں یونان کی حفاظت اس واقعے سے سمجھ میں آتی ہے کہ جب کیرونوس کی موت کے بعد غالویوں کو مقدونیوں کا ڈر نہیں رہا تو وہ فوراً یونان پر ٹوٹ پڑے؛ اس سے ہم قطعی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ مقدونیوں نے تہذیب و تمدن کو غالویوں سے بچانے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ لیزی کوس کو کیرونوس کے جانشینوں کی کسی کامیابی کا قطعی علم نہیں ورنہ وہ اس کا ضرور ذکر کرتا۔ الغرض اُس نے جو استدلال کیا ہے وہ اسی طرح کا ہے کہ اگر ڈاکو کسی گاؤں پر حملہ کریں تو گاؤں والوں کی حفاظت دراصل وہ پہلا سپاہی کرتا ہے جو اُن سے سب سے پہلے برسرپیکار ہوتا ہے، درآنحالیکہ یہ گاؤں والے خود اپنی قوت سے چند ڈاکوؤں کو مار ڈالتے ہیں اور باقی کو بھگا دیتے ہیں۔ اگر ہم یہ استدلال تسلیم کرلیں تو مقدونیوں کے پرانے اور نئے مداحوں کو برسر حق ماننا پڑے گا۔ ساتھ ہی یہ واقعہ ہے کہ مقدونوی بادشاہوں

باب ۵

مصر سلطنت ایران کے زمانے سے بھی زیادہ (جس کی جگہ اب خاندان سلیوکوس نے لے لی تھی) ایشیا سے آزاد ہو گیا۔ لیکن در اصل ہر چیز میں ایک بدیہی فرق پیدا ہو چکا تھا، اس لئے کہ مصر میں اب ایک یونانی خاندان حکمران تھا اور سلطنت سلیوکوس کی بنیاد یونانی مقدونوی قومیت پر تھی جس میں یونانی عنصر کو تفوق حاصل تھا، چنانچہ بیرونی منفردیت کے پردے میں اب پہلے سے زیادہ اندرونی توحدی کیفیت تھی۔ ہم مختلف مملکتوں کے اس ڈھیلے ڈھالے مجموعے کے مختلف حصّوں کا بیان کریں گے اور ان میں سے سب سے پہلے یوروپی مملکتوں کو لیں گے۔

مقدونیہ میں، جو ایشیا کے فاتحوں کا جنم بھوم تھا، باوجود قابل لوگوں کے مُلک سے چلے جانے کے اب بھی بہت کچھ قوت وجرأت باقی تھی، اور کلٹوں کے حملے کے کوئی مستقل آثار باقی نہیں رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس مُلک میں جو لوگ باقی تھے اُن میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نے ایتھنزیوں سے زیادہ کر دکھایا، لیکن اسکے کئی اسباب ہیں، مثلاً مقدونیوں کا واقعی میلان، امینیاس جیسے شخص کے تعلقات، جس نے بے شمار اجیر سپاہیوں کو اُن کے لئے مہیا کیا، اور اس اُصول کا بے تحاشا انطباق کہ جنگ کو اپنی ضروریات خود مہیا کرنی ہوں گی۔ اگر ایک خود مختار مملکت چاہتی بھی تو بھی وہ ایسے حرکات نہ کرسکتی اسلئے کہ اس قسم کا طرز عمل آزادی کے اُصول کے منافی ہوتا۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ غالوی ایسے گئے گزرے بربری نہ تھے جیسا فرض کرلیا جاتا ہے۔ مسالیہ سے دوسری صدی ق م کی ابتدا تک اُن کے تعلقات جاری تھے؛ دیکھو "کتبۂ لمپساکوس" Inschrift von Lampsacos روداد ایتھنز Athen Mittthail، تتمہ، تا صفحہ ۹۶، جس کا اقتباس ڈوہن نے اپنی کتاب "کوہ الپ کے دروں کا استعمال" "Duhn: Benutzung der Alpenpaesse 38. not." "Heidelb: Jahrb. II" میں کیا ہے۔

بھی بہت سے جری اور بہادر ہوں گے۔ ہم اس بات سے واقف ہیں کہ لشکر سکندری کے سپاہی مقدونیہ واپس جانے کے دل سے خواہاں تھے، اور اپنی قوت کے انتہائی عروج کے زمانے میں بھی اپنے اپنے گھروں کی واپسی میں زور دینے میں باک نہیں کرتے تھے۔ علی العموم مقدونیوں اور اُن کے حکمرانوں کے مابین جو تعلقات تھے وہ بالکل قدیم وضع کے تھے۔ اُن کا فطری میلان ملوکیت کی طرف تھا، اور انھیں اکثر مدعیان تخت و تاج کے موافق یا مخالف فیصلہ کرنا پڑتا تھا، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ وہ واقعی صاحب تخت کی مخالفت کرنے میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور جب خانوادۂ سکندری کا بالکل صفایا ہو گیا اُس وقت یہ صورت حال پہلے سے بھی زیادہ عام ہو گئی۔ انھوں نے اُس وقت تک پرھوس کا حکم مانا جب تک وہ قابلیت کیساتھ حکومت کرتا رہا، اور انتی گونوس کے سامنے اس لئے سر تسلیم خم کیا کہ اُس کی قابلیت پرھوس سے بھی زیادہ مسلمہ تھی۔ گو اسکے علاوہ معلوم ہوتا ہے کہ سیمے نوس کی عزیز داری کی وجہ سے بھی انتی گونوس کو پیش کیا گیا تھا۔ مقدونیہ کی اندرونی حالت میں بھی کوئی بیّن فرق پیدا نہیں ہوا۔ اب بھی دیہاتی زندگی کو قدیم زمانے کی طرح تفوّق حاصل تھا اور چونکہ مقدونیہ میں شہروں کے ذریعے سے یونانی تمدن کے انتشار سے کوئی خاص فائدہ متصوّر نہ تھا اس لئے نئے شہر بہت کم آباد کئے گئے تھے۔ مقدونیہ کا پایۂ تخت اب بھی پیلا ہی تھا لیکن ممتاز ترین بلدیات میں اس کا شمار نہیں ہوتا تھا۔ مقدونیہ کا اثر تھریس، ایپائروس، تھسلی اور یونان میں پھیلا ہوا تھا۔ اگر کبھی مقدونیہ کے فرماں رواکی یہ خواہش ہوتی کہ مشرق، شمال اور مغرب کے حملہ آوروں کی طرف سے اپنے مُلک کو بچائے رکھے اور ساتھ ہی ارض یونان پر بھی اثر ڈالے، تو

اس کی ضرورت تھی کہ وہ وسائل ملکی کی خاص نگرانی رکھے، خصوصاً اس لئے کہ مشرقی حکمرانوں کے برخلاف اُس کا ملک متموّل نہیں تھا۔ اُس کے اقتدار کا دار و مدار اُس کی رعایا کی تنومندی اور قوّت پر تھا، چنانچہ فوجی خدمت لازمی تھی، اور پہلے کی طرح مقدونوی جتھا اب بھی ایک خوفناک آلۂ حرب بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ انتی گونوس کی خدمت میں اجیر سپاہی بھی تھے، لیکن اغلب امر یہ ہے کہ بجائے باضابطہ مشاہرے کے انھیں خانگی بحری قزاقی کے ذریعے پیٹ بھرنے کی اجازت دیدی جاتی تھی [۱]۔

اگرلیزی ماخوس کا ستارہ بلند رہتا تو شائد تھریس اپنی تہذیب و تمدّن کو قائم رکھ سکتا لیکن اب یہ کم و بیش بربریت لئے ہوئے قوموں، مثلاً تھریسیوں، کلٹوں، گیتاؤں وغیرہ کا مسکن بن گیا تھا، جن کے خلاف ساحلی آزاد یونانی ریاستوں کو اپنا سر بچانے میں مشکل پیش آتی تھی۔ ان ریاستوں کا سرگروہ شہر بیزنطہ تھا جس نے فیلقوس

---

[۱] کاساندر نے مفصلۂ ذیل مزید شہر آباد کئے:۔ کاساندریہ، اولینتھوس کی جگہ؛ اورانوپولس راس آتھوس پر جسے الگزارخوس برادر کاساندر نے بسایا؛ تھسالونیکے تھرمے کی جگہ۔ مقابلہ کرو ڈُرواے سن ۲، ۱، ۲۵۰، اور تھسالونیکے کے واسطے تافل Tafel کا بسیط مضمون "تھسالونیکے" De Thessalonica برلن ۱۸۳۹ء۔ لیکن بہت جلد مقدونیہ کے بادشاہوں نے شہر آباد کرنا چھوڑ دیا۔ انتی گونوس گوناتاس کے لئے ڈُرواے سن ۳، ۱، ۸۷ وغیرہ؛ فون ولاموو تز: "انتی گونوس ساکن کاریستوس" von Willam. Antig. v. Karystos ۲۱۱ وغیرہ ۲۶۰۰ (مدّت سلطنت)۔

لیوی ۴۲، ۵۲، ۵ کہتا ہے کہ عالمگیر فوجی خدمت "اُن لوگوں پر لازم تھی جو تدبیر جنگ میں تربیت یافتہ ہوں" ڈُرواے سن ۳، ۱، ۹۰ — زراعتی فصل کے موقع پر فوج کی برخاستگی (پولی بیوس ۴، ۶۶) سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ فوج قومیت کا رنگ لئے ہوئے تھی۔

باب ۸

کے حملوں کی نہایت شدّت سے مدافعت کی تھی، اور جہاں باوجود پہلے ہی سی مرفہ الحالی کے عیش و عشرت میں کمی اور آزادی کے جذبے میں بیشی پیدا ہو گئی تھی۔ اس قسم کے ملک میں کسی متمدن بادشاہ کے لئے شہروں کا وجود اتنا اہم تھا کہ لیزی ماخوس نے چند بلدیات آباد کرکے اپنا نام چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا۔ اس کی سلطنت میں ایشیائے کوچک کا ایک حصّہ بھی شامل تھا، اور اُس کی قوت کا دار و مدار اسی حصے پر تھا، اس لئے کہ محض یوروپی تھریس، جو شمال میں غیر محفوظ اور چاروں طرف سے بربری اقوام کے حملوں کے لئے کھلا ہوا ہو وہ مستقل طور پر ویسے بھی آزاد و مرفہ الحال نہیں رہ سکتا، اور اس وقت تو بیز نطہ بھی اُس کے قبضے میں نہیں تھا۔ الغرض لیزی ماخوس کی موت پر سلطنت تھریس کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ ملک آزادی کے لئے اس قدر ناموزوں تھا کہ بہت جلد مصر، اور آخر میں دور دراز شہر ایتولیہ کا اُس پر اثر ہی نہیں بلکہ اس کے بعض حصّوں پر قبضہ بھی ہو گیا۔ ہمارے نزدیک یہ صورت حال تمدّن کے لئے فی الجملہ مفید ہی تھی، اس لئے کہ ایجئین اور بحیرۂ اسود کے مابین بحری شاہراہ پر ایسی جمہوریتوں اور چھوٹی چھوٹی مملکتوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا تھا جنھیں تجارت میں مداخلت کی مطلق اہلیت نہیں تھی [۲]۔

مقدونیہ کے شمال میں دردانی آباد تھے، اور مغرب میں الیریائیوں کا ملک تھا جنھوں نے مقدونیہ کو چین سے نہیں بیٹھنے دیا [۳]۔

ذرا جنوب میں ساحل اڈریاٹک پر ایپائروس آتا ہے جس کے

---

[۲] تھریس۔ لیزی ماخوس کے لئے حواشی باب ۳ دیکھے جائیں۔ فریک Frick نے ایک نفیس مضمون لکھا ہے جو پاؤلی ۱، ۲، ۲۶۰۱ وغیرہ میں مندرج ہے۔

[۳] دردانی۔ دیکھو ڈرو ائے سن ۳، ۱، ۸۸؛ کیبرٹ، ج ۲۹۹۔ اس زمانے میں دردانیوں پر شاہ مونونیوس حکمران تھا جس کے دیر آکی نوع کے سکّے موجود ہیں؛ ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات" Head, H. N. ۲۶۷۔

باب ۵

قبیلے (جو تھیو پومپوس کے نزدیک ۱۴۵ تھے)، عہد زیر بحث میں متحد تھے۔ اس کے مغربی و جنوبی حصے میں اضلاع خاؤنیہ و تھسپروتیہ، اور اُس کے شمال و مشرقی گوشے میں ضلع مولوتس تھا۔ یہ سب قبیلے مولوسی شاہ پرھوس کے ماتحت تھے جس کے کارناموں کا متعاقب ذکر کیا جائے گا۔ پرھوس نے اپنا صدر مقام شہر امبریسیہ کو بنایا جسے سکندر ولا کاساندر نے اُس کے حوالے کر دیا تھا۔ ایپائروس والے اپنے ہمسایہ مقدونیوں کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے[۴]۔

اپنے اندرونی معاملات میں ملک تھسلی آزاد تھا، لیکن سیاسی اعتبار سے غالباً اس کی اب بھی وہی کیفیت تھی جو فیلقوس کے عہد میں تھی۔ یعنی اُس پر مقدونوی اثر فائق تھا، اور اُس کا قلعۂ دیمتریاس جسے دیمتریوس نے تعمیر کیا تھا، اب بھی مقدونیوں کے قبضے میں تھا۔ ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تھسلی میں ایک فریق ایسا بھی تھا جو مقدونوی تفوّق کے مخالف تھا[۵]۔

وسطی یونان میں دو مملکتیں یعنی ایتھنز اور ایتولیہ ممتاز تھیں۔ ۲۸۶ سنہ ق م میں ایتھنزیوں نے اولیمپودوروس کی سرکردگی میں میوزخانے پر، جس پر مقدونوی علم بلند تھا، حملہ کر کے قبضہ کر لیا، اور اس طرح خارجی دباؤ سے آزاد ہو گیا۔ ۲۷۹ سنہ ق م میں ایتھنزیوں نے غالویوں کے خلاف فوج اور بیڑے دونوں کے ذریعے سے نہایت زور کے ساتھ مدافعت کی تھی۔ ان کے اور ایتولیہ کے باہمی تعلّقات ۴۰ سال پیشتر سے نہایت دوستانہ تھے، جب دونوں نے ہمزبان

---

[۴] ایپائروس۔ ڈروائے سن، ۳، ۱،۴۹؛ امبریسیہ پرھوس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ مرلیکر Merleker نے اسی ملک، خاندان اور باشندوں پر متعدد مضامین لکھے ہیں جو کیونگزبرگ سے ۱۸۴۴ء، ۱۸۴۱ء اور ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئے ہیں۔

[۵] تھسلی۔ ڈروائے سن، ۳، ۱، ۹۲؛ ہرتزبرگ Hertzbug ۱، ۸، ۱۔

باب ۵

ہو کر باوجود سکندر کے صریح احکام کے ساموس اور اوئے نیادائے کو مقدونیوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دیکھو جلد ۳، صفحہ ۳۶۵) ؎ ہم باب ۱۲ میں ایتولیہ کا مفصل ذکر کریں گے، یہاں یہ کہنا کافی ہے کہ ان کے قبضے میں خلیج مالوس اور بیوتی سرحد تک تمام وسطی یونان تھا۔ وہی درہ تھرموپلی اور "لیگ ہمسائگاں" پر قابو یافتہ تھے، اور کلٹ قوم کی مدافعت کر کے انھوں نے موخر الذکر کی بڑی بھاری خدمت انجام دی تھی۔ ایتولیوں کے بعد لیگ کی مجلس میں ایتھنز کا اقتدار سب سے زیادہ تھا۔ ایتھنز و ایتولیہ نے غالویوں سے محفوظ رہنے کی یادگار کے طور پر ایک نئی عید سوتیریہ قائم کر کے لیگ کے انتشار تمدن کے کام میں خاص دلچسپی لی۔ اس عید کو تمام دیار یونان میں دلچسپی کی نظر سے

؎ ایتھنز۔ ڈروائے سن ۳، ۱، ۹۵) جس رائے کا اظہار کرتا ہے اس سے ایتھنز کی حالت زبون معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ میوزخانے کی تسخیر کے بعد کچھ مدت کیلئے پرائیوس میں ایک مقدونوی لشکر مقیم رہا ہو (ڈروائے سن ۲، ۲، ۳۰۲، ۳، ۲۴، ۲۶؛ والخسموت، ۱، ۶۱۹، ۶۲۰) چونکہ خود ایتھنز آزاد تھا، اسلئے ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اسکا سکہ بھی چلتا ہوگا، لیکن اس رائے سے ہیڈ متفق نہیں ہے (تاریخ مسکوکیات" ۳۱۶) اس لئے کہ اس کے نزدیک ۳۲۲ ق م سے ۲۲۰ ق م تک سکہ سازی کا اختیار نہیں تھا۔ یہ عیاں ہے کہ آزادی کے زمانے میں بھی ایتھنز کو سکہ سازی پر کوئی مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ بہت سے آزاد شہر ایسے تھے جن میں سرے سے ٹکسال ہی کا وجود نہیں تھا۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایتھنز کے سکے دور دراز مقامات میں چلتے تھے، اور نہایت مقبول تھے، چنانچہ اغلب امر یہ ہے کہ جب اسے آزادی حاصل ہو گئی ہوگی تو اس نے ضرور سکے بنائے ہوں گے۔ ہمارے نزدیک ۳۲۲ ق م سے ۲۲۰ ق م تک کے زمانے میں ایتھنز کا سکہ سازی کو روک دینا قرین قیاس نہیں ہے۔

دیکھا گیا اور ہر جگہ اس خاص دن ناٹک کے کھیل ہونے لگے - یہی وجہ ہے کہ اس امفکتیونی انجمن نے دیونی سیوس کے نقاشوں کو خاص اپنی نگرانی میں لے لیا - اب گویا امفکتیونی لیگ میں مقدونیہ کی جگہ ایتولیہ نے لے لی تھی اور اس طرح مقدونیہ کو یونان پر مادی اور روحانی جو مواقع تھے وہ جاتے رہے تھے -
اب اگر وہ وسطی یونان پر حملہ کرنا چاہتا تو اس کے لئے درۂ تھرموپلی کو عبور کرنا محال ہو جاتا، بلکہ وہاں پہنچنے کے لئے اُسے یوبیہ ہو کر جانا پڑتا جہاں کے بلدیات خالکس و کاریستوس اُس کے قبضے میں تھے - پھر اُس کے لئے کوئی ایسا طریقہ باقی نہیں رہا تھا کہ مذہبی سردار کی حیثیت سے وہ یونان کے نام سے کوئی قراردادیں منظور کر سکے - نیز اُسے آزاد یونان کے ساتھ کوئی اندرونی تعلق بھی باقی نہیں رہا تھا - ان سب باتوں پر نظر ڈال کر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایتولیوں نے امفکتیونی لیگ کو جو از سر نو منظم کیا تو اسکے لئے وہ تمام یونان کے شکریئے کے مستحق تھے - ہم اس سے واقف ہیں کہ ایتولیوں اور اکارنانیوں میں ازلی دشمنی تھی جس کی وجہ سے اکارنانیوں کا فطری میلان مقدونیہ کی جانب تھا چنانچہ [۱]۳۱۴ ق م میں انھوں نے کاساندر کی صلاح سے چند بڑے بڑے شہروں میں، جن میں سے ایک سترائوس بھی تھا، اپنے آپ کو مرتکز کر لیا - ۳۱۶ ق م میں کاساندر نے تھبز کی آزادی کا احیاء کر کے بیوتیہ کے ایک حصے کو مقدونیہ کا ہمنوا بنا لیا تھا، گو اسی میلان کا نتیجہ یہ نکلا کہ باقی سب بیوتی مخالفین مقدونیہ کی صف میں شامل ہو گئے - اس ضمن میں آخری بات یہ کہنی ہے کہ لاخاریس نے تھبز ہی میں پناہ لی تھی، اور یہی شہر دیمتریوس پولیورکی تیس کے خلاف نہایت بہادری سے لڑا تھا[۵]

[۵] ایتولی - ڈروائے سن ۳، ۱، ۷، ۹ تا ۹۹؛ نیز متناتب، حواشی باب ۱۲ -

باب ۵

پیلوپونیز پر مقدونیہ کا کم از کم اتنا اثر ضرور تھا جتنا وسطی یونان پر تھا، اور اُس نے اپنی قوت واقتدار کا مظاہرہ اکرو کورنتھوس کی قلعہ بندی کر کے کیا۔ اس کے طرفدار کورنتھ، سکیون، آرگوس، مسینیہ، ایلس اور آرکیڈیا کا ایک حصہ تھا جس میں میگالوپولس بھی شامل تھا، لیکن دوسری طرف تقریباً ۲۸۰ء ق م میں اکائیہ نے آزادی کا راگ الاپنا شروع کردیا۔ مقدونیہ مختلف شہروں میں اپنے اثر کو خود سر مقرر کر کے مستحکم کررہا تھا۔ اس قسم کے وسیع الاثر سیاسیات میں اسپارٹا کو کسی قسم کی مداخلت کرنا پسند نہیں تھا، اور اسی لئے اُس نے اپنی حیثیت بالکل آزادانہ رکھی تھی۔ ۲۹۵ء ق م میں اُسنے دیمتریوس کے خلاف اور اس کے بعد انتی گونوس گوناتاس کے خلاف ہتھیار اُٹھائے، اور اپولودوروس والئ کاساندریہ کی پشت پناہی کی۔ اُسنے کلیومنیوس کی سرکردگی میں انتی گونوس کے خلاف بہت کچھ سرگرمی دکھائی جس کا ذکر اس کتاب کے نویں باب میں کیا جائے گا۔ ہم اسی باب میں یہ بھی دیکھیں گے کہ کم از کم ایک موقع پر اسپارٹا کلیومنیوس کے مدمقابل آریوس کی ماتحتی میں انتی گونوس گوناتاس کا طرفدار بن گیا۔ اُس زمانے میں لقونیہ کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے، اس لئے کہ حکمال سلطنت کی اجازت سے اُس کے جنوبی حصے خصوصاً راس تینارم میں ہر طرح کے لوگ اکٹھے ہوتے رہتے تھے اور حکومت اُن سے جو چاہتی خدمت لیتی رہتی تھی۔ ہم ناظرین کی توجہ اس طرف کئی مرتبہ مبذول کرچکے ہیں۔ یہی کیفیت جزیرہ کریٹ کی بھی ہے جہاں کی جمہوریتوں کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ ان ممالک کے تعلقات مصر و سرنہ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اختلاط اکارنانیہ، دیودوروس ۱۹، ۶۷؛ بوسولٹ ۲، ۷۵۔
بیوتیہ۔ ڈرواے سن ۳، ۱/۳، ۹۳ تا ۹۵؛ زمانہ مابعد پولی بیوس ۲۰، ۴ تا ۶؛
بوسولٹ ۱، ۱/۶۳۷۹ ۲۔

باب ۵

نہایت اچھے ہیں، اور یہی کیفیت ایتولیہ کی بھی ہے جسے اجیر سپاہیوں اور بحری لڑائی کی طرف خاص میلان تھا۔ش

اگر ہم مقدونیہ کے اثر کا اندازہ کرنا چاہیں تو ہمیں شمال سے جنوب کی طرف دو ترچھے خطوط کھینچنے پڑیں گے۔ شمال و مشرق سے جنوب و مغرب کی طرف آؤ تو مقدونیہ کے حلقۂ اثر میں یوبیہ، بیوتیہ، کورنتھ، سکیون، آرگوس، جنوبی آرکیڈیا اور مسینیہ شامل نظر آئیں گے؛ اس کے مغرب میں ایتولیہ مع دیلفی و تھرموپلی کے آزاد تھے، لیکن اکارنانیہ ازسرنو مقدونیہ کا ہمنوا بن گیا ہے۔ اس کے مشرق میں ایتھنز و اسپارٹا مقدونیہ کے ماتحت نہیں اور ان مقامات پر اب مصر اپنا اثر قائم کرنا چاہتا ہے۔

جزائر مدؔ میں مقدونیہ و مصر کے اثرات ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہیں، لیکن آخر کار مصر ہی کو تفوّق حاصل ہوتا ہے گو بعد میں جزیرے والے اپنی ایک متحدہ جمہوریہ قائم کر لیتے ہیں (دیکھو باب ۲۳)۔

ہم یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب ہیں کہ یونانیوں کی عام کیفیت کو کسی حالت میں مایوسانہ نہیں کہا جا سکتا۔ اور چونکہ مقدونیہ کی

ش اسپارٹا۔ ڈروائے سن ۳، ۱، ۲۰۰۔ کلیومنیس نے مصر کا ساتھ دیا اور انتی گونیوسیوں کی مخالفت کی۔ اٹلی سے واپسی پر اُس نے کورکائرا فتح کیا، لیکن تقریباً ۳۰۳ ق م میں اُسے دیمتریوس نے نکال دیا؛ ڈروائے سن ۲، ۲، ۱۹۰۔ بعد ازاں وہ دیمتریوس کے دشمن لاخاریس کی معیّت میں تھیبز پہنچا۔ اس کے بعد اُس نے انتی گونوسیوں کے خلاف اسپارٹا کے ساتھ اور پھر مصر کے حلیف پرھوس کے ساتھ سازش کی۔ کلیومنیس کا مدّمقابل آریوس تھا، جس کے مشتبہ طرزِ عمل کے لئے دیکھو یادداشت ہائے متعلق باب ۹۔

کرینٹ کے لئے دیکھو سترابو ۱۰، ۴۷۷۔

باب ۵

حالت کچھ قابل رشک نہ تھی اس لئے اگر ان میں ذرا زیادہ سیاسی اتفاق ہوتا تو وہ غالباً اپنے کندھوں سے مقدونوی جوا اتار کر پھینک دیتے۔

اب ایشیا کی طرف آیئے ؀ ہم یہاں کی سب سے زیادہ اہم

؀ ایشیائے کوچک کا جغرافیہ۔ دیکھو حواشی باب ۴۔ لولنگ Lolling نے ا، میولر A. Mueller ۳، ۲۴۹ میں قدیم تصانیف کا ملخص پیش کر دیا ہے، لیکن اس کے بعد حال ہی میں ایشیائے کوچک کی تحقیقات میں بڑی بھاری ترقی ہوئی ہے؛ لولنگ نے اس کا بھی خاکہ دے دیا ہے (۱، ۱، ۹۴۹ وغیرہ) اور ائناش Reinach نے بھی اپنی کتاب "وقائع مشرقی" Chroniques L'Orient میں جو ابتداءً جریدۂ آثاریات Revue Archeologique میں چھپی تھی اور اب ایک علیحدہ مجلّد کی شکل میں شائع ہوئی ہے، اس کا مفصل بیان کیا ہے۔ اس میدان میں ہر سال مزید ترقی ہوتی ہے۔ سنین حال میں مفصلۂ ذیل علماء میدان تحقیقات ایشیائے کوچک میں ممتاز ہیں: گ۔ ہرشفیلڈ G. Hirschfeld بین ڈورف Benndorf نی مان Niemann لانکورونسکی Lanckoronski پیٹرسن Petersen پاتون Paton (کاریہ، لکیہ، پمفلیہ، پسیدیہ) ہومان Humann پخشتائن Puchstein (گلاتیہ، کوماگینے)، ریمزے Ramsay ہوگرتھ Hogarth (بالخصوص افروجیہ)، سٹیریٹ Sterreth (وسطی و جنوبی ایشیائے کوچک)، بنٹ Bent ہیبرڈے Heberdey ولہلم Wilhelm (کلیکیہ)؛ نیز فابریکیوس Fabricius وینے فیلٹ Winnefelth، یوداِنخ Judeich کلارک Clarke کولڈوے Koldeway شخہارٹ Schuchhardt ہلر فون گیرٹنگن Hiller von Geartingen، پیرس Paris، گارڈنر E. Gardner رادے Raidet دیورباخ Duerbach فوژیر Fougeres وغیرہ اس فہرست میں ارض ٹرواسکے اور پرگامم کے محققوں کے نام شامل نہیں کئے گئے۔ جنوبی ایشیائے کوچک پر زیادہ تر

باب ۵

مملکت شام سے شروع کریں گے، وہ مملکت جس نے سکندر کے ایشیائی مقبوضات پر حکومت کرنے کا دعویٰ کیا، گو اس دعوے کی کوئی صحیح بنیاد عرفاً یا قانوناً نہیں تھی۔ بہر نہج اس مملکت نے انطاکوس اعظم کے عہد حکومت میں ہیلیس پونٹ سے لے کر ہندوستان تک ہی نہیں بلکہ یوروپی یونان میں بھی مداخلت کی اور یہ مداخلت اس وقت تک برابر ہوتی رہی جب تک سلیوکوس کے جانشینوں کو یہ محسوس نہ ہونے لگا کہ اس دعوے کو وہ منوا نہیں سکتے۔ اُس عہد میں جس کا اس وقت ذکر کیا جا رہا ہے (یعنی تقریباً ۲۷۵ ق م میں) سلیوکیوں کی سلطنت کی (جسے سلطنت سوریہ بھی کہتے تھے) وہ اہمیت نہیں رہی تھی جو اُسے سلیوکوس اوّل کے عہد میں حاصل تھی۔ سلیوکوس "فاتح" نے اس سلطنت کو منظم کیا تھا چنانچہ اب اس کی ضرورت ہے کہ ہم از سرِ نو اُس کی زندگی کی طرف رجوع ہوں۔

اُس نے بہت جلد یہ صحیح اندازہ کر لیا کہ ایشیا کے سرحدی علاقوں پر بادشاہت کا کھیل کھیلنے کے بجائے یہ بدرجہا بہتر ہے کہ یہاں اُس کے سچے اور واقعی حلیف پیدا ہو جائیں۔ ۳۱۷ ق م میں یودے موس نے پوروس کو قتل کر دیا تھا، اور اس کے بعد خود اس قاتل کو انتی گونس نے مار ڈالا تھا۔ اس پر چندر گپت بادشاہ ہندوستان نے (جسے یونانی ساندر کوتوس کہتے تھے) ملک سندھ کے محاذی علاقوں پر

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ۔ آسٹریا والوں نے کام کیا ہے۔ بہترین نقشے کیپرٹ Kiepert کے ہیں جنہیں خود اُسکی اشاعتوں کے نقشے وغیرہ وہ نقشے شامل ہیں جو دوسرے مصنفوں کے سفرناموں کیلئے اُسنے تیار کئے۔ نیز مقابلہ کرو فائیگل کا "ایشیائے کوچک میں آثاریات کے لئے تحقیقاتی سفرنامے" Feigl: Archæolog. Forschungsreisen in Kleinasien آسٹریائی جریدہ ماہواری متعلق دیار مشرقی Oeterreich Monatsch Orient سال ۱۵، نمبر ۶ و ۷

باب

قبضہ کر لیا تھا، اور جزیرہ نمائے گجرات سے دہانۂ دریائے گنگ تک اپنی سلطنت قائم کرلی۔ پہلے تو سلیوکوس نے اُس سے لڑائی ٹھانی، لیکن پھر اُس کے ساتھ صلح کرنے پر مجبور ہو کر دریائے سندھ کے ملک سے اپنے قدم پلٹا لئے جس کے معاوضے میں حکمران ہند نے اُسے وہ ہاتھی نذر کئے جن کی وجہ سے میدان اپسوس اُسکے ہاتھ رہا (دیکھو باب ۲)۔ اُس نے اپنا سفیر میگاس تھنیس چندرگپت کے پائے تخت پاٹلی پتر بھیجا، جس کے ذریعے سے دونوں حکمرانوں کے مابین خوشگوار تعلقات قائم ہو گئے۔ یہی وہ میگاس تھنیس ہے جس نے ہندوستان کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے جس کے بعض اجزاء ہم تک بھی پہنچے ہیں۔ سکندر نے غایت عقلمندی کے ساتھ بہت سے یونانیوں کو اس سرحدی علاقے میں لاکر آباد کر دیا تھا چنانچہ یہ آبادکار تہذیب و تمدن یونان کے مستقل مرکز بنے رہے۔ واضح ہو کہ عام کلیئے کے مطابق، سرحدی علاقوں میں آباد ہونے کی وجہ سے ان یونانیوں کو اندرونِ ملک کے باشندوں سے زیادہ اختیارات حاصل تھے۔ جنگ اپسوس کے بعد سلیوکوس نے اپنا پائے تخت بابل سے اپنے آباد کردہ انطاکیہ بدریائے اورونتیس کو منتقل کر دیا اس لئے کہ شائد وہ بحیرۂ روم کے قریب رہنا پسند کرتا تھا، ورنہ جغرافی اعتبار سے تو انطاکیہ کے بجائے جو دریائے اورونتیس پر تھا سلیوکیہ کو جو سمندر پر واقع تھا، مستقر بنانا بیکار سا معلوم ہوتا ہے، بالخصوص اس لئے کہ انطاکیہ کو کبھی بھی زیادہ اہمیت نصیب نہیں ہوئی، لیکن سلیوکوس کا خیال تھا کہ ساحل بحر پر صدر مقام محفوظ نہیں رہے گا، اور ہوا بھی یہی کہ سلیوکیہ مدت دراز تک بطالسہ مصر کے قبضے میں رہا۔ بہرحال اُس نے ایک ایسے مقام کا انتخاب کیا جو ساحل سے قریب ہی ایک زرخیز رقبے میں واقع تھا۔ ہم ذرا تفصیل سے انطاکیہ کا تذکرہ اس کتاب کے اکیسویں باب

ہیں کریں گے اور یہاں صرف اس بات پر اکتفا کریں گے کہ شہر انطاکیہ سلطنت سوریہ کی گویا ایک ظاہری علامت تھی۔ سمندر کے قریب ساحل سے ذرا ہٹ کر، جنگل کے قریب لیکن اتنا نہیں کہ اُسے قافلے والے اپنا جائے روانگی بنالیں۔ یہ شہر اُسی سلطنت کے گویا مماثل تھا جس کا پائے تخت ہونے کا اُسے فخر حاصل تھا، اور جو واقعۃً فوج اور بیڑے کا باضابطہ مرکز نہیں تھا اس لئے کہ دونوں محکمے تو بالکل مصنوعی تھے۔ یہ شہر یونانیوں کا شہر تھا، اور اس سلطنت کا مال، و ماعلیہ یہی تھا کہ مشرق میں یونانی اُصول پر ایک مملکت قائم کی جائے۔ انطاکیہ کے محل وقوع پر بحث کرتے وقت یہ یاد رکھنا مفید ہوگا کہ فنیقیہ اور کیلوسوریہ دونوں کے اکثر حصص پر مصر کی عملداری تھی چنانچہ اُس زمانے میں انطاکیہ اکثر محض ایک سرحدی شہر بنا رہا۔ باوجود ان تمام باتوں کے سلیوکوس ضرور اس نتیجے پر پہنچا ہوگا کہ یہ ایک منتشر سلطنت کا پائے تخت ہے اور اس کا محل وقوع ایسا ہے جس میں اس اعتبار سے کم سے کم خامیاں نظر آتی ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اپنا پائے تخت مغرب کی طرف منتقل کرنے سے بادشاہ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اندرون مُلک سے اپنا اثر اُٹھالے۔ اُس نے مُلک کی سیاسی تنظیم کچھ اس طرح سے کی کہ مرکزی حکومت کو اندرونی معاملات ایشیا میں سکندر کے زمانے سے بھی زیادہ مداخلت کرنے کا اختیار رہتا تھا۔ اُس نے اپنی سلطنت کو ۷۲ ستراپیوں میں منقسم کیا۔ گو ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اُس کی سلطنت کا رقبہ کیا تھا، لیکن ہمیں یہ ضرور معلوم ہے کہ قدیم ایرانی صوبوں کو سکندر نے چھ چھ جدید صوبوں میں تقسیم کیا تاکہ صوبہ داروں کے اختیارات محدود ہو جائیں، اور پرانے صوبوں کو اس اندرونی تواحد سے محروم کیا جائے جس کے باعث ان میں بغاوت اور خلفشار آسانی سے پیدا ہونے کا احتمال رہتا تھا۔ اس جدید تقسیم

باب ۵

میں بھی وہی اُصول مد نظر تھے جو فرانس کے مختلف ڈپارٹمنٹوں میں تقسیم تھے۔ مرکزی حکومت کی تنظیم طبقۂ محبان شاہی کے قیام سے سمجھ میں آسکتی ہے، اور یہ طبقہ نہ صرف یہاں بلکہ مقدونیہ، مصر اور بلوکیتوں میں بھی غالباً موجود تھا۔ ان ہی عمائد شاہی پر "مجلس مملکت" مشتمل تھی، اور ہر محکمۂ سلطنت کا ایک ایک نگران مقرر ہوتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سلیوکوس نے ایشیا میں بہت سے شہر آباد کر کے (جن کی تعداد ایک مورخ نے ۷۵ لکھی ہے) ایشیا کو یونانی قالب میں ڈھالنے کے طرز عمل کو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ اپیان کا بیان ہے کہ اُس نے اپنے باپ کے نام پر ۱۶ انطاکیہ، اپنی ماں کے نام پر ۵ لاؤدیکیے، خود اپنے نام پر ۹ سلیوکیے اور اپنی بیویوں کے ناموں پر تین اپامئے اور ایک ستراتونی کیہ آباد کیے۔ ان کے علاوہ دوسرے جو شہر اُس نے آباد کیے اُن کے نام یونانی یا مقدونوی شہروں کے یا اپنی مہموں کے ورنہ خود سکندر کے نام پر رکھے۔ امیانوس کہتا ہے کہ نیل و فرات کے درمیان اُس نے جن گاؤں کی توسیع کر کے شہر بسائے اُن کے اصلی نام مؤلف کے زمانے میں جدید ناموں کے ساتھ زبان زدِ خاص و عام تھے۔ لیکن جس ضلع پر اُس کی نظر سب سے زیادہ تھی اور جس میں اُس نے یہ نو آبادیاں قائم کیں وہ کلیکیہ کے جنوب و مشرق اور کوماگینے کے جنوب میں بالائی شام کا ملک تھا جس کا نام سلیوکس رکھا گیا اور جسے سب سے پہلے اسی حکمران کے عہد میں اہمیت حاصل ہوئی۔ یہاں اُس نے چار بڑے بڑے شہر آباد کیے، یعنی انطاکیہ، سلیوکیہ، اپامیہ اور لاؤدیکیہ جنہیں گویا اس کے خاندان کے باضابطہ قائم مقام سمجھنا چاہئے۔ استرابو اس ضلع کو تترا پلس یا "چو بلدیہ" کہتا ہے۔ دوسری صدی ق م میں، یعنی اسکندر پالاس سے انطاکوس ہفتم تک ان چار شہروں میں جو سکے ڈھالے گئے اُن پر الفاظ "ادیلفون دموون" یعنی بلدیات محالف" کندہ ہیں۔ اگر ہم

سلیوکوس کے باقی ماندہ شہروں کا کچھ اندازہ بیان کرنے کی کوشش
کریں تو ہمیں مفصلۂ ذیل شہر ملیں گے: اوّل تو اور ونتیس اور فرات
کے درمیان شہر اور ویوس جسے نکاتور کا آباد کردہ بتایا جاتا ہے؛
یہ شہر مقدونوی شہر اور دیوس کے نام پر موسوم ہے جہاں سلیوکوس
پیدا ہوا تھا۔ دریائے فرات پر اُس مقام پر جہاں مشرقی شاہراہ
اس دریا سے ملتی ہے اُس نے زیوگما، اور اُس کے مقابل مغربی
کنارے پر اپامیا اور اُس کے قریب ہی سلیوکیہ آباد کیا۔ زیوگما
کے جنوب میں بام بیکے ہیراپولس ایک قدیم شہر تھا جسے سلیوکوس
نے اب دوبارہ آباد کیا۔ اس کے قریب ہی دریائے فرات
پر ایک جدید امفی پولس بھی بسایا گیا۔ ہم اس نواح کے شہر نکاتورس کے
محل وقوع سے واقف نہیں ہیں۔ ضلع کیر ستیکے میں (جس کا نام
مقدونوی شہر کیرھوس کے نام پر رکھا گیا تھا، زنجیرۂ امانوس، اور فرات
کے درمیان شہر بیردیہ تھا جو آجکل حلب کہلاتا ہے، اور اسے
بھی نکاتور ہی نے آباد کیا تھا۔ اُس نے دجلہ اور فرات کے درمیان
ضلع آرھا میں ایدیسہ کا شہر بسایا جو ازمنۂ وسطیٰ میں چار دانگ عالم
میں مشہور ہوا۔ ہم اُس کے شہر سلیوکیہ کی طرف، جو دریائے دجلہ
کے کنارے پر تھا، ناظرین کی توجہ اس کتاب کے بیسویں باب
میں مبذول کریں گے، لیکن یہاں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اس
بعید زمانے میں بھی یہ شہر نہایت وسیع اور اس کی شہرت درخشاں
تھی۔ میدیہ میں اُس نے شہر رھاگائے کا نام بدل کر یورویوس رکھ
دیا، پارتھیا میں اُس نے کالیوپے اور ہکاتومپی لوس آباد کئے اور
موخر الذکر کو اُس نے اُس حصۂ مُلک کا صدر مقام بنایا۔ شام کے
مغرب میں دریائے کالی کا دنوس پر سلیوکیہ اور زنجیرۂ توروس پر
اپامیا دامیہ کی بنیاد بھی نکاتور ہی نے ڈالی تھی۔ سلیوکوس کے اکثر
بلدیات جن کا ذکر ہم سنتے ہیں، بحیرۂ روم اور مدیہ کے درمیان واقع

تھے۔ اُس کی خواہش یہ تھی کہ اور ونتیس کے دہانے سے لے کر بابل تک کا ملک اُسی کے مکمل قبضۂ اقتدار میں ہو۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلطنت شام کے بلدیات کی حیثیت کیا تھی۔ یونان میں بلدیہ کا مفہوم یہ تھا کہ وہ اندرونی انتظامات میں خود مختار ہو، چنانچہ یہ سب شہر خود مختار تھے۔ اسی طرح ہمسایہ فلینقی شہر بھی، جنھیں یونانیوں کے ورود سے پہلے ہی سے اندرونی خود مختاری حاصل تھی، ان کے لئے بمنزلہ نمونہ کے تھے، اور مشرق کی تاریخ مابعد سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ان میں سے بہت سے بلدیات ایسے تھے جنھیں سکّہ سازی کا اختیار حاصل تھا۔ ہم یہ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ آیا دیگر حصص عالم کے ساتھ وہ براہ راست تعلقات رکھ سکتے تھے یا نہیں۔ بہت سے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی اخلاقی اہمیت بہت بڑی تھی۔ مثلاً انطاکوس سوم کے عہد میں مدّعی تخت و تاج اکائیوس نے ان سے مدد طلب کی تھی۔ لیکن ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ انھیں شام کی فوج میں جدا جدا رسالے بھیجنے کی آزادی حاصل تھی یا نہیں، گو یہ ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہ اضلاع جن میں یونانی زیادہ تعداد میں آباد تھے، اس فوج میں ایک قابل قدر حصّہ لیتے تھے جس کی مثال کے طور پر ہم کار ہستائیوں کا ذکر کریں گے جن کے رسالے بالکل علیحدہ تھے۔ ظاہر ہے کہ بہت سے حصّہ جات مُلک ویسے بھی تھے جن کے باشندے اپنا انتظام بلدی نمونے پر نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ ایشیا کے معمول کے مطابق شیوخ قبائل کے ماتحت سلطنت کے باجگزار تھے۔ ان میں سے بعض ممالک ایشیائی تمدن کی صف اوّل میں تھے۔ آخر میں یونانی عنصر کو شہروں میں فروغ حاصل ہوتا ہے، اور یونانی زندگی کی ترقی اس واقعے سے عیاں ہے کہ مُلک شام تقریباً کلّیتہً شہری رقبہ جات میں منقسم ہو جاتا ہے۔

شام کے حکمرانوں اور شہریوں نے جو عظیم الشان خزانے معمور کئے یہ دولت دراصل تجارت سے پیدا ہوئی تھی۔ اس معنی کر کے بھی سلیوکوس کی سلطنت بابل و ایران کی صحیح جانشین سمجھی جا سکتی ہے ان بادشاہوں نے قدیم ایشیائی شاہراہوں کو قائم رکھتے ہوئے نئی شاہراہیں تعمیر کرنے کی کوشش کی، چنانچہ سلیوکوس نکاتور نے سلیوکیہ بدریائے دجلہ پر بحیرۂ روم اور ہندوستان کی باہمی تجارت کا ایک مرکز قائم کیا (دیکھو باب ۱۲)، اور ساتھ ہی یہ بھی پیش نظر رکھا کہ بحیرۂ خزر اور بحیرۂ اسود کے درمیانی راستے کو بھی کام میں لائے۔ اُسنے پتر وکلیس کو، جو مدبر ہونے کے ساتھ ہی ساتھ عالم بھی تھا، اس نواح میں بھیجا، چنانچہ وہ بحیرۂ خزر کے شمال کی طرف رُخ کر کے اُن مقامات تک چلا گیا جہاں اس سے پہلے دوسرا کوئی فرد بشر نہیں گیا تھا۔ اُس نے اپنی اس سیاحت کی بابت ہمارے لئے ایک کتاب بھی چھوڑی ہے۔ اس مہم سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیوکوس اب تک اپنے آپ کو بحیرۂ خزر کے جنوبی ساحلوں کا مالک تصور کرتا تھا، گو بحیرۂ اسود کے جنوب میں اس کا اقتدار صفر کے برابر تھا۔[۱۰]

---

[۱۰] سلطنت سلیوکیان۔ زمانۂ حال کے محققوں میں سے خاص طور پر قابل ذکر کلیس Cless ہے جس نے پاؤلی کے "محیط" Pauly 's R. E. میں مضامین لکھے ہیں۔ گو جنوبی شام یا "کیلو سوریہ" جس میں ابتدا میں جولیبان وانتی لیبان کی درمیانی وادی اور پھر تمام جنوبی شام شامل تھا، اس سلطنت سے اکثر و بیشتر بے تعلق اور سلطنت بطالسہ کا ایک جزو تھا، تاہم اسے علی العموم "سلطنت شام" ہی کا لقب دیا جاتا تھا۔ آل سلیوکوس کا تعلق ہندوستان سے: سترابو ۱۵، ۲، ۹، ۷؛ ڈروائے سن ۳، ۱، ۸، ۱۷؛ زیلو سے میعول Susem ، $\frac{۵۴۷}{۵۵۲}$ بہتر صوبے، ابیان: "سوریہ" App. Sy ۶۲؛ سلطنت پارتھیا کی تقسیم کا اُصول اغلباً شام سے لیا گیا تھا۔ دیکھو متعاقب، باب ۱۹۔

باب ۸

اس کے برعکس مغربی ایشیائے کوچک پر سلیوکیوں نے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ شاہان مقدونیہ کا دربار "اڈلے"، پولی بیوس ۱۸، ۵۵۔ حکمران کے قریب "دوستان شاہی"؛ پولی بیوس ۵، ۲۲؛ لیوی ۳۰، ۴۲؛ ان میں سے بعض کو "دوستان اعلیٰ" کہتے تھے؛ مصر کے ابتدائی زمانے میں بھی "شاہی دوست" اور "منظور نظر دوست" تھے؛ ایرمان: "مصر" Erman. Aegypten ۱، ۱۱۰۔ مقابلہ کرو اسپتا: "مقدونیہ میں دوستان شاہی" Spitta:De amicorum in regno Macedon. cond. برلن ۱۸۳۲ء۔ زمانۂ مابعد میں رومن شہنشاہوں کے بھی اسی نوع کے "دوست" ملتے ہیں۔ "رشتہ داران شاہی" کلیس، پاؤلی ۶، ۱، ۲۳۱ میں اس زمانے میں ان ملوکیتوں میں اس وقت تک سوریناس جیسے وزیر کا ذکر نہیں جو بعد میں پارتھیا میں وزیر اعظم تھا (شپیگل: "ایران قدیم" Spiegel: Eran. Alter ۲، ۴، ۱۰)؛ تاہم نوشتوں اور مصنفوں کے اجزاء سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیوکیان کی سلطنت اور پرگامم میں وزیر اعظم کو "سربراہ کار امور" کہتے تھے (فرینکل: "نوشتہ جات" Fraenkel: Inschr. ۱، ۱۱۰)۔ دیکھو عقب، باب ۲۷، حاشیہ ۱۔ یہاں لفظ "باضابطہ" کا اضافہ کرنا چاہیے۔ اسی طرح متھرادائیس کے وزیر جنگ کا خطاب "سربراہ کار قوت"۔ مقدونیہ، شام، پرگامم، پونتوس کے حکمرانوں کے "اعزہ" (فرینکل: نوشتۂ پرگامون" F: Inschr. Von. Pergamon، حاشیہ نمبر ۱۷۹)۔

بعض صوبہ داروں کو "ستراپ" اور بعض کو "ایپارخ" (پریفکٹ) کہتے تھے، لیکن بعض جگہ انھیں استراتےگوئی کا لقب بھی دیا گیا ہے؛ پولی بیوس ۵، ۴۶؛ ڈرواسئےسن ۳، ۱، ۶۵۔ بعض مرتبہ ہم سلطنت کے کسی بڑے رقبے کے "نائب شاہ" سے بھی دوچار ہوتے ہیں جیسے انطاکوس اول جو مشرق میں واقعاً بادشاہ تھا، اور ایشیائے کوچک میں اکائیوس۔

تخت شاہی پر وارث کے تعین کا مسئلہ کہ وہ مرنے والے حکمران کا بیٹا ہو یا بھائی، واقعات وحالات کے تحت طے ہوتا تھا۔ سلیوکوس اول نے

باب۵

صرف قبضہ ہی نہیں کرنا چاہا بلکہ یہ کوشش کی کہ اُس پر اُن کا حق ملکیت بھی

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ جو شہر آباد کیے، دیکھو اپیان: "سوریہ"، ۵۷، Amm. Marc. ۱۴، ۸۵؛ پیوسانیاس کہتا ہے کہ ان کی تعداد ۵ ، تھی۔ ملالاس کے قریب دمشق: میولر .Fr ۴، ۰۰۷، ۴؛ مقابلہ کرو ڈرواے سن ۳، ۲، ۴، ۲۵۔

سلیوکس" استرابو، ۱۶، ۰۷، ۵؛ تترا پولس، ایضاً ۴۹، ۷۔

زیوگما، اپامیا اور سلیوکیہ؛ ڈرواے سن، ۳، ۲، ۳۰۶۔ اوروپس، استیفان ساکن بیزنطہ، بیرویہ (ڈرواے سن ۳، ۲، ۲۸۸) یعنی حلب اس وقت بھی ایران وہندوستان کے سیدھے راستے پر ایک خوشحال شہر ہے؛ بیڈیکر: "فلسطین" ۴۰۵ سلطنت کے انتزاع کے وقت یعنی تقریباً ۱۰۰ق م میں بیرویہ و ہرقلیہ کا خود سر دیونی سیوس تھا؛ استرابو، ۱۶، ۱۵، ۷۔ ہیئے راپولس (موجودہ ملنبج؛ بیڈیکر: "فلسطین"، ۵۰۴) اورنکاتورس؛ ڈرواے سن ۲۸۹، ۲۹۰۔ امفی پولس ایضاً ۳۰۹۔ ایدیسہ، ایضاً ۳۱۱؛ بابلون "شاہان سوریہ" Babelon: Rois de Syrie صفحہ CIII

میں نے باب ۲۰ کے حواشی میں دجلہ والے شہر سلیوکیہ کا ذکر کیا ہے، جسے بابلی نوشتے "ملوکی شہر" کا لقب دیتے ہیں؛ "مجریدۂ اشوریات" Zeitschrift fuer Assyriologie جلد ۷، ۲۳۲۔ سلیوکس کی بنیاد کے موقع پر موبدوں کی مخالفت، اپیان: "سوریہ" ۵۶۔

یوروپس، وغیرہ؛ ڈرواے سن، ۳۱۹۔ ۳۲۱۔

سلیوکس بدریائے کالی کادنوس، اپامیا، دامیہ؛ ڈرواے سن ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۴۷؛ و نیز اسی کتاب کے ابواب ۱۳ و ۲۰۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دیمتریوس اول (۱۶۲-۱۵۰ ق م) انطاکیہ سے باہر ایک قلعے میں رہتا تھا، اس لیے کہ اُسے شہر والوں کی طرف سے اطمینان نہیں تھا؛ اس سے شہروں کی خودمختاری کا اندازہ ہوتا ہے۔ مصر میں ایسی کوئی مثال دیکھنے میں نہیں آتی

پولی بیوس، ۵، ۵۰ میں مذکور ہے کہ ضلع کیرحوس کے ۶ ہزار سپاہی شاہی قوت کا

باش | مان لیا جائے ۔ یہاں بھی یہ ضرور مستثنیات سے تھا اس لئے کہ

لبقیہ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ - ایک بہت بڑا عنصر تھے ۔ شامی فوج کی ترکیب پولی بیوس ۵، ۹۷ نے جنگ رافیہ سے پہلے شامی فوج کی ترکیب کی پولی بیوس ۵، ۹۷ میں جو تفصیل دی ہوئی ہے اُس سے سمجھ میں آتی ہے ۔ یہاں ہم بیس ہزار سپاہیوں کا جو اغلباً مقدونوی تھے، ایک جتھا پاتے ہیں جن کے ساتھ سلطنت کے دس ہزار سپاہی جو مقدونوی اُصول پر مسلح ہیں، ۲۵۰۰ کریٹی اور ایک انبوہ بربریوں کا ہے جو مفصلۂ بالا سپاہیوں سے تعداد میں کم ہے ۔ ضلع کیرھوس میں بیرویہ، کیرھوس، ہیراپولس بامبی کے تھے ۔ اس ضلع کے علاوہ شام کے تین اور اضلاع کے یونانی مقدونوی نام تھے، (۱) حلب کے جنوب میں خالکدیس جس کا صدر مقام خالکس (موجودہ قنصرین) تھا؛ بیڈیکر: "فلسطین" ۴۱:۔ (۲) خالکدین، صدر مقام خالکس (لیبان پر) جسے اب انجر کہتے ہیں (بیڈیکر: "فلسطین" ۳۰۵) اور جو دمشق سے بیروت تک کی سڑک پر واقع ہے ۔ (۳) سلیوکس جس کا ذکر اس سے پہلے کیا جا چکا ہے ۔ ان اضلاع کے علاوہ بہت سے یونانی چار دیگر رقبہ جات میں آباد تھے : (۱) کوماگینی، مستقر ساموساتا دریائے فرات پر؛ دیکھو باب ۲۷ (۲) کیلوسوریہ (۳) تراخونی تس، جو جبیل جنسارتھ کے مشرق میں جبل حوران کا نام ہے؛ اس ضلع میں اس وقت تک سلطنت شام کے زمانے کے پتھر کے بیشمار مکانات ہیں؛ (۴) دیکاپولس؛ مقابلہ کرو پلینی ۵، ۴، ۷؛ شیورر: "تاریخ قوم یہود" Schuerer: Gesch. der fud Volkes ۲، ۳، ۸ وغیرہ ۔ یہ دریائے اردن کے مشرق میں تھا اور اسی میں شہر گیراسا آباد تھا؛ بیڈیکر ۱۸۱ ۔ گدارا، بیڈیکر ۱۹۸؛ فلادیلفیہ (رباط عمون)، بیڈیکر ۱۸۷، وستافنب، باب ۹، حاشیہ ۲، باب ۲۰، حاشیہ ۱۷۔ ان میں سے اضلاع ۲ لغایت ۴ مدت تک بطالسہ کے قبضے میں رہے، لیکن اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا اس لئے کہ مصر سے باہر بطالسہ یونان کی آزادی کے مخالف نہیں تھے ۔ ہمسایہ عراق عربی میں صوبہ جات اور زرد کیسے و میگدونیا کو بھی یونانی صوبے سمجھتا تھا، اور یہی حال سلیوکیہ بر دریائے دجلہ کا بھی تھا۔

انھوں نے کبھی اس مُلک پر رسمی دعوٰے نہیں کیا، اور چونکہ اس | باشب

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ - سسرو کی تحریر بنام دوستاں " ad famil. CIC ۱۲، ۱۳" سے معلوم ہوتا ہے کہ شامی شہروں میں یونانی ترقی کر رہے تھے۔ اس میں کاسیئس لکھتا ہے کہ دولابیلا نے طرطوس و دولابیلا سے ٹھیک وقت پر بظاہر ایک یونانی لشکر مجتمع کر لیا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہروں میں ایک منظم شہری فوج ہوگی۔ نیز دیکھو باب ۲۹، حاشیہ ۸ ؛ گارڈنر: "ابواب جدید" صفحہ ۴۳۶۔

ایشیائے کوچک اور شام کے ان شہروں کی بابت جنھیں مقدس و مامون کہا گیا ہے، دیکھو متعاقب، باب ۱۸۔

بابلون CXLIV, CXII, CXI یہ ٹھیک فرض کر لیتا ہے کہ انطاکیہ بدریائے اورونتیس و نیز دوسرے اسی نام کے شہروں کے باشندوں کو خاص خاص حقوق حاصل تھے؛ دیکھو متعاقب، باب ۱۸۔

جب جرمانی اقوام نے رومن سلطنت پر حملہ کیا ہے تو انھوں نے یہ قاعدہ مقرر کرایا کہ کسی مُلک کے بیرونی باشندے خود اپنے ہی قوانین کے تحت رہیں گے، اور بجنسہ یہی قاعدہ سکندر اور اُس کے جانشینوں کے عہد میں جاری تھا، بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس کا رواج زمانۂ قدیم میں برابر تقریباً ہر جگہ تھا۔

اکائیوس بلدیات سے مدد کا طلبگار رہتا ہے؛ پولی بیوس ۵، ۷۵ شام میں یونانی تمدن کے پھیلنے کی بابت نیولدیکے Noeldeke اور متائس Mitteis کے خیالات موخّر الذکر کی کتاب "قانون سلطنت و قانون قومی" Reichsrecht und Volksrecht، لائپزگ، ۱۹۱، صفحہ ۲۶ وغیرہ میں دیکھنے چاہئیں۔ متائس یہ ثابت کرتا ہے کہ ضابطہ پیٹے رالوس میں جو شامی قوانین منضبط ہیں اُس کی بنیاد قانون یونان پر تھی۔

اصلی شامیوں کو شخصی محصول ادا کرنا ہوتا تھا؛ متائس صفحہ ۲۷۔

تجارتی راستے؛ ڈروائسن ۳، ۱، ۳، ۷؛ گارڈنر: "ابواب جدید" ۴۳۷۔

باب ۵ ملک کے خصائص میں یونانیت کا عنصر غالب تھا - اس لئے ہمیں

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ - پیتروکلیس کے لئے زوسے میل Susemihl "۶۵۷/۶۵۹"-
سلطنت شام میں تمدن، ڈرواے سن ۳۰، ۱/۱، ۵، ۷۷. متعاقب باب ۲۰-
سکہ جات:- پرسی گارڈنر: "فہرست سکہ جات شاہان شام بنوادر خانۂ برطانیہ"
۱۸۷۸ء-ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات" ۶۳۲، وغیرہ؛ اس کی بابت خاص طور پر بابلون
"شاہان سوریہ" Babelon: Rois de Syrie، پیرس ۱۸۹۰ء دیکھنا چاہئے- بابلون
اپنی تمہید میں تحقیقات ماقبل سے کام نکالتا ہے اور اس کی توضیح کرتا ہے، نیز
دیکھو اسی کی کتاب: "امور مختلفہ متعلق مسکوکیات" Mélanges Num ismatiques
پیرس ۱۸۹۳ء، ص ۱۲۴/۱۲۹ - بابلون یہ دلچسپ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ "بعل ترز اور شیر والے
ستاترجن پر یونانی حروف میں جو طغرا یا علامتیں کندہ ہیں، مجموعی حیثیت سے ان
سکوں کے قائم مقام ہیں جو سکندری عہدہ داروں نے، کیا بحیثیت صوبہ داروں
کے، اور کیا بحیثیت سپہ سالاروں کے ۳۰۶ ق م سے (یعنی اس تاریخ سے)
پہلے جب ان میں سے بعض نے چتر شاہی اختیار کیا، بنائے تھے، بدیں سبب
حروف ANT سے جو بعض سکوں پر منقوش ہیں (جن کے لئے دیکھو امہوف
"سکہ جات یونان" Imhoof: Monnaies greques ص ۳۷۷/۳۷۸) مراد انتی گونوس سے
اور ۵ سے مراد دیمتریوس سے ہوگی - سلیوکوس اور دوسرے جانشینان سکندر کے
کے سکوں میں خود سکندر کا اتباع کیا گیا ہے - نام نہاد سکہ جات سکندر (جلد ۳
باب ۲۷، حاشیۂ ۱۲) کی برابر تسکیک جاری رہی، اور صرف لوا حقے سے یہ معلوم
ہو سکتا ہے کہ یہ تسکیک در اصل کس نے کرائی تھی - مقابلہ کرو میولر: "سکہ جات
سکندر اعظم" Mueller: Numismatique d'Alex le Grand کوپن ہاگن ۱۸۵۵ء-
مثلاً جن پر . ہیٰ سے انھیں کا ساندر کے ساتھ، جن پر عقاب بنا ہے انھیں
بطلیموس کے ساتھ جن پر شیر کا نصف دھڑ ہے وہ لیزی ماخوس کے ساتھ
اور جن پر گھوڑا بنا ہے وہ سلیوکوس کے ساتھ منسوب کئے جاتے ہیں؛ انتی پاتر،
یومنیس، اور انتی گونوس کے علامات کا ابھی تک انکشاف نہیں ہوا - جب

باب ۵ اس سے خاص دلچسپی ہے۔ اس سکہ میں ضلع اولمپوس اور دریائے ھین داکوس کے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ جانشینان سکندر نے لقب شاہی اختیار کرلیا (بالخصوص سال ۳۰۶ ق م کے بعد) تو یہ تبدیلی کردی گئی کہ بجائے نشستہ زیوس کے "سکندری" سکوں پر ایستادہ پالاس نظر آتی ہے اور ان سکوں پر مختلف حکمراں اپنے اپنے نشانات ڈال دیتے ہیں۔ زاں بعد انطاکوس اول اپولو کی شبیہ کو شام میں مروّج کرتا ہے۔ سلطنت سلیوکوس کے سکوں کی بابت یہ کہتا ہے کہ بہ نسبت دوسری سلطنتوں کے اُن کے نوشتوں میں زیادہ تنوّع پایا جاتا ہے، اور اس ضمن میں بطالسی سکوں سے اس کا خاص تباین نظر آتا ہے۔ یہ تباین در اصل ان دونوں سلطنتوں کے خصائص کے تباین کی وجہ سے ہے۔ یہ سکّے مخصوص طور پر یونان کی پیداوار ہیں، لیکن اپنے ہمسایوں سے بالکل خلاف سلطنت بطالسہ میں علاوہ خاندان شاہی کے مشکل سے کوئی یونانی عنصر نظر آتا ہے۔ اس کے برعکس سلطنت شام میں ہم متعدد یونانی بستیوں سے دوچار ہوتے ہیں، اور خود حکمران یونانی تمدّن کو پھیلانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خاندان شاہی کے قیام کے بعد بھی یہاں کے سکوں میں اس قدر یونانیت غالب نظر آتی ہے جیسی جانشینان سکندر میں سے کسی کی حکومت میں نہیں پائی جاتی۔

سلیوکوس نے بابل پر ۳۲۱ ق م میں قبضہ کیا، اور ابتدا میں اُس نے وہی سکہ جاری رکھا جسے مازائیوس نے جاری کیا تھا اور اُس کی لنگر کی علامت کو اختیار کرلیا جو اُس کے خاندان کا مخصوص نشان رہا (دیکھو فوق باب ۲، حاشیہ ۸) سنہ ۳۰۶ ق م تک اُس نے اپنے نام سے سکے نہیں ڈھلوائے۔ سینگوں والے سکّے بھی اُسی کے ہیں، اور ان میں سے کسی میں تو اُس کے اپنے سر پر، کسی میں اُس کی خود پر اور کسی میں ہاتھی پر سینگ نظر آتا ہے۔ ان سکوں کے لئے دیکھو بابلوں XXXV تا XXXIX سینگ سے مراد قوت ہے اور معبودوں میں اُسے دیونی سیوس کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ سینگ دار گھوڑے سے بوکے فالوس کی یاد تازہ ہوتی ہے جس کے نام پر سلیوکوس کی سلطنت کا شہر

باب ۵

بالائی حصے کا ملک دریائے پار تھے نیوس تک جو تیوس اور اماترس کے درمیان بحیرۂ اسود میں جاکر گرتا ہے، شامل تھا۔ اس مملکت کا قلب وہ ملک ہے جو بالائی سنگاریوس کے کناروں پر آباد ہے۔ اس میں بوسفورس کا ایشیائی کنارہ مع خالکدون کے، اور دوسرے قدیم وجدید بلدیات بھی شامل تھے جن کی طرف ہم ناظرین کی مزید توجہ متعاقب

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ بو کے فالا موسوم کیا گیا تھا۔ ہاتھیوں کی مدد سے جنگ ایپوس سلیوکوس کے ہاتھ آیا اور انطاکوس اول نے غالویوں کو نیچا دکھایا۔ سلیوکوس کا لقب "سردار پیلان" تھا (پلوٹارک: "دیموس تھنیس ۲۵")۔ انطاکیہ میں ایک "ہشت دروازہ برائے پیلان" کا ذکر سننے میں آتا ہے جسے دیوکلی تیان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے (بابلون XXVIII) سلیوکوس کے دوسرے سکوں پر جو شبیہیں بنی تھیں اُن کے لئے دیکھو بابلون۔ اپولو کی رسوم کی بابت یہ امر قابل لحاظ ہے کہ سنہ ۳۰۰ ق م ہی میں واخنے کو معنون کیا گیا، سلیوکوس اور ستراتونیکے نے دیلوس تحائف بھیجے، لیکن ناف پر بیٹھی ہوئی اپولو کی تصویر سب سے پہلے انطاکوس اول نے رائج کی تھی۔ اس کے بعد انطاکوس چہارم نے عبادت زیوس کا احیا کیا سلیوکوس کے ٹکسالوں کے لئے دیکھو بابلون XXXV تا XXXIX

سکندر کے جانشینوں میں سلیوکوس سب سے کم عمر تھا اور خود سکندر سے بھی چھوٹا تھا، اور وہی ایک تھا جس نے سکندر کے تمدنی طرز عمل کو سمجھا تھا اور پسند کیا تھا۔ میں اُسے سکندر کا ایک وفادار چیلہ سمجھتا ہوں۔

ڈروائے سن اسے تسلیم نہیں کرتا کہ سلیوکوس نکاتور نے اندرون ایشیا کوئی شہر آباد کیا ہو لیکن راد ے Radet اپنی کتاب "نو آبادیات" De Colon. ۵۰ میں اس کی طرف لاؤدیسیہ کاتاکومینے اور تیاتیرا (مع مفصلات کے) منسوب کرتا ہے۔ لاؤدیکیہ کی بابت کافی معلومات حاصل نہیں ہیں۔ تیاتیرا کی بابت شتنت بیزانطیوس، St. Byz. کا پارہ بلا شبہہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو متعاقب، باب ۱۳، حاشیہ ۷۔

باب ۵

مبذول کریں گے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بتھی نیہ کے فرماں روا بنی نوع انسانی کے لئے کوئی نمونہ تھے، بلکہ اس کے برعکس بعض تو طبعاً نہایت ہی رذیل تھے؛ لیکن فی الجملہ اُنھوں نے بہت سے دوسرے حکمرانوں، مثلاً فیلقوس یا قبل آخر شاہ مقدونیہ سے کم نقصان پہنچایا، اس لئے کہ ان میں اتنی عقل ضرور تھی کہ اپنے عمق کا صحیح اندازہ کر سکیں اور اس سے آگے نہ بڑھیں، چنانچہ محض اپنی حدِ پرواز کے اندازے کی وجہ سے وہ بے کار ظلم و ستم پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے اُنھوں نے اپنے قلمرو کے یونانی بلدیات کو کافی آزادی دے دی تھی۔ ایجیئن اور بحیرۂ اسود کے مابین جو نہایت اہم تجارت ہوتی تھی اُس میں اُنھوں نے کبھی مداخلت نہیں کی، خواہ اس لئے کہ وہ اُس کے اہل نہ تھے، ورنہ اس لئے کہ اُنھوں نے اس کی کبھی خواہش نہیں کی۔ انکے تعلقات جمہوریۂ ہرقلیہ کے ساتھ اچھے خاصے تھے۔ ہم باب ۱۳ میں بتھی نیہ کا دوبارہ ذکر کریں گے اور ساتھ ہی پرگامم کے واقعات بھی پیش کریں گے جس کے ساتھ کیزی کوس کے وہی تعلقات تھے جو ہرقلیہ کے بتھی نیہ کے ساتھ تھے یعنی دونوں شہر آزاد تھے لیکن ساتھ ہی اپنی ہمسایہ مملکتوں کے دوست اور حلیف تھے۔ اتالوس اوّل کی ملکہ اپولونس، جو یومنیس دوم اور اتالوس دوم کی ماں تھی، کیزی کوس ہی کی رہنے والی تھی۔[۱۱]

---

۱۱ بتھی نیہ۔ اس کا سنہ مروجہ، رائناش: "متھرادائیس ۲۸۳"؛ موم سن کے نزدیک ۲۹۷ قم؛ رمیزے As. Min. سنہ $\frac{۲۸۳}{۲۸۲}$ قم۔ تاریخ بتھی نیہ، کلنٹن Clinton, F. H. ۲، ۴۲۰ وغیرہ۔

ہرقلیہ۔ اسناد: ہیم نون دیکھو بالا حواشی باب ۱؛ جسٹن ۱۶، ۳ تا ۵؛ پولسبرو "معاملات ہرقلیہ" Polsberw. rebus Heracl. سنہ ۱۸۳۳ء؛ کیمل: "معاملات ہرقلیہ"

باب ۹

اب ہم ایشیائے کوچک کے اہم ترین قدیم بلدیات کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور یہاں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھیں اب کس قسم کی آزادی حاصل تھی۔ اس پر غور کرنے کے وقت یہ نامناسب ہوگا کہ ہم زمانۂ حالیہ کے خیالات سے متاثر ہوں۔ آجکل تو ہمارے پاس ایک ایسا قانون بین الاقوام ہے جو چند مسلّمہ مملکتی عہدناموں پر مبنی ہے، اور جس کی وجہ سے مختلف مملکتوں کی نوعیت مستقل ادارات کی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی مملکت ایسی ہوتی ہے جس کی واقعی حالت و کیفیت کو دوسری مملکتیں تسلیم نہیں کرتیں تو پھر اس میں لازمی بےچینی ہوتی ہے، اور کبھی کبھی اُس کے مادّی تعلقات پر بھی اس کا اثر

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ Kaemmel: Heracleotica ۱۸۶۹ء؛ شنائیڈروِرت: "ہرقلیہ" Schneiderwirth: Heraklea ۱۸۸۲/۱۸۸۴ء؛ فون ولاموِوتز: انتی گونوس ساکن کارستوس صفحہ ۱۵۵۔

بطلیموس اول کا بھتیجا بطلیموس خالکدون اور استاکوس کی آزادی تسلیم کر لیتا ہے؛ ڈرو ائزن ۲، ۲، ۱۵۱۔

نکومیدیس اول کیوس کو بیزنطہ اور ہرقلیہ کے ساتھ ساتھ وصیت کی رو سے مختار بناتا ہے، چنانچہ وہ آزاد ہو جاتا ہے؛ دیکھو عقب باب ۹۔

کیزی کوس۔ مارکوارٹ: "کیزی کوس" Marquardt: Cyzicus برلن ۱۸۳۶ء؛ ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات" ۴۵۴۔

اپولونیا کے لئے دیکھو فرینکل: "نوشتہ جات پرگامم" Fraenkel: Zu den Inschriften von Perg. نمبر ۱۶۰، ۱۶۹؛ کیوپ: "جریدہ تاریخ ازمنہ" Koep Beil. Z. All. Zeit ۱۸۹۲ء، یکم اپریل۔

کیزی کوس اور اتالوسیوں کے تعلقات مابعد، فرینکل نمبر ۲۴۸۔

پرگامم کے لئے دیکھو عقب، باب ۱۰، حاشیہ ۲؛ باب ۱۳، اور خاص طور سے باب ۲۱۔

پڑتا ہے۔ قدیم زمانے کی صورت حال بالکل جداگانہ تھی اُس وقت قانون بین الاقوام کی بناء واقعی حالات و واقعات پر تھی اور علی العموم اس کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی کہ کسی مملکت کے وجود کو دوسری مملکتیں بایں الفاظ تسلیم کریں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جہاں تک مختلف مملکتوں کی یونانی حیثیت کا تعلق ہے، ہر مملکت کی اساس اور بنیاد بجنسہ اسی اُصول پر تھی۔ یونانی مختلف شہری بستیوں پر مشتمل تھے، اور ہر شہری بستی لازماً خودمختار ہی نہیں تھی بلکہ دوسرے بھی اُسے خودمختار تسلیم کرتے تھے۔ وہ اپنے تمام حرکات و سکنات کی خود ہی ذمہ دار تھے، ان بلدیات پر غیر ملکی اثرات بھی پڑتے تھے، لیکن ان اثرات سے اُن کی خودمختارانہ حیثیت میں مطلق کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا تھا، اور اثر کے دوران میں بھی شہر کی حیثیت خودمختارانہ ہوتی تھی، چنانچہ ایسی حالت میں بھی کہ کوئی غیر ملکی جیش اُس پر قابض ہو، وہ برابر دوسروں سے عہد نامہ کرنے اور تعلقات رکھنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ اُس عہد میں کسی بلدیہ کا دستور سیاسی کبھی کسی دوسری مملکت نے معطل نہیں کیا، اور حقیقت یہ ہے کہ غیر ملکی ہمیشہ ایک خاص حد تک دباؤ ڈالنے پر اکتفا کرتے تھے۔ علاوہ بریں مستقل سفارتوں کے فقدان کی وجہ سے بھی منفرد مملکتوں کی آزادی مستحکم تھی، اور دُنیا کو کسی مملکت کے دستور سیاسی کی داخلی تبدیلی کا بعض مرتبہ علم بھی نہیں ہوتا نہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ کس حد تک ایک مملکت جو نظریۃً آزاد ہو، کسی خاص موقع اور وقت پر کس حد تک دوسرے کسی کی دست نگر تھی۔ ہر ملت جو پیش پیش ہو سکتی تھی اُس کی قدر کی جاتی تھی، اور ساتھ ہی کسی مملکت کی آزادی کے سلب کرنے میں آجکل جس قسم کی مشکلات پیدا ہوتی ہیں (جیسے کراکاؤ والے معاملے میں ہوئیں) وہ اُس زمانے میں نہیں ہوتی تھیں۔ اس کے برعکس مادی مشکلات بہت زیادہ تھیں، اس لئے کہ ہر ملت کو آزادی کا گویا

حق حاصل تھا، اور یہی کیفیت شہریوں کی بھی تھی، کہ خود مختار رہیں یا دوبارہ خود مختار ہو جائیں۔

انھیں امور کے باعث یہ طے کرنا ممکن نہیں کہ ایشیائے کوچک کے کون کون سے شہر آزاد تھے اور کون سے نہیں۔ قانوناً تو تمام قدیم یونانی شہر آزاد ہی تھے، لیکن واقعاً مکمّل آزادی ہمیشہ اُن کی قسمت میں نہیں لکھی تھی۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی شہر جیسے کسی بادشاہ نے آزاد کر دیا ہو اور اس کا نام اپنے نام پر یا اپنے کسی فرد خاندان کے نام پر رکھدیا ہو وہ واقعتاً یونانی کہلانے کا اور روایتی طریق پر خود مختار ہونے کا مستحق تھا یا نہیں، اس لئے کہ اس کی یونانیت اور خود مختاری دونوں واقعات و حوادث پر منحصر تھے۔

یہاں کے ممتاز ترین بلدیات مفصلّہ ذیل تھے: شمال میں لمپساکوس جو اپنے حسین اور خوبصورت سکوں کے لئے مشہور تھا، اور ابی دوس جس کا محل وقوع ہیلیس پونٹ کے تنگ ترین موقع پر ہونے کی وجہ سے اہم تھا، اور جیسے ۲۰۳ق م میں لیزی ماخوس کے خلاف، اور اس سے بھی زیادہ شدّت کے ساتھ ۲۰۱ق م میں فیلقوس شاہ مقدونیہ کے خلاف جرأت و ہمّت دکھائی تھی۔ ان شہروں اور بیزنطہ کی وجہ سے بحیرۂ اسود کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ ان کے بعد سمرنا کا نمبر آتا ہے۔ الیاتیس کی تاخت کے بعد اسکا بلدی مرتبہ جاتا رہا تھا اور اُس کی حیثیت چند قریوں کے مجموعے سے زیادہ نہیں رہی تھی۔ لیکن انتی گونوس نے اُس کے بلدیات کا احیاء کر دیا تھا اور لیزی ماخوس نے اُس کی تزئین کر کے اُس میں چار چاند لگا دئے تھے۔ ہمیں ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ق م کے وسط میں وہ از سر نو ایک اہم شہر بن گیا تھا اور اس سے ہماری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ اُس وقت بھی جب کسی شہر پر کسی غیر بادشاہ کا اثر ہوتا تھا یہ شہر رعایا کی لفظ سے نہیں بلکہ حلیف اور دوست کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ بلا شبہہ اس قسم کے کمزور دوستوں کے ساتھ

باب ۵

ذی اقتدار حکمران اچھا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال
اُس فرمان سے ملتی ہے جو انتی گونوس نے تیوسیوں کو لیبے دوس
اور تیوس کے سیاسی اتحاد اور لیبے دوس والوں کے نقل مکان کی
بابت بھیجا تھا۔ ایونیہ کا اہم ترین شہر ایفی سوس تھا، لیکن یہ کبھی
بیرونی اثرات سے آزاد نہیں رہا اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ پہلے
تو یہ سلیوکیوں کی اور پھر مصر کی سیادت میں آگیا تھا۔ مزید تفصیلات
کے لئے حاشیہ دیکھا جائے۔ جزائر کو لیجئے تو خیوس ساموس سے
زیادہ آزاد ہے اس لئے کہ موخرالذکر مصر کا ماتحت نظر آتا ہے۔
کوس بھی کم وبیش ساموس ہی کی طرح خانوادۂ بطالسہ کا ماتحت
تھا۔ یہاں رھوڈز کا ذکر نہیں کیا جائے گا؛ یہ جزیرہ بالکل آزاد
تھا اور ہمیں اس کی طرف اکثر توجہ کرنی پڑے گی (دیکھو بالخصوص
باب ۲۲) رھوڈز و مصر دونوں کے اقتدار کی وجہ سے کاریہ،
لیدیہ اور پمفیلیہ کو بیرونی دُنیا میں اپنا نام پیدا کرنے کا مشکل سے
کوئی موقع باقی رہا، لیکن ان کے باشندے بیرونی دُنیا کی صرف اس
حد تک پروا کرتے تھے جب تک اُس سے تعلقات کی وجہ سے
اُن کی جیبیں بھری جاتی ہوں۔ یہ سب، اور بالخصوص کاریہ اور
پمفیلیہ والے تاجروں، اجیر سپاہیوں اور بحری قزاقوں کا پیشہ
کرتے تھے [۱۱]

۱۱؎ ایشیائے کوچک کے بلدیات کا محل وقوع؛ دیکھو بالا، باب ۲، حاشیہ ۱۔
آجکل کے زمانے میں اُس عہد کے بلدیات کا سیاسی رتبہ دریافت
کرنے میں بہت کچھ تحقیقات سے کام لیا جاتا ہے۔ خواہ یہ بلدیات خودمختار
ہوں یا نہ ہوں، دیکھو گیبلر؛ "اریتھرائے" Gaebler: Erythrae ۱۷، ۲۰، ۲۲،
وبیز دوسرے مورخوں کی تصانیف۔ لیکن باوجود ان مورخوں کی محنت کے
اُنھوں نے کوئی قطعی معلومات بہم نہیں پہنچائیں۔ ہمیں قانونی حیثیت کی بجائے

باب۵ آخر میں ہمیں اس امر پر دوبارہ زور دینا ہے کہ سلیوکیوں نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ واقعی سیاسی رتبے سے بحث ہوتی ہے، اور اکثر محض الفاظ کو واقعات کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً ص ۱۷/۱۸ پر گیبلر کہتا ہے کہ انتی پاتر کی موت پر صوبہ داروں نے "آزاد بلدیات کو زیر کرنا اور لشکروں کے ذریعے سے انھیں دست نگر رکھنا شروع کیا" لیکن اس دوران میں انتی گونوس اٹھتا ہے جو یونانیوں کا "نجات دہندہ" ہے، اور "وہ بلدیات کو از سر نو آزاد کر کے اُن کی حفاظت کے لئے اُن میں لشکر چھوڑ دیتا ہے"۔ گیبلر نے اپنے اس خیال کی تائید میں دیودوروس ۲، ۵۰ کا حوالہ دیا ہے اور گو میں نے دیودوروس کسی جگہ اسکا شائبہ بھی نہیں پایا تاہم اگر بالفرض یہ سب درست بھی ہو، تو "اس نجات دہندہ" اور "ظالم حکمران میں" کوئی فرق باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ لشکر تو لشکر ہی ہے، اور لشکر کے ذریعے سے آزادی ملنے کا مطلب ظلم و ستم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ہم خواہی نخواہی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ بلدیات کی سیاسی حیثیت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ بادشاہوں نے بلدیات پر جتنے چاہے مظالم ڈھائے اور رہی لفاظی، تو اس سے کچھ جاتا تھوڑا ہی ہے۔ رادے ("آبادکار" Radet: De Coloniis پیرس ۱۸۹۲ء صفحہ ۸۲ وغیرہ) کہتا ہے کہ قاعدہ یہ تھا کہ اندرونی معاملات میں یہ بلدئے خود مختار تھے، لیکن سپہ سالاروں اور کمانداروں کے ذریعے سے معاملات کی نگرانی کی جاتی تھی، اور یہ محاصل بھی وصول کرتے تھے۔ باشندوں کی وفاداری میں مذہب ممد و معاون ہوتا تھا، فہوہذا: (۱) خود بلدئے کے بانی کی یا اسکی جسکے نام پر یہ موسوم ہوتا تھا، پوجا کی جاتی تھی، جیسے انطاکوس، لاؤدیکے، اور یتمی سوس (۲) سکندر اور زندہ مردہ حکمرانوں کی پوجا کی جاتی تھی، اور اُن کے پجاری مخصوص ہوتے تھے؛ سلیوکوس کے "مقدر" کو بھی معبود قرار دیا جاتا تھا (رادے ۸۰)۔ رادے (صفحہ ۱۷) اس تنازع کا بھی حوالہ دیتا ہے جو شہر مگنیشیہ میں یونانی "باشندوں" اور "سپاہیوں" کے درمیان برپا ہوا تھا۔ اس قسم کے معاملات میں بے حد تنوع نظر آتا تھا۔

یونانی مقدونوی تفوق کے اصول میں سکندر اعظم کی پیروی کی اور

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ حکمرانان پرگامم کی حیثیت دلچسپ ہے؛ ابتداء میں وہ ایک آزاد یونانی نوآبادی تھی۔ یہاں کے بادشاہوں کے لئے دیکھو فرنیکل: کتبہ نمبر ۵، و نیز مضمون سوبودا Swoboda ۱۸۹۱ء Rh. Mus میں۔ پرگامم کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے بادشاہ عموم کی خودمختاری کا پاس کرتے تھے، لیکن اُس کی قرارداد وں سترا گی اور ایپستھی مقرر کر کے طرح طرح کے اثرات ڈالتے رہتے تھے۔ دیکھو فرنیکل ۱۸۔

لمپساکوس کے لئے ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات"، ۴۵۔

ابی دوس لیزی ماخوس کے خلاف نہایت بہادری سے لڑتا ہے؛ ڈرواے سن ۲۰۱، ۲۱۱؛ اسی طرح فیلقوس پنجم کے خلاف بھی ہتھیار اٹھاتا ہے؛ دیکھو عقب باب ۱۶۔

سمرنا؛ دیکھو کون Kuhn "قیام مملکت ہائے قدما" Entsteh. der Staedte der Alten لائپزگ ۱۸۷۸ء، ص ۳۲۹/۳۲۲۔ اسی مقام پر لیزی ماخوس کے قائم کئے ہوئے دوسرے شہروں کا ذکر بھی مل جائے گا۔ سمرنا و مگنیشیا کے باہمی تعلقات، "مجموعۂ نوشتہ جات یونان" C.I.G. ۳۱۳۷ = ہکس Hicks ۱۷۶ = ڈٹن برگر ۱۷۱۔

تیوس و لیبے دوس: لبا واڈنگٹن: "ایشیائے کوچک" Lebas-Waddington ۸۶ = ہکس ۱۴۹ = ڈٹن برگر ۱۲۶؛ ہم دیکھتے ہیں کہ اختلاط باہمی ایسا آسان کام نہ تھا۔

ایرتیھرائے کے لئے گیبلر کی کتاب دیکھنی چاہئے۔

عام طور پر ایونیائی شہروں کے لئے دیکھو ہیڈ: "فہرست سکہ جات نوادر خانۂ برطانیہ" ـ ایونیہ XLVI

ایفی سوس؛ باب ۱۳ و ۱۷ و ہیڈ کی کتاب "ایفی سوس کے سکوں کا تنوی تسلسل" XLVIII Of the chronological sequence of the coins of Ephesas، لندن

باب ۳ | اُس کے کام کو جاری رکھا - بلاشبہہ یہ طرزِ عمل نہایت نفیس تھا،

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ ۔ نمبر ۱۸۹ء؛ تاریخی امور میں ہیڈ زیادہ تر ڈرواۓ سن کا اتباع کرتا ہے ۔ جملہ واقعات صاف نہیں ہیں، لیکن اسی سبب سے کہ شہر بالکلیہ آزاد نہیں تھا، اس کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے ۔ سنہ ۳۰۲ ق م کے بعد ایفی سوس پر پہلے لیزی ماخوس کا اور پھر دیمتریوس کا قبضہ ہوا، لیکن آخر کار پھر اُس پر بھی دوبارہ لیزی ماخوس قابض ہوگیا اور اُس نے اس کا نام بدل کر اپنی بیوی ارسی نوا کے نام پر رکھ دیا اور اُس کی حکومت اپنے بیٹے اگاتھوکلیس کے سپرد کردی ۔ ہیڈ کہتا ہے (" ایونیہ" صفحہ XLVI کہ ارسی نوئے کے موقتی نام سے ایفی سوس نے اٹیکائی اٹھ او بولیاں اور تانبے کے سکے ڈھالے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے یوری دیسیہ کے نام سے بھی تانبے کے سکے لیزی ماخوس کی ایک بیٹی یوریدیس کے اعزاز میں ڈھالے" (تصویر نمبر ۱، ۷) ۔ لیزی ماخوس کی موت کے بعد ایفی سوس آزاد ہوگیا لیکن اُس پر یکے بعد دیگرے سلیوکوس، انطاکوس اوّل اور مصر کے اثرات پڑے؛ دیکھو فیلارخوس Ath. ۱۳، ۵۹۳ ۔ اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اُس کی تاریخ کی بابت ہیڈ اور بابلون میں اتفاق رائے نہیں اسلئے کہ ہیڈ کے نزدیک اُس عہد میں سلیوکیوں کا مطلق کوئی اثر نہیں اور سنہ ۲۵۸ ق تک میں مصری طرزِ عمل سے متاثر ہوجاتا ہے، بابلون LXXIII یہ دکھاتا ہے کہ یوزے بیوس ۱، ۲۵۱ کے مطابق انطاکوس دوم کا سنہ ۲۴۶ ق م میں ایفی سوس میں انتقال ہوا، چنانچہ مستقل مصری اثر اس سنہ کے بعد ہی شروع ہوا ہوگا، اور اُس کی ابتدا سلیوکوس اور انطاکوس ہیئے راکس کے باہمی تنازعے سے ہوئی ہوگی ۔ ان اسباب کی بناء پر بابلون کو کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ شہد کی مکھی والے سلیوکی سکوں کو کیوں ہیئے راکس کی طرف منسوب نہ کیا جاۓ ۔ جب ایفی سوس بطالسی اثرات کا پھر تابع ہوا تو اُس نے از سر نو رھوڈزی معیار کے سکے بناۓ (ہیڈ: "ایونیہ" XLVII بطلیموس یوئرگی تیس کی بیوی بیری نیس دوم کی ایک طلائی اٹھ درہمی بھی ایفی سوس میں ڈھالی گئی ۔ ایفی سوس اور رھوڈز کے

لیکن اس کی تکمیل اُن لوگوں کے لئے نہایت دشوار تھی جن میں سکندر کی نقل کرنے کی اُمنگ تو ہو لیکن اُس کی سی قابلیت نہ تھی۔ یہ فرمانروا چاہتے تھے کہ اس طرزِ عمل کے ساتھ ہی ساتھ مطلق العنان بادشاہ بھی بن جائیں در آنحالیکہ (ایشیائیوں کے برخلاف) یونانیوں کا رجحان غلامانہ حکمبرداری کی طرف تھا نہ ان میں اُس کی فطری اہلیت تھی اسی وجہ سے سلیوکیوں کو بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جس کا نتیجہ

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ تعلقات نہایت دیرینہ تھے (دیکھو جلد ۳ باب ۳، حاشیۂ ۱۱)؛ چنانچہ جس وقت اُس نے سلیوکی جوا اپنے کندھے سے اُتار پھینکا اور بطالسہ کا وفادار حلیف بن گیا اُس وقت اُس نے اپنے سکّوں کو از سرِ نو رھوڈز کے معیار پر بنایا اس لئے کہ رھوڈز بھی اُس وقت مصر کے محالفے میں شامل تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ایفی سوس مشرق کے اہم ترین بندرگاہوں میں سے ایک بن گیا۔ اس واقعہ سے کہ گو ایفی سوس کلیتہً آزاد نہ تھا تاہم اپنے سکّے بناتا تھا، یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود مختاری کے معنے میں بہت کچھ بسبت و کشاد کی گنجائش تھی۔ نیز دیکھو عقب، باب ۱۳، حاشیۂ ۲، باب ۲۱۔ حاشیۂ ۴، جہاں ایفی سوس کے سکّوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کرتیوس نے بیت خانے کے تعلّق کا جو ذکر کیا ہے اور سمرنا کی تشبیہ کا بھی لحاظ رکھنا چاہیئے۔

ساموس۔ ساموس اور پری اینے کے جھگڑے میں لیزی ماخوس کا تصفیہ؛ مجموعۂ نوشتہ جات یونان" C.I.G ۲۱۵۶ = ہکس ۱۵۲۔

کوس۔ مقابلہ کرو پیٹن وہکس: "نوشتہ جات کوس" Paton & Hicks: The Inscr. ، آکسفرڈ ۱۸۹۱ء جس میں کوس کی مفصل تاریخ دی ہوئی ہے۔ لارفیلڈ: "جریدۂ ہفتہ وار لسانیات" Berl. Phil.Woch. ۱۸۹۲ء نمبر ۲۲ و ۲۳۔ او بیرانتی گونوس کے خط کا جو اقتباس دیا ہوا ہے (ڈٹن برگہ) متحدۂ تیوس و لیبے دوس میں کوس ہی کے قوانین رائج تھے۔ بطلیموس فلاڈیلفوس کوس ہی میں پیدا ہوا تھا۔

رھوڈز کیلئے دیکھو عقب؛ باب ۲۲؛ کریمیہ کے لئے باب ۲۵۔

باب ۳

یہ ہوا کہ انھیں خود اپنی ہی غلطیوں کی وجہ سے اپنے اقتدار کو خیر باد کہہ دینا پڑا۔ اُدھر شہری زندگی کو برابر فروغ ہوتا گیا تا آنکہ تمام سلطنت چھوٹے چھوٹے شہری رقبوں میں منقسم ہو گئی۔

ہم اقصائے شمال یعنی کریمیہ کے یونانیوں کا ذکر ایک خاص موقع یعنی باب ۴۵ تک ملتوی کرتے ہیں، اور اس وقت مصر کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

مصر میں جو صورت حال تھی وہ شام اور ایشیائے کوچک کی کیفیت سے بالکل جداگانہ تھی۔ مصری حکمرانوں کا کام نسبتہً آسان تھا۔ حکومت کی داغ بیل ایک ایسے شخص نے ڈالی تھی جو بہادر ہونے کے ساتھ ہی ساتھ مدبر بھی تھا اور جس نے حکومت کے کل پرزوں کو ملک کی کیفیات کے حسب حال ڈھالا جس کی وجہ سے یہ تقریباً خود بخود چلنے لگے۔ اس سہولت کے تین اسباب تھے: اوّل تو ملک کی حیثیت، دوسرے اس کی ساخت اور تیسرے مصریوں کے فطری خصائص۔ یہ تینوں باتیں اپنی اپنی حد تک بالکل لاثانی تھیں اور اگر مصری حکومت کا مقابلہ باقی ماندہ اُن حکومتوں سے کیا جائے جو سکندر کے بعد پیدا ہوئیں تو ہمارے نزدیک اس کا ثانی ہرگز نہیں نظر آئے گا۔

مصر کے محل وقوع میں خاص بات یہ ہے کہ وہ چاروں طرف صحراؤں اور سمندروں سے گھرا ہوا ہے اور کوئی بڑی جانب سے اس میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو اُسے طرح طرح کی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے؛ نیز چونکہ ساحل نہایت ہی چھوٹا ہے اس لئے ملک کی حفاظت نسبتہً آسانی سے کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ملک شاہراہ تجارت میں واقع ہے۔ ملک کی قدرتی کیفیت ہے کہ فطرت کے ایک کلیے کی وجہ سے زرخیزی میں کبھی کمی نہیں ہو سکتی۔ اس کے باشندوں کی طرز بود و باش بھی ہمیشہ سادہ رہی ہے اور وہ فطرتاً مسکین ہیں لیکن ساتھ ہی انھیں اپنی بات کی پچ ہوتی ہے اور

کام میں مہارت پیدا کرنا اُن کا شیوہ ہے۔ ان سب خصائص کی وجہ سے ہوشیار حکمرانوں کو اپنے آپ کو دولتمند بنانے کے خاص مواقع حاصل ہوتے ہیں، اور وہ ایسے دشمن سے اپنے مُلک کا بچاؤ بھی کرسکتے ہیں جو بہت زیادہ طاقتور نہ ہو۔ الغرض حکومت سمجھدار افراد پر مشتمل ہو تو مُلک مرفہ الحال بن سکتا ہے، اور اس کے خاندان شاہی کو نہ نام کی کمی ہو سکتی ہے نہ عیش و عشرت کی۔

بطلیموس نے جن اُصول پر حکومت مصر کو مبنی کیا اور جنھیں اس کے اُن جانشینوں نے جاری رکھا جو عیش و عشرت میں مبتلا نہیں ہوئے تھے اور حکومت کی تھوڑی بہت پروا کرتے تھے، وہ اُصول سکندر اور سلیوکوسیوں دونوں کے اُصول سے مختلف ہوں، لیکن مصری رسم و رواج اور مُلک و اہلِ مُلک کے حسب حال تھے۔ سب سے پہلا اُصول تو یہ تھا کہ بادشاہ کی حفاظت کے لئے ضرورت نہ ہو تو کسی قسم کی تبدیلی کی حاجت نہیں۔ ساتھ ہی مُلکی انتظامات اور مذہب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا گیا۔ ممکن تھا کہ مصریوں کا بغاوت کی طرف میلان ہو، چنانچہ اسے روکنے کے لئے اجیر سپاہیوں کا ایک لشکر رکھا گیا تھا جس میں مقدونوی، یونانی، کلٹی اور دوسری قوموں کے افراد شامل تھے۔ اُن کے سپرد اندرونی امن و امان ہی نہیں بلکہ یہ خارجی مہمات میں بھی بغایت کار آمد تھے۔ ظاہر ہے کہ اس فوج کا وہ حصہ جو اُس کا مرکز سمجھنا چاہیئے اور جس پر بطالسہ پورا اعتبار کرتے تھے، مقدونوی جماعت تھی، گو بعد میں اس میں کریٹی جیسے پیشہ ور سپاہیوں کو بڑے بڑے عہدے بھی مل گئے اور امتداد زمانہ سے ہر مُلک کے انبوہ جوق جوق اس میں آکر شامل ہوگئے۔ آخر میں جب خارجی لڑائیاں مسدود ہو گئیں تو اجیر سپاہیوں سے صرف لوگوں کو قابو میں رکھنے کا کام لیا جانے لگا۔

باب۵

ملک کے انتظام کے لئے تینوں بڑے بڑے صوبوں کیلئے ایک ایک اپنی سترانی گوس اور ہر ضلع پر ایک ایک سترانی گوس مقرر تھا، اور ان عہدہ داروں میں سے اپنی سترانی گوس بہت کم مصری ہوتے تھے۔ شاہی بیڑا دریائے نیل پر چکر لگایا کرتا تھا چونکہ ملک کا آباد خطہ دریا کے کناروں ہی پر واقع تھا، اور کہیں دس میل سے زیادہ چوڑا نہ تھا، اور چونکہ نیل ہی ملک کی سب سے بڑی شاہراہ تھی، اس لئے تمام ملک ایک ایسے شہر کے مماثل تھا جس میں صرف ایک ہی چوڑی سڑک ہو اور جہاں آسانی کے ساتھ کوتوالی کا انتظام ممکن ہو۔ ساتھ ہی ساتھ کم از کم ابتداء میں شاہان بطالسہ نے اس کا خاص لحاظ رکھا تھا کہ حکومت کی خرابی کے باعث ملک میں ابتری نہ پڑنے پائے، چنانچہ انھوں نے جو انتظام کیا وہ ایرانی انتظامات سے کہیں بہتر تھا اور اس میں ملک والوں کے خصائص اور دیرینہ تعصبات کا خاص لحاظ رکھا گیا تھا۔ انھوں نے ایرانی زمانے کے محاصل میں کمی بیشی نہیں کی، اور اب بھی لوگ پہلے کی طرح اراضی پر محاصل عائد کرتے تھے۔ مذہبی عمائد کی حالت تو عہد ایران سے بھی بہتر تھی۔ ان سب اسباب کی بناء پر مصری علی العموم حکومت جدیدہ کے بدل ممنون تھے۔ اراضی صرف خاص، جاگیریں، کانیں اور کارخانے بادشاہ کی ذات کے لئے مخصوص تھے۔ ملک کی پیداوار میں اناج کا نمبر سب سے پہلے آتا تھا اور اُسے یونان، سسلی اور اٹلی کو بھیجا جاتا تھا اور اُس عہد میں مصر کی وہی حیثیت تھی جو بطالسہ کی آمد سے پہلے بحیرۂ اسود کی تھی۔ علاوہ ازیں سوتی کپڑوں اور شیشہ آلات کے لئے بھی یہ ملک مشہور تھا۔

ہندوستان وعربستان سے جو اشیاء یورپ جاتی تھیں تو ان میں سے اکثر مصر ہو کر گزرتی تھیں۔ اُن کا راستہ یا تو بحر احمر میں سے

باب۵

دریائے نیل کو نہر نیخوس ہو کر تھا جس کی مرمت ایرانیوں نے نہیں تو بطالسہ نے ضرور کی تھی؛ باقی ماندہ اشیاء کو میوس ہورموس، لیوکوس لیمین (حالیہ قصیر) یا بحر احمر کے مغربی کنارے پر بیرے نیس پر اتار لیا جاتا تھا اور وہاں سے پہاڑوں پر ہو کر دریائے نیل کے شہر قبطوس لے آتے تھے اور دریا کے راستے سے اسکندریہ پہنچا دیتے تھے جہاں سے وہ مال سیدھا بحیرۂ روم کے کسی دوسرے بندرگاہ کو چلا جاتا تھا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس تجارت کا کس قدر منافع سے خزانۂ شاہی متمتع ہوتا تھا، لیکن ہمیں اس کا علم ہے کہ اناج کی تجارت کا بیشتر حصہ اُن ہی کے قبضے میں جاتا ہوگا۔ اس لئے کہ فی الواقع انھیں جتنے اناج کی ضرورت ہوتی اُتنا وہ آسانی سے حاصل کر سکتے تھے۔ انھوں نے ابی دوس کے قریب بطلیمائس (جس کا دستور استرابو کے بیان کے بموجب یونانی تھا)، فیتوم میں ارسی نوے اور بحر احمر پر بیری نیس کے علاوہ ملک بھر میں مشکل سے کوئی یونانی شہر قائم کیا ہوگا، لیکن اُس میں شبہہ نہیں کہ ان شہروں کے علاوہ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی یونانی آباد تھے۔ بطالسہ کا پائے تخت اسکندریہ تھا جس کا ذکر ہم اس کتاب کے باب ۱۴ میں کریں گے، اور چونکہ یہ دریائے نیل کے مقدس چشمے پر نہیں تھا اس وجہ سے مصری اُس کی غیر ملکی کیفیت کی زیادہ پروا نہیں کرتے تھے۔ اس شہر کے محل وقوع کی وجہ سے بطالسہ آسانی کے ساتھ دوسرے ممالک سے تعلقات پیدا کر سکتے تھے۔ مصریوں کو کسی قسم کے سیاسی حقوق حاصل نہیں تھے، اور سلیوکیوں کے برخلاف بطالسہ نے کبھی یہ کوشش نہیں کی کہ مصریوں کو یونانیت کے سانچے میں ڈھال دیں۔ یہ فعل بنہایت عاقلانہ تھا، ورنہ اگر وہ اس کوشش میں رہتے تو انھیں یقیناً ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا۔ یہ قاعدہ تھا کہ یونانی اصول پر نشو و نما ہونے کے بعد مصریوں کی طرح آسانی سے مطیع و منقاد مشکل سے

باب ۳

ہوسکتا تھا، اور اگر یونانی تمدن کے ساتھ ساتھ ملک میں ایسے فلسفی نظر نہیں آئے جو مصریوں کو خودسری کے اصول سمجھائیں (اور یہ تیسری صدی ق م میں قطعاً ناممکن تھا) تو ایسی حالت میں بطالسہ کو یونانیت سے کیا فائدہ تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ یونانی تمدن اُن لوگوں کے لئے جنھوں نے مصر میں اُس کے ماحول میں نشو ونما پاتا، افادیت اور مسرت کا ماخذ تھا؛ افادیت کا اس لئے کہ بطالسہ اس مسئلے سے بخوبی واقف تھے کہ علم سے قوت حاصل ہوتی ہے؛ اور مسرت کا اس واسطے کہ یونانی ہمیشہ مصری جیسے تمدنوں کو تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن اس پر انھیں رشک وحسد کبھی نہیں ہوتا تھا، گو یہ ضرور ہے کہ مصری فنون لطیفہ کے علاوہ اس کی شان سے یہ متحیر ہونے سے باز نہیں رہتے تھے؛ رہے مصری علوم، تو وہ تو بالواسطہ بھی حاصل کئے جاسکتے تھے۔ مختصر یہ کہ بطالسہ کے لئے مصر بمنزلہ ایک بڑی جاگیر کے تھا جس سے حتی الامکان بیش از بیش فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہو اور جہاں کے باشندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا صرف اس لئے مناسب ہو کہ جتنا زیادہ وہ محنت کریں گے اتنا ہی فائدہ اُن کے ذریعے سے حکمران کو پہنچے گا۔ بطالسہ مصری حکومت کو انفرادی حقوق کے زاویۂ نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اُنھوں نے اس ملک میں وہی طرز عمل جاری رکھا تھا جو مدت سے ولندیزیوں کا اُن کے مشرقی مقبوضات میں چلا آتا ہے۔ اسکندریہ گویا ایک مُلک غیر میں ایک یونانی مقدونوی نوآبادی تھی ہم اسکندری تمدن پر بعد میں بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ کس طرح یہ شہر جو ابتدا میں صرف یونانی درباری تمدن کا مرکز تھا، رفتہ رفتہ مشرق اور مغرب کے تمدنوں کا ایک نقطۂ لمس بن گیا۔ مصر کی جاگیری حیثیت سے اسکندریہ میں یونانیوں کی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس شہر میں انھیں کوئی خاص حقوق حاصل نہیں تھے بلکہ انھیں محض

باب ۵

مخصوص امتیازات پر قناعت کرنی پڑتی تھی، مثلاً یہ امتیاز کہ انھیں چابک سے نہیں بلکہ لکڑی سے سزا دی جائے گی۔ ہم مصر میں یہودیوں کی اہمیت پر متعاقب بحث کریں گے۔

بطالسہ نے اپنی مصری جاگیر کے منافع سے دوسرے ممالک میں اپنے قدم جما کر اُن سے وہ اشیاء حاصل کیں جو اُن کی حکومت کی حفاظت اور نمود کے لئے ضروری تھیں لیکن جو اُس ملک میں دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ اگر ہم تاریخ مصر کے چند ابتدائی عہدوں کو نظر انداز کریں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ صرف عہد بطالسہ ہی میں مصر ایک بڑے پیمانے پر سیاسیات عالم میں حصہ لینے لگتا ہے، گو وہ یہ حصہ زیادہ تر جنگی مہمات کے ذریعے سے لیتا ہے۔ انیسویں صدی عیسوی میں محمد علی پاشا اور ابراہیم پاشا نے جو اس قسم کی کوشش کی تھی وہ قطعاً ناکام ہوئی۔ سکندر کے بعد جو مملکتیں قائم ہوئیں اُن میں ممتاز حصہ لینے کے لئے بطالسہ کو تین چیزوں یعنی روپیہ، سپاہی اور اسلحہ کی ضرورت تھی۔ روپیہ تو مصری اراضی اور مصری تجارت سے حاصل ہو سکتا تھا؛ اجیر سپاہی بخوشی وہاں جانے کے لئے تیار تھے جہاں اُنھیں اچھی تنخواہیں ملیں خواہ مصر میں ہو یا کہیں اور، لیکن اسلحہ، جہاز اور ملاح ایسی آسانی سے مہیا نہیں ہو سکتے تھے بلکہ ان کی کان بیرونی مصری مقبوضات خصوصاً فنیقیہ اور قبرص تھے، نیز یہ وہ مقامات تھے جن سے بہ نسبت اسکندریہ کے معاملات یونان پر آسانی سے نظر ڈالی جا سکتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرمانروایان مصر نے ان دو مقامات کو نیز سرنہ کو اُسی طرح تھوڑی بہت اندرونی آزادی دے رکھی تھی جیسے ازمنۂ وسطیٰ میں وینس نے اپنے اقلیمی مقبوضات کو۔[۱۳۱]

---

[۱۳۱] مصر۔ متائس کی کتاب "سلطنت روما کے مشرقی صوبوں میں سلطنت اور افراد کے متعلقہ قوانین"
Reichsrecht und Volksrecht in dem oestl. Prov. roem. Keiserreichs

باب

سرنہ ابتداء میں مصر کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس ملک میں

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ (لائپزگ ۱۸۹۱ء) میں صفحہ ۳۵ پر اسناد کا نہایت نفیس ملخص و اقتباسات اور انکشافات و پاپیروسوں کی فہرست دی ہوئی ہے۔ یہاں میں صرف چند امور بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ شارپ: "تاریخ مصر" S. Sharpe: Gesch. Aegyptens مترجمہ یولووچ Jolowicz مع حواشی گٹشمٹ Gutschmidt، لائپزگ، ۱۸۶۲ء لیپ سیوس: "مصر قدیم کا کتابچۂ شاہی" Lepsius: Koenigsbuch der alten Aegypter برلن ۱۸۵۸ء؛ اسی مؤلف کی کتاب "تاریخ بطالسہ کے لئے مصری عمارتوں کی تحقیقات" Ergebnisse der ægy ptischen Denkm Ptolemær gesch. مجلس علمیہ برلن، ۱۸۵۲ء؛ کلیس Cless پاؤلی کی محیط Pulys R. E. ۶، ۱۷۹، وغیرہ میں خصوصاً ۲۲۵/۲۳۵ پر؛ کلنٹن: "یونانی جنتری" Clinton: Fasti Hell ۲، ۳۸۳/۴۰۹؛ ہیوبرٹ: "تاریخ بطالسہ کا سنوی تسلسل" Hubert: Obs. Chronol. in Ptolem Hist ۱۸۵۷ء؛ مضامین لمبروسو Lambroso "مصر قدیم کے معاشی مسائل" Economie Politique de l'Egypte sous les Lagidos ٹیورن ۱۸۷۰ء "تحقیقات اسکندری" Ricerche allessandrin ۱۸۷۱ء؛ "مصر بزمانۂ حکومت یونان و روما" L. Egitto al tempo dei Græci edei Romani روما ۱۸۸۲ء؛ بیڈیکر: "مصر" Baedeker: Aegypten، دو جلد۔

اپنی کتاب "مصر شناسی" Aegypt ologie. (لائپزگ ۱۸۹۱ء کے صفحہ ۴۸۹ پر) بروگش Brugsch لکھتا ہے کہ عہد بطالسہ کے لئے تاریخی اسناد بت خانوں کی دیواریں، پتھروں کے نوشتے، سیرا پیوم کے نوشتے اور یونانی پاپیروس ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قدر مواد ہمارے پاس محقق و متجسس کے لئے موجود پڑا ہوا ہے" اس ذخیرے میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا ہے خصوصاً آج کے زمانے میں جب فلنڈرز پٹری بہت سے پاپیروس لاکر انگلستان میں تحقیق کا ایک باب کھول دیا ہے اور انھیں سیس Sayce اور مہافی Mahaffy. نے ان کا مطالعہ کیا ہے۔ فیوم میں

باب ۵

آبپاشی کے وسائل نہایت عمدہ تھے اور اُسکی زمین زرخیز تھی۔ اُسکے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ تیل الجروب میں جو مومیائی کے صندوق ہیں اُن پر ان سپاہیوں کے وصیت نامے ہیں جو شاہی عطیات کی وجہ سے زمیندار بن گئے تھے، اور ساتھ ہی کچھ کاروباری نوشتے بھی ہیں (بیڈیکر ۲، ۱۳؛ پٹری: Flinders Petre : Ten years' diggings in Egypt "مصر میں دہ سالہ کھدائیاں" لندن سنہ ۱۸۹۳ء ص ۱۲۵/۱۳۸) - مہافی کی اشاعت "فلنڈرز پٹری والے پاپیری مع ترجمہ توضیح وغیرہ"، ڈبلن، شاہی ایرستانی اکادمی، سنہ ۱۸۹۱ء سے سنہ ۱۸۹۲ء کی لندن والی کانگریس مستشرقین میں مہافی نے موضوع "پٹری والے پاپی ری سے مصر یا کو نفع" پر ایک مضمون پڑھا۔ مہافی کے آخر ترین اکتشافات میں سے ایک سپاہی کا ایک خط ہے جس میں شام کی جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے۔ دیکھو تحت، باب ۱۰، یادداشت ا۔

اجیر سپاہیوں کی فوج؛ پولی بیوس ۵، ۶۲/۶۵، ۸، ۱۸۲؛ ۳۴، ۱۴۔

مالیات پر ڈروائے سن نے اپنی کتاب "مالیات بطالسہ" Droysen: Zum Finanz wesen der Ptol. برلن سنہ ۱۸۸۲ء میں بحث کی ہے۔

عادلوں کے دورے بکلیس ۶، ۱، ۲۳۲، پ - گارڈنر: "ابواب جدید" صفحہ ۲۲۶ و ۲۸۴؛ متائس ۴۸ وغیرہ؛ مصری و یونانی قانونی ضابطوں کا مقابلہ اور مصر میں ایک طرح کے "قانون اقوام" کی ترویج، متائس ۵۷۔

بطلیموس اوّل کا بیان مہافی نے اپنی کتاب "خاندان بطالسہ" ص ۱۹/۱۱۱ میں کیا ہے۔ م۔ ل۔ سٹراک M. L. Strock نے اپنی کتاب "خاندان بطالسہ" Die Dynastie der Ptolemaeer برلن سنہ ۱۸۹۷ء میں اس خاندان کے سنویت اور حسب نسب پر نہایت باریک بحث کی ہے۔

بطالسہ کے خطابات پر گٹشمٹ Gutschmidt نے مکتوبات مختصر Schriften ۴، ۱۰۷ وغیرہ میں بحث کی ہے۔

ملوکیت بطالسہ کی ایک سطحی تصویر مومسن نے اپنی کتاب

باب

بلدیات پہلے تو خاندان باتوس کے ماتحت تھے، لیکن رفتہ رفتہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - "تاریخ روما" Mommsen R. G. جلد ۵ صفحہ ۵۵۹ میں کھینچی ہے - وہ اس ملوکیت کا مقابلہ فریڈرک اعظم کی حکومت سے کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رائج الوقت نظام کے مطابق ایک ایسے بادشاہ کی ضرورت تھی جو روزمرہ کے انتظامات میں حصہ لے" اور "یہ حکمران اپنا خطاب "محسن الملک" مقرر کرنے میں حق بجانب تھے" لیکن واقعہ یہ ہے کہ علاوہ بطلیموس اوّل کے کسی دوسرے حکمران نے امید کے مطابق روزمرہ کا کام کبھی انجام نہیں دیا، اور اگر بطلیموس دوم کی جبلت بھرت فریڈرک کے پائے کی ہوتی تو وہ سستی و کاہلی کا ایسا شکار ہرگز نہ ہوتا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ خود یہ محسوس کرتا تھا کہ میری زندگی نہایت ہی بے کیف ہے - بطلیموس سوم کا خطاب "محسن" اوّل تھا لیکن اس خطاب سے اور اُس کے اجداد کے خطابات "پدر پسند" اور "مادر پسند" سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحبِ خطاب کس درجہ لغو گو اور گستاخ تھے اور اُن کے مصاحب کس درجہ مطیع و منقاد تھے، چنانچہ یہ "محسن الملک" اپنے آخری زمانے میں اپنی بے پروائی اور عیش پرستی کی وجہ سے بدنام تھا اور عام طور پر کسی دوسرے مشرقی مطلق العنان سے کچھ کم نہ تھا (پولی بیوس ۵، ۳۴) - دیکھو کلیس ۶، ۱، ۲۰۸ - جہاں تک فرائض منصبی کا تعلق ہے دوسرے بطالسہ کی بابت کم گوئی ہی مناسب ہے - بدترین بطالسہ میں سے بدترین وہ "پیٹو" "محسن الملک" سوم تھا جس کا مختصر ذکر باب ۱۹ میں کیا جائے گا - حقیقت یہ ہے کہ ان سے تو اتالوسی حکمران ہی کو "محسن" کا خطاب زیادہ شایان تھا دیکھو فرنیکل: "نوشتہ جات پرگامم" ۱، ۲۱ - یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "تمام رعایا کے مفاد کے لئے انتظام ملکی کا وجود" بطالسہ کی ہی خصوصیت تھی، جن کی حکومت ۳۰۰ سال تک جاری رہی، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی ایسا حکمران تھا جو اسکا لحاظ کرتا تھا تو وہ بطلیموس اوّل تھا جس نے تقریباً ۲۳ سال تک بطور ایک

یہ آزاد ہو گئے اور اپنے اقتدار میں وسعت پیدا کر لی۔ انھوں نے | باش

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ بادشاہ کے حکومت کی، اور اُس کے لئے بھی یہ بات طے شدہ نہیں سمجھنی چاہیئے کہ اُس کی حکومت کا مقصد اعلیٰ رعایا ہی کا مفاد تھا یا نہیں۔ علی العموم ایک ایسی حکومت، جسے محکوموں کے مفاد کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے، زمانۂ حال ہی کی پیداوار ہے اور ازمنۂ قدیمہ میں نہیں پائی جاتی، بلکہ یونان و روما میں تو "حکومت" جیسی چیز مشکل سے نظر آتی تھی۔ لیکن بطالسہ کے زمانے کی حکومت مصر جو اس وقت زیر بحث ہے، دراصل قدیم فراعنہ کے اُصول پر مبنی تھی۔ مصر پر جن مورخوں نے قلم اُٹھایا ہے اُن میں سے ایک (جو اپنی انصاف پسندی کی وجہ سے ممتاز ہے) یعنی ارمان Erman (مصر قدیم ۱۲۸) کہتا ہے کہ "مصر ہی میں نہیں بلکہ مشرق کے ہر مُلک میں حکومت کا مقصد صرف فرمانرواؤں کا مفاد ہوتا ہے"۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا بطلیموس اوّل اس صورت حال کو تبدیل کرنا چاہتا تھا یا نہیں اور اگر تبدیل کرنا چاہتا تھا تو اُسے اس کی قوت بھی حاصل تھی؟ کیا وہ چاہتا تھا کہ مصریوں کو ایسے انداز سے خوش رکھے جو اُن کے فہم سے بالاتر ہو؟ سکندر کی وفات پر، جب مصر کی صوبہ داری پر اُس نے قبضہ کیا ہے تو اُس کی عمر ۴۴ سال کی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے فوجی اور سپاہیانہ فرائض کے ادا کرنے کی فکر میں رہتا تھا، اور اُسے کبھی خیال بھی نہیں گزرتا ہوگا کہ اپنے ابنائے جنس کو خوش رکھنے کی کوشش کرے؛ اور اب اُس کا فوری مقصد صرف یہ تھا کہ کسی طرح سے اس مُلک میں اپنے مخالفوں سے بالاتر رہے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوا اور آخر ۶۱ سال کی عمر میں بادشاہ مصر بن گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا اس عمر میں اُس نے اپنی فطرت میں تبدیلی کر دی ہو گی؟ اُس کی کامیابی کا راز یہ تھا کہ وہ قدیم فراعنۂ مصر کے ڈھنگ پر حکومت کرتا تھا اور اُن کی طرح امن و امان قائم رکھتا اور مذہبی پیشوایان دینی کے کام میں مداخلت نہیں کرتا تھا۔ پھر ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کہ خاندان بطالسہ میں بطلیموس اوّل بہترین حکمران تھا، اور اس کے بعد جو حکمران ہوئے اُنھوں نے

باب ۷ سکندر کے ساتھ تعلقات پیدا کر لئے تھے اور اپنے ملک ۔ کی

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ ۔ اس سے بھی کم اصول فریڈرک اعظم پر حکومت کی اور اس کا مقصد حیات صرف یہی رہ گیا کہ اپنی زندگی عیش و عشرت میں بتائیں ۔ اگر ہم عام حکم لگانا چاہیں تو ہم یہ کہیں گے کہ بطالسہ کا تدبر نیپلز کے آخری چار بوربوں حکمرانوں کے تدبر کی طرح تھا ۔ ان کی طرح انھوں نے بھی دیسی پادریوں اور غیر ملکی اجیر سپاہیوں پر تکیہ کیا اور ان دونوں کو بڑے بڑے استحقاقات دے کر خود جو چاہا کرتے رہے ۔ میں نے بطالسہ کی بابت جس رائے کا اظہار کیا ہے اس کا مخالف مہافی Mahaffy کہتا ہے کہ بطالسہ نے حکومت کے میدان و نیز علوم و فنون کی سرپرستی میں بہت کچھ امتیاز حاصل کیا ؛ اس کے لئے دیکھو خاص طور پر استاج ، صفحۂ ۴۸۶ ۔

بہت سے ایسے نوشتے ہیں جن سے اپنی رعایا کی طرف بطالسہ کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے ؛ مثلاً صوبہ دار بطلیموس اول کے اعزاز میں ایک حکم ، برگش : "جریدۂ زبان مصری" Zeitschrift fuer ægypt. Sprache جلد ۹ ، ۱۸۷۱ء ؛ وانحسوت Rhein Mus جلد ۲۶ ؛ بیڈیکر ا ، ۳۱۸ (نوادر خانۂ قاہرہ میں لوح ویادوخی) جہاں کے نوشتے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمرانوں کو مصری مذہب کا سرگروہ سمجھا جاتا تھا ؛ بطلیموس دوم وارسی نوئے کی لوح ، دیکھو متعاقب باب ۹ حاشیۂ ۲ ؛ اسی نوادر خانے میں بطلیموس سوم کا "تانسی پتھر" جسے احکام کانوپوس بھی کہتے ہیں ، بیڈیکر ا ، ۳۳۴ ؛ آخر میں ، مشہور آفاق بطلیموس سوم کے عہد کا روزیتہ والا پتھر ، بیڈیکر ا ، ۳۷۶ ۔ پہلے تین بطالسہ کی بابت کہا جاتا ہے کہ انھوں نے وہ مصری باقیات مصر واپس پہنچا دئے جو ایشیا چلے گئے تھے ؛ اس کے لئے دیکھو عقب باب ۹ ، حاشیۂ ۲ ، باب ۱۰ ، حاشیۂ ۱ ۔

اس خیال کی وجہ سے کہ سکندر بختانے بوس دوم کا بیٹا تھا ، مصریوں نے یونانی مقدونوی حکومت کے ساتھ رواداری برتی ۔

مہافی (پٹری پاپیروس ، ۱۶) یہ فرض کر لیتا ہے کہ بطلیموس دوم نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ بہ نسبت مصری تمدّن کے یونانی تمدن کی زیادہ تائید کی۔

نیز دیکھو ای۔ مے یر E. Meyer کے مختصر اور چبھتے ہوئے خیالات جن کا اُس نے اپنی کتاب "تاریخ مصر قدیم" Gesch des alten Aeg. (برلن، ۱۸۸۷ء، صفحہ ۳۹۷ وغیرہ) میں اظہار کیا ہے۔

بحر احمر کے ساتھ تجارت: "قبطوس، استرابو ۱۷، ۸۱۵؛ بیڈیکر ۲، ۱۱۲؛ بیری نیس، استرابو ۱۷، ۸۱۵؛ بیڈیکر ۲، ۸۸؛ قصیر، بیڈیکر ۲، ۸۷۔ پے گارڈنر (: "ابواب جدید"، ۲۴۳) کہتا ہے کہ "ہرپالوس نے موسمی ہواؤں کے روش کا اکتشاف کیا یا انھیں ازسرنو دریافت کیا، چنانچہ مناسب موسموں پر اُن بندرگاہوں سے جو بطالسہ نے بحر احمر پر بنالی تھیں مصری بیڑے نکلتے تھے اور ملیباری ساحل کے ساتھ تجارت میں مشغول ہو جاتے تھے"۔

بطلیمائس، استرابو ۱۷، ۸۱۳؛ بیڈیکر ۲، ۵۷۔ ارسی نوئے، استرابو ۱۷، ۸۰۹؛ بیڈیکر ۲، ۸؛ لیکن دیکھو مہافی: "سلطنت بطالسہ" Mahaffy: Empire of the Ptolemies صفحہ ۱۸۔ ابتدائی بطالسہ تجارت کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔

سکّہ جات۔ "فہرست سکّہ جات یونانی بطالسہ"، مولفہ (سٹوئرٹ پول R. Stuart Poole: Cat. of Gr. Coins, Ptol. لندن ۱۸۸۳ء)۔

اندرونی تجارت کے لئے مصر صرف سونے اور تانبے کے سکّے استعمال کرتا ہے، اور چاندی کے سکّے صرف بیرونی تجارت کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ یہ چاندی کے سکّے ابتداء میں فنیقیہ میں، اور جب یہ مُلک نکل گیا تو قبرص میں مسکوک ہوتے تھے۔ ۳۰۵ ق م سے پہلے بطلیموس اسکندری سکّے اور اس کے بعد خود اپنے نام سے سکے بناتا تھا۔ انواع: ایک طرف بطلیموس کا سر، دوسری طرف بجلی پر عقاب۔ بطلیموس دوم کے ابتدائی سکّے اپنے باپ کے ہی طرز پر تھے (واضح ہو کہ اُس کا باپ اُس وقت تک بقید حیات تھا)۔ نیز دیکھو گارڈنر:

باب ۹

ٹولیاں تحفۃً دی تھیں۔ سکندر کے انتقال کے بعد سیرینہ میں اختلافات رونما ہوئے جس میں اسپارٹی تھبرون نے مداخلت کی۔ یہ وہ شخص تھا جس نے کریٹ میں ہرپالوس کو قتل کیا تھا، اور اس کے اجیر سپاہیوں اور اُس کے باقی ماندہ خزانے پر قبضہ کرلیا تھا۔ ہوا یہ کہ بعض جلا وطن سیرنویوں نے تھبرون سے مداخلت کی درخواست کی، جس پر اُس نے سیرینہ جاکر وہاں کے باشندوں کو بزور شمشیر اپنا مطیع کیا اور اپنے ہمراہیوں کو

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ "ابواب جدید" صفحہ ۲۲۶۔

بطلیموسی مطلق العنانی اس درجہ غیر یونانی تھی کہ عہد بطالسہ میں مصر کے کسی شہر میں سکّے مسکوک نہیں ہوئے، رومنوں نے مصر میں متعدد اقسام کے سکّے ڈھالے جیسے اسکندریہ کے سکّے اور صوبہ داری سکّے۔ نوکراتس کا واحد سکّہ جو ملا تھا اُسے ہیڈ (تاریخ مسکوکیات، ۱۷ء) ۳۲۲ق م سے ۳۰۵ق م تک کے زمانے کی طرف منسوب کرتا ہے۔ نوکراتس کی حیثیت مخصوص تھی، یہ ایک نہایت قدیم غیر ملکی نو آبادی تھی اور اُس کا دستور ایک خاص قسم کا اور مسالیہ کے طرز کا تھا، ہم جانتے ہیں کہ فوکیہ نے نوکراتس کی آبادکاری میں مدد دی تھی۔ جانشینان سکندر اور تابعین کے خطابوں کے لئے سرقوسہ میں غالباً نظیر موجود تھی، جہاں ۴۸۰ق م میں گیلون کو "محسن الملک" اور "محافظ الملک" کا خطاب دیا جانا (دیودورس ۱۱، ۲۶) بیان کیا جاتا ہے۔

بد اندازی میں جو فرق تھا (موم سن ۵، ۵۶۱، جہاں Philon in Flacc. ۱۰ کا اتباع کیا گیا ہے) اُسے ایک بطلیموسی درباری عالم دونوں اقوام کے روایتی خصوصیات پر محمول کرکے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ ایک واقعی مستحفظی رواج تھا اس لئے کہ فراعنہ کوڑے کو اور اسپارٹی لکڑی کو استعمال کرتے تھے ایک ایسی سزا جس پر اعتراض کرنے کے لئے کوئی تمسطاکلیس موجود نہیں تھا، اُسے اسکندریہ کا اِکّا دُکّا یونانی "الوہی حکمران" کے کسی عہدہ دار کے ہاتھ سے برداشت کرنا بعید از قیاس نہیں تھا۔

بندرگاہ اپولونیہ تاخت و تاراج کرنے کی اجازت دے دی۔
اس پر سرنوی سخت متنفر ہوئے اور کریٹی سے سکلیس
کی مدد سے، جسے تھبرون نے اپنے عہدے سے
برخاست کر دیا تھا، اور جو تھبرون ہی کی وضع کا شخص تھا، لڑائی لڑنے
پر کمربستہ ہو گئے۔ تھبرون نے تینےناروم سے ڈھائی ہزار آدمی مہیا
کیئے اور جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ واضح ہو کہ تینےناروم کے اجیر
سپاہیوں کو لائوس تھنیس ابھی حال میں جنگ لامیہ لے گیا تھا، لیکن
کچھ مدت کے بعد ہزاروں اجیر پھر وہاں جمع ہو گئے۔

سرنہ کی حالت اب بہت بری تھی، چنانچہ بہت سے باشندوں نے بطلیموس والی مصر
سے مدد کی التجا کی، لہذا ۳۲۲ق م کے قریب اس نے پیلا کے ایک
مقدونوی اوفیلاس کو فوج لے کر سرنہ روانہ کیا۔ اوفیلاس نے تھبرون
کو شکست دے دی، اسے توخیرا میں گرفتار کیا اور اپولونیہ لے جا کر اسے
صلیب پر چڑھا دیا۔ لیکن اس کے باوجود بیشتر سرنویوں نے اوفیلاس
کو شہر میں گھسنے کی اجازت نہیں دی جس کی وجہ سے خود بطلیموس کو
آکر انھیں بذات خاص زیر کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ الغرض تقریباً
۳۲۱ق م میں سرنہ پر مصر کا قبضہ ہو گیا۔ ۳۱۳ق م میں (بلا شبہ انتی گونس
کے کہنے سے) سرنوی مصریوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے لیکن
انھیں مغلوب ہونا پڑا، لیکن ۳۱۲ق م میں خود اوفیلاس نے بطلیموس
کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے
اگاتھوکلیس کی اس تحریک کو منظور کر لیا کہ وہ قرطاجنہ کے خلاف مہم
سر کرے، لیکن سرنہ سے کچھ دور خود اگاتھوکلیس نے اسے قتل کر دیا۔
اب بطلیموس پھر سرنہ پر قابض ہو گیا اور اس کی حکومت اپنے سوتیلے
بیٹے ماگاس کے سپرد کر دی۔ یہ شخص سرنہ کا حاکم بن گیا، اور پہلے تو
بحیثیت ایک صوبہ دار کے حکومت کی لیکن بعد میں بطلیموس اول
کے بعد اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا جس کی وجہ سے ۲۷۵ق م تقریب

باب ۸

بطلیموس دوم کا سرنہ پر مطلق قابو نہیں رہا۔ لیکن اب واقعات نے پلٹا کھایا اور اس کے بعد اکثر و بیشتر سرنہ بطالسہ کے قبضے میں خواہ "حق ثانویت" کے تحت یا کسی اور شکل میں رہا لیکن مختلف جمہوریتوں کو تھوڑی بہت اندرونی آزادی حاصل رہی [۱]

مصر کے لئے قبرص سرنہ سے بھی زیادہ اہم تھا، اور اُسے سرنہ کے برابر آزادی حاصل نہیں تھی۔ سکندر کے عہد میں دونوں کا رتبہ مساوی تھا، اور جب سکندر نے صور پر چڑھائی کی ہے تو سرنہ نے اُس کی مدد کی تھی۔ جب انتی گونوس اور اُس کے مخالفوں میں جھگڑا ہوا تو وہ کبھی انتی گونوس کے ساتھ اور کبھی بطلیموس کے ساتھ نظر آیا (۳۲۰ ق م) لیکن بالآخر شاہ مصر ہی کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ لیکن ۳۱۳ ق م میں قبرصیوں نے سرنہ کی طرح مصر کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، لیکن بطلیموس نے سرنویوں کی طرح انھیں بھی کچل کر نکوکریون ساکن سالامس کو وہاں کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ لیکن ۳۰۶ ق م میں دیمتریوس نظر آتا ہے، بطلیموس کو مشہور جنگ سالامس میں نیچا دکھاتا ہے اور جنگ اپسوس کے بعد

[۱] سرنہ - سرنہ و سکندر، دیودوروس ۱۷، ۴۹ - سرنہ پر مصر کا قبضہ، ڈروائے سن ۲، ۱، ۱۰۵۔

بطلیموس کے خلاف بغاوت فرو کر دی جاتی ہے؛ اوفیلاس کی صوبہ داری؛ ڈروائے سن ۲، ۲، ۳۵؛ اوفیلاس کی بغاوت؛ ڈروائے سن ۲، ۲، ۹۱۔

ماگاس کے مفصل حالات؛ ڈروائے سن ۲، ۲، ۹۴؛ مقابلہ کرو کیوپ: "بطلیموس اوّل کی جنگ ہائے شام" Koepp: Die syrischen Kriege der ersten Ptol., Rhein. Mus. (۱۸۸۴ء)۔

۳۹ سکہ جات مولر "سکہ جات افریقہ قدیمہ" Mueller: Numism. de l'ancienne Afrique "ہیڈ" تاریخ مسکوکیات" ۲۵، وغیرہ، خصوصاً ۷۲۳ "فہرست سکہ جات بطالسہ بہ نوادر خانۂ برطانیہ" Cat. Br. Mus. Ptol. بابلون: "مسکوکیات" ۱، ۲۳۳، ۲۳۴۔

بھی برابر ۲۹۴ق م تک قابض رہتا ہے۔ اس کے بعد بطلیموس از سر نو اُس پر قبضہ کر لیتا ہے، اور جزیرے پر ایک ستراپی گوس مقرر کر دیتا ہے جس کا واحد کام یہ ہے کہ خراج جمع کر کے اسکندریہ روانہ کر دیا کرے۔ اسی زمانے میں قبرص بھی خانوادۂ مصریہ کے گویا حقدارِ ثانویت کا میدان بن گیا۔ مصر کے لیئے یہ جزیرہ نہایت قیمتی تھا اس لیے کہ یہیں سے جہاز سازی کے لیئے لکڑی جاتی تھی اور یہیں سے تانبا برآمد ہوتا تھا جو جزیرہ نمائے سینا کے تانبے سے کہیں زیادہ آسانی سے مصر پہنچ جاتا تھا۔[۱۵]

مصر فنیقیہ اور کیلو سوریہ پر (جس میں فلسطین شامل تھا) مدت دراز تک قابض رہا۔ قدیم وجدید مصر کی تاریخ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جب کبھی مصر طاقتور ہوا ہے، اس نے ہمیشہ ان ممالک پر قبضہ کرنا چاہا ہے۔ یہ ممالک چوتھی اور تیسری صدی ق م میں مصر اور شام کے درمیان مابہ النزاع تھے، لیکن ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ۳۰۱ ق م میں ان کی واقعی حیثیت کیا ہوگی۔ ان پر

۱۵ قبرص۔ ڈرو ائے سن ۲، ۲، ۹، ۱۵، ۳۵، ۲۵۸۔
تھیوکری توس کے سترھویں گیت میں قبرص کا کہیں ذکر نہیں؛ اس کے لیئے دیکھو کیوپ ۱۱، ۲۔

قبرص کی پیداوار جو مصر کیلئے کارآمد تھی؛ ڈرو ائے سن ۳، ۱، ۵۶۔
سکے۔ ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات" ۶۲۷؛ فہرست سکہ جات نوادر خانۂ برطانیہ؛ سکہ جات بطالسہ XXXIII, XXIII, XIX، ان کی علامت ایک ڈھال تھی۔ گارڈنر (ابواب جدید، صفحہ ۱۶۵) اُن بطلیموسی نوشتوں کا "جو اس جزیرے میں برآمد ہوئے ہیں"۔ اور اُن لاتعداد نقرئی سکوں کا حوالہ دیتا ہے جو قبرص کے ٹکسالوں میں ڈھالے جاتے تھے۔

سنہ ۳۲۰ ق م میں بطلیموس نے، سنہ ۳۱۸ ق م میں تھوڑے دنوں کے واسطے یومنیس نے، سنہ ۳۱۵ ق م میں انتی گونوس نے، سنہ ۳۱۲ ق م میں جنگ غازہ کے بعد پھر بطلیموس نے قبضہ کر لیا، لیکن میدان میسوس میں اُسے جو شکست پہنچی اس کے بعد اسے انسے دست بردار ہو جانا پڑا۔ انتی گونوس کے زوال کے بعد ان ملکوں کا ایک حصہ بطلیموس کے قبضے میں آیا، اور دیمتریوس کے زوال کے بعد شائد باقی ماندہ حصے کا بھی ہی مالک بن گیا، گو چند مخصوص حصے ایسے ہیں جن کی بابت ہم قطعی حکم نہیں لگا سکتے۔ مثلاً سنہ ۲۷۵ ق م میں شام کا ایک بڑا جزو بطالسہ کے قبضے میں تھا لیکن ہم اُس کی حدود کا تعین نہیں کر سکتے۔ سنہ ۲۶۶ ق م کے بعد چاندی کے بطلیموسی سکے یعنی چودرہمیاں نمودار ہوتی ہیں جو فنیقی بلدیات سیدا، صور، بطلیمائس، یافہ اور غازہ میں بنائے جاتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ بطالسہ فنیقیوں کو بہت سے سیاسی حقوق دینے پر مجبور ہوئے ہوں گے۔ وہ علی العموم یہودیوں کے ساتھ بہت اچھی طرح سے پیش آتے تھے، اور اس قوم کے بہت سے لوگ خاص اسکندریہ میں بھی آباد تھے[۱۶]

مفروضے کے مطابق اُسی زمانے میں یعنی تقریباً سنہ ۲۶۰ ق م یا اس سے پہلے ہی جب تھیوکریتوس نے اپنا سترھواں گیت مرتب

---

۱۶ فنیقیہ و کیلوسیریہ۔ ڈرواسے سن ۲، ۱، ۷، ۱۶: ۲، ۲، ۹، ۷، ۴، ۵۴ – Pol. ۵، ۷، ۶ کے اتباع میں کیوپے کی رائے یہ ہے (اور ہم اُس کی تائید کرتے ہیں) کہ بہت ابتدائی زمانے میں ہی یہ ممالک بطلیموس کے قبضے میں تھے۔

سکہ جات ہیڈ، ۶۵۰، ۶۶۵ وغیرہ۔ فہرست سکہ جات نوادر خانہ برطانیہ، سکہ جات بطالسہ XXIV XXXIV XXXVIII

شامی سکوں کے لئے دیکھو عقب، باب ۹، حاشیہ ۴؛ فنیقیہ کے لئے باب ۱۶، حاشیہ ۲۔

باب ۵

کیا تھا تو اُس وقت میں بطالسہ کی عملداری نہایت وسیع ہوگی اسلئے کہ اُس میں فینقیہ، عربستان، شام، طرابلس الغرب، جبشہ، پمفیلیہ، کیلیکیہ، کاریہ اور جزائر مدوّر سب ہی تو شامل کیئے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں مبالغہ آمیزی بہت کچھ ہے؛ مثلاً کلیکیہ کے وہ ہموار علاقے جو طرطوس کے قریب ہیں، مصر کے باجگزار نہیں تھے، لیکن ممکن ہے کہ پمفیلیہ مصر کا ہی ماتحت ہو، گو لکیہ اور کاریہ کا صرف ایک جزو یعنی تھوڑا سا ساحلی علاقہ انکا فرمانبردار تھا اور باقی حصّوں پر سلیوکیوں کا قبضہ تھا۔ یہ بلاشبہہ درست ہے کہ جزائر مدوّر ضرور بطالسہ کے قبضے میں تھے۔ ظاہر ہے کہ ایک درباری خوشامدی شاعر کے لئے یہ مناسب تھا کہ اگر وہ کسی ملک کے قلعے میں مصری رسالہ دیکھے یا سنے کہ کسی ملک کے باشندے مصری علم سے خوف زدہ ہیں تو وہ فوراً اُس ملک کو شاہان مصر کا باجگزار بنانے میں تامّل نہ کرے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ رصو دُز اور بہت سے دوسرے اضلاع میں ایتھنز کا جانشین مصر ہی تھا، لیکن فرق یہ تھا کہ ایتھنز محض ساحلی علاقے پر ہی اپنا سکّہ جما سکتا تھا۔[۱]

العرض ہم دیکھتے ہیں کہ ~~۲۸۰~~ ۲۷۳ قبل مسیح کے انتہائی خلفشار کے بعد

---

[۱] مصر و تھریس۔ ڈرو ائے سن (۳، ۱، ۲۶۸-) یہ فرض کر لیتا ہے کہ ارسی نوے کی وجہ سے بطلیموس دوم نے لیزی ماخیہ، الفی سوس اور لیزی ماغوس کے دوسرے شہروں پر دعویٰ کر دیا۔ بلاشبہہ اس حصّہ دُنیا میں بطلیموس سوم ہی نے سب سے پہلے اپنا قدم رکھا تھا؛ فون ولاموو تز بھی "(انتی گونوس ساکن کارستوس)" یہ نہیں کہتا سنہ ۲۷۰ق م میں تھریس بطالسہ کے قبضے میں تھا۔ سنہ ۲۳۰ میں اس کا ثبوت اس امر سے دیا جا سکتا ہے کہ اس سنہ میں اسپارٹی ہیپو میدون تھریس کا مصری کماندار مقرر ہوا Telles in Stob.flor. ۳، ۶۲۔

باب ۵

ملوکیتوں اور جمہوریتوں، غرض تمام مملکتوں کا ایک سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے بعض تو طاقتور مملکتیں ہیں، جیسے رھوڈز، بعض ایسی ہیں جو باہمی معاقدوں اور لیگوں کے ذریعے سے اپنی آزادی قائم رکھتے ہیں، اور بعض (ایفی سوسس کی طرح) حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کر کے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔ ملوکیتوں میں سے وہ جن پر مقدونوی خاندان حکمراں تھے سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ ان میں سے مصر پر تو مطلق العنانی کے اُصول پر حکومت ہوتی ہے اور خارجی معاملات میں اُس کا طرزِ عمل آزاد خیالی پر مبنی ہے؛ شام کے حکمران بلدیات کی فراوانی کی وجہ سے اندرونی معاملات میں آزادانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں لیکن خارجی معاملات میں جھگڑالو ہیں؛ مقدونیہ پر اب بھی آبائی اُصول پر حکومت ہوتی ہے اور اب بھی یہ بیرونی فتوحات کی طرف مائل ہے۔ ان تینوں ملکوں کے شاہی خاندان ان ممالک کی روایات کو جاری رکھتے ہیں جن میں اُنھوں نے اپنا گھر بنا لیا ہے، مثلاً انتی گونی تو قدیم مقدونوی شاہی خاندان کا اتباع کرتے ہیں؛ بطالسہ قدیم فرعونوں کی نقل کرتے ہیں اور سلیوکی قدیم ہخامنشیوں کے قدم بہ قدم چلتے ہیں۔ یہ دراصل ماحول کا اثر ہے۔ لیکن ان خاندانوں پر مقدونیہ کا نسلی اثر بھی ضرور ہے اور اپنی یونانی تعلیم و تربیت سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے، چنانچہ

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ پولی بیوس ۵، ۳۴ کے مطابق ۲۲۲ق م میں مصر لیزی ماخیہ، اے نوس اور مارونیہ پر قابض ہے۔

جزائر مدور؛ فون ولاموو تز ۲۰ ؛ بوسولٹ؛ "قدیمات یونان" Griech. Sfaots. اشاعت دوم صفحہ ۶۳۔ اس مقام پر کھیلوں کو "بطلیموسیہ" نام دیا جاتا ہے۔ ولامار؛ "ابتدائی دو بطالسہ و عہدیت جزائر مدور" T. Delamarre Les deux premiers Ptolemees et la confederation des Cyclades پیرس ۱۸۹۶ء۔

باب ۵

ہم دیکھتے ہیں کہ انتی گونی اپنے تمدن کو (جو سکندر کے آباؤ اجداد کے تمدن سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھا) اپنے مقاصد کو نہایت قابلیت سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہخامنشیوں کے اتباع میں سلیوکی اپنی سلطنت کے مختلف حصوں کو بڑے بڑے اختیارات دیتے ہیں اور چونکہ اسی لئے اُن میں یونانی عنصر (جس کی سلیوکی دل سے قدر کرتے تھے) موجود ہے اس سلطنت کا خاتمہ بھی ہو جاتا ہے۔ رہے بطالسہ تو وہ اپنے نئے مُلک کے روایتی ابوی طرز کو جاری رکھنے کی طرف مائل ہیں اور اسی میں اپنا مفاد تصور کرتے ہیں؛ مگر چونکہ مُلک والوں کے مذہب سے اُن کا تعلق نہیں ہے، خارجی معاملات میں وہ تربیت یافتہ یونانیوں کا سا برتاؤ کرتے ہیں اور خانگی معاملات میں وہ عیش و عشرت میں رہتے ہیں اس لئے اُن کا طرزِ حکومت ایک طرح سے غیر مربوط ہے اور آخر میں تدبّر کے میدان تک میں ان کی توانائی اور فہم و ادراک جواب دیجاتے ہیں اور صرف عیش ہی عیش باقی رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ خود اور اُن کے مُلک دونوں کو نیچا دیکھنا پڑتا ہے۔

جیسا باب ۳ کے اختتام پر میں نے کہا تھا، میرے نزدیک وہ ملوکی نظام جس کی نوع بنوع کیفیات کو میں نے اس باب میں بیان کیا ہے، اُس زمانے کے یونانیوں کے لئے کئی معنی کر کے مفید نہیں تھا، اور اب اس مقام پر میں بعض دوسری باتیں بھی بیان کرتا ہوں۔ یونانی بلدیئے کو صرف دوسروں سے امن و امان قائم کرنے کے لئے بادشاہوں کی حاجت تھی، اور دوسرے مقصد کے لئے سکندر کی یا اُس کے کسی ایسے جانشین کی حکومت جو سب پر قابو یافتہ ہوتا کسی کام کی ہوتی، اور اس قسم کی سلطنت ایک طرح کی رومن سلطنت کے مماثل ہو جاتی۔ اگر سلیوکوس کا تمام سلطنت پر قبضہ ہوتا تو وہ ان اُصول پر حکومت کر سکتا۔ لیکن وہ

باب۸ تمام سلطنت پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ جانشینانِ سکندر اور "تابعین" میں اوّل تو ویسے بھی بہت سے نقائص تھے اور پھر انھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل جنگ کر کے بڑا بھاری نقصان پہنچایا، گو خود اپنے نقطۂ نظر سے یہ جنگ ان کے لئے ناگزیر تھی۔ ویسے تو ملوکی اُصول اگر موروثی ہو تو ملک میں امن پیدا کرتا ہے لیکن اس موقع پر اس کے صرف تاریک پہلو ہی ظاہر ہوئے۔ ان کا واحد حق حقِ فتح تھا، اور یہ ایسا حق ہے جو قوّت کے خاتمے پر خود بھی سلب ہو جاتا ہے، چنانچہ یہ بالکل فطری امر تھا کہ ان سب کا کام تمام ہو جائے۔ بہر حال سلیوکیوں نے ایک بات ضرور کی جو قابلِ تعریف ہے، وہ یہ کہ اُنھوں نے اپنی سلطنت میں شہروں اور ریاستوں کے نشو و نما کو ترقی دی۔ اس کے بعد رومن سلطنت سکندر کی جانشین بن گئی؛ روما نے وہ کر دکھایا جو سکندر بھی نہیں کر سکا تھا، اور اُس کے اثر کا رقبہ بھی سکندری رقبے سے کہیں زیادہ وسیع تھا۔

باب ششم

یونانیوں کا تمدّن

اب ہم تاریخ کے اس سے زیادہ مسرّت آفریں کیفیات کیطرف رجوع ہوتے ہیں اور اُس عہد کی تہذیب و تمدّن پر بحث کرتے ہیں۔
سکندر کی فتوحات کے باعث یونانیوں کے اُن حالات میں بڑی بڑی تبدیلیاں واقع ہوئیں جن سے اُن کی تہذیب متاثر ہوتی تھی، اور ان سے ایک طرف تو یونانی تمدّن کا میدان نہایت وسیع ہو گیا اور دوسری طرف دُنیائے یونان میں پہلے کی بہ نسبت اب آزاد ادارات کے غلبے میں کمی پیدا ہو گئی۔ ان تبدیلیوں کا اثر سب سے پہلے تو مذہب پر پڑا۔ جب یونانیوں کو ایشیا اور مصر کے ساتھ روابط پیدا کرنے پڑے اور اُنھوں نے ان ملکوں کے ادارات کی بابت معلومات حاصل کیں تو اس کی وجہ سے اُن کے مسالک یونان میں زیادہ مقبول ہو گئے اور ساتھ ہی ساتھ یونانیوں کی نظر میں مختلف فرماں رواؤں کا (خصوصاً اُن فرمانرواؤں کا جنھوں نے مشرق میں اپنی سلطنتیں قائم کی تھیں) رتبہ معبودوں کے مساوی ہو گیا[1] یہ طرزِ عمل

[1] نزدسے میل Susemihl نے اپنی کتاب: "تاریخ ادبیات یونان بزمانۂ سکندری"

باب ۶

(جس کا باب ۳ میں ذکر کیا جا چکا ہے) یونانیوں کے نزدیک کچھ ایسا لغو نہ تھا۔ اُن کے خیال میں مذہب ایک آزاد قوم کا ذاتی معاملہ تھا، اور جن افراد کو معبودوں کا رتبہ دیا جاتا تھا وہ ہمیشہ غیر ملکی ہوتے تھے۔ کسی منفرد پولس یا مملکت کے لئے انسان کے مجرد تصاد کا، یعنی اس معبود کا جس سے ہم واقف ہیں، گویا (نعوذ باللہ) وجود ہی نہیں تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ Gesch. der Griech Litteratur in der Alexandinerzeit ۲ جلد، لائپزگ ۱۸۹۱/۱۸۹۲ء میں (جس کا اس کتاب کے پہلے باب کی یادداشت میں ذکر کیا گیا ہے) مختلف مصنّفوں کی زندگی اور تصانیف میں جو کچھ واقعات دلچسپ ہیں ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے اور نسبتہً غیر اہم مصنّفوں کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔

انسانوں کی پوجا کے لئے دیکھو باب ۲، حاشیہ ۱۳۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہ عزت صرف غیر ملکیوں کے لئے مختص تھی۔ علی العموم اس امر پر توجہ نہیں کی جاتی کہ سلطنت روما میں شہنشاہوں کی جو پوجا کی جاتی تھی اس کی توجیہ بھی اسی طرح کی جا سکتی ہے۔ رومن شہری زندہ شہنشاہوں کو اپنا معبود نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کی بجائے ان کی پرستش پہلے تو ایشیا کی اور پھر تمام سلطنت کے خود مختار یونانی ملکوں میں رائج تھی، اور یہ ملتیں نہایت اطمینان سے ایسے افراد کو جو اُن میں سے نہیں تھے، بلا خوف و خطر اپنا معبود بنا سکتی تھیں۔ اس سے یونانیوں کی غلامانہ حیثیت کا مظاہرہ نہیں ہوتا بلکہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اور مذہب کے بارے میں اُن کا تخیل کس قدر ناقص تھا۔

یونانی مذہب میں تبدیلیاں؛ دیکھو پ۔ گارڈنر: "ابواب جدیدہ" صفحہ ۴۲۱ وغیرہ، "کی بیلے و متھراس"، ۴۴۳/۴۴۴۔ عیش پسند فرقوں کے دیوتا خاص یونان میں؛ ۴۴۶۔

بطالسہ سلیوکی آتالوسیوں سے زیادہ الوہی اعزاز کے طالب معلوم ہوتے ہیں۔ آتالوسیوں میں صرف مردہ بادشاہوں کو الوہی خطاب دیا جاتا تھا، اور جب تک فرمانروا زندہ رہتا، اُسے صرف "ہم جلیس الوہی" کہنے پر اکتفا کیا جاتا تھا۔

باب ۶

جو شخص کسی خاص شہر کا شہری نہ ہو اُس کے لئے اس شہر کا معبود بن جانا بالکل ممکن تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک ایسا مذہب جو پولیو کی تیس جیسے شخص کو اپنا معبود قرار دے سکتا ہو، یقیناً نفرت کے قابل تھا۔ دیونی سوس جیسے معبود کا پایہ دیمترلوس جیسے معبود سے کچھ زیادہ بلند نہ تھا۔ تاہم یہ ممکن ضرور تھا کہ دیمترلوس کی جو تصویر تیار کی جائے اُس میں مطلمی رنگ آمیزی ہو، اس لئے کہ معبود محض خیالی ہو تو پھر کسی قسم کے صفات بھی اُس کے ساتھ وابستہ کیئے جا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُن نتائج کے باعث جو یونانی مذہب نے مستنبط کیئے تھے، یہ مذہب اب پہلے سے بھی زیادہ ناقص ہو گیا۔ لیکن یہ نقص صرف اُن حالات کی وجہ سے پیدا نہیں ہوا جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، بلکہ جس شخص نے اُسے ایک ادبی پیرایہ دے کر اُس میں تبدیلی کی وہ مسیناکا باشندہ شاہ کاساندر کا دوست اور اپنے زمانے کا مورّخ و جغرافیہ داں، یوہمیروس تھا۔[۵۲] یوہمیروس شاہ کاساندر کے کہنے سے ایشیا گیا، اور اپنی سیاحت کے دوران میں بحرِ ہند کے چند نہایت ہی عجیب و غریب جزیرے دریافت کیئے جن کا ذکر اُس نے اپنی تصنیف "نوشتۂ مقدس" میں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ان جزیروں میں سب سے بڑے جزیرے کا نام پن کایہ تھا، اور اُس میں اُن افراد کی جانبازیاں لکھی موجود تھیں جنھیں یونانیوں نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا، جیسے خود زیوس، اور کوہ اولمپوس کے دوسرے دیوتا۔ یہ قول کہ یونانی معبود ابتدا میں محض انسان تھے، زمانہ مابعد میں علمائے عیسویت کو بہت پسند آیا اور وہ

---

[۵۲] یوہمیروس۔ دیکھو ہولم: "تاریخ سسلی بزمانہ قدیم" Holm: Gesch. Sic. in Alterthum ۲، ۲۷۲ تا ۲۷۶ و ۲۸۱، بردن ہوفر: "از ارال تا گنگ" Brunnbofer: Vom Aral bis zur Ganga، لائپزگ، ۱۸۹۲ء ص ۹۲-۹۳۔ اسکے نزدیک "پنکایہ" = بنگالہ، "بنارہ" = بنارس، "کرینی" ، "کورتیاس = کرو" وغیرہ۔

باب۔ اس کو بنظر اطمینان دیکھنے لگے کہ کس طرح ایک بت پرست خود اپنے مذہب کا اپنی تحریروں کے ذریعے سے بطلان کرتا ہے، چنانچہ آج بھی دینیات کی اس طرح تاویل کرنے کو یوہمریت کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یوہمیروس کا اُصول لوگوں کے پسند خاطر نہیں تھا اس لئے کہ اُس کے بانی نے اُن کے قدیم سیدھے سادے عقیدے کے معاوضے میں اُنھیں کچھ نہیں دیا، لیکن کاساندر اور اُس کے مصاحبوں کے لئے یہ اُصول نہایت کارآمد تھا اس لئے کہ اب یہ بادشاہ خود اپنی الوہیت کا دعویٰ کرسکتا تھا۔ اگر یونانیوں کو ترغیب و ترہیب سے کہ وہ جانشینانِ سکندر جیسے انسانوں کی پوجا کرنے لگیں، تو پھر یونانیوں کے لیے یہ غیر ممکن نہ تھا کہ پانچویں یا چوتھی صدی کے زمانے سے بھی زیادہ اپنے سے کمتر مہذّب اقوام کے مذاہب کی پیروی کریں اور اُنسے اطمینان قلبی حاصل کریں، چنانچہ تھریسی، افروجی اور مصری مذاہب، جن کا مدّت سے یونانیوں پر اثر چلا آتا تھا، اب علی الاعلان پھیلنے لگے، اور شام و ایشیائے کوچک کے یونانیوں میں تو مختلف مذاہب ایکدوسرے کے ساتھ بالکل ہی مخلوط ہو گئے۔

ظاہر ہے کہ یونانی تمدّن کی تبدیلی کی وجہ سے اُسکی سطح پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ بلند نہیں ہوئی۔ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جن ملکوں میں یہ تبدیلی زیادہ رونما ہوئی وہ تمدّن کے میدان میں صف اوّل میں نہیں تھے۔ جانشینان سکندر کے ممتاز ترین مستقر اسکندریہ میں، اُس شہر میں جس کے ذریعے سے ایسس اور سیراپیس کی پوجا نے ہر یونانی مملکت میں پھیل گئی، یہاں بہت سے یونانی شاعر جمع ہوگئے لیکن یہ سب کے سب قدیم یونانی جمہوریتوں کے باشندے تھے اور ان میں سے اکثر وہاں کے تمدّن کے نمایاں آثار تھے۔ ناظرین معلوم کریں گے کہ تمدّن کے اصلی مراکز وہی آزاد مملکتیں اب بھی بنی ہوئی تھیں، اور ان میں سب سے ممتاز ایتھنز تھا، جس نے

ایک حد تک پہلے سے بھی زیادہ یونانیوں کی ذہنی زندگی کی رہبری کا بیڑا اُٹھایا ہوا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ۳۰۰ ق م کے قریب ہی کے زمانے میں ایتھنز نے فلسفے اور شعر گوئی میں وہ مسالک پیدا کیے جو اُس شہر کے پہلے کارناموں کے برابر نہ سہی، لیکن ہمارے زمانے تک کی دُنیا پر اثر ڈالے بغیر نہیں رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کوشش کی گئی کہ یونانی مذہب میں مشرقی معبود شامل کئے جائیں یا فلاں مقدونوی کو اولمپوس میں جگہ دی جائے، اس کا جواب ایتھنز نے اپنے فلسفے کو پیش کر کے دیا۔ یہ فلسفہ ایک دوسری چیز کا بھی جواب تھا، وہ یہ کہ زندگی کا مقصد محض موقتی فائدے کا حصول اور موقتی ضروریات کی تکمیل ہے یا کیا۔ اب ہم سب سے پہلے فلسفے کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔

ایتھنز موجودہ مسالک کا مرکز بنا رہا اور ساتھ ہی اُس نے جدید مسالک کا بھی اضافہ کیا۔ دیمیو خاریس کے ہمنواؤں نے ایک شخص مسمّی سوفوکلیس کے ذریعے سے یہ کوشش کی تھی کہ ایتھنزی اُصول کے برخلاف فلسفیانہ تعلیم مملکت کی نگرانی میں دے دیں، لیکن اس تحریک کو خلاف آئین قرار دے کر اسے بہت جلد منسوخ کر دیا گیا اس قانون کی وجہ سے تھیوفراستوس کو جلا وطن ہونا پڑا تھا، مگر اب وہ واپس آ گیا اور اس کے بعد ایتھنز کی فلسفیانہ ترقی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی[1]۔

افلاطون کا مدرسہ یعنی اکادمی ابتداءً میں محض اپنے مشہور آفاق بانی کے نام پر ہی قائم تھا اور خود اُس نے کوئی خاص ترقی نہیں کی تھی۔ اُس نے

---

[1] فلسفہ۔ دیکھو مشہور کتابچے خصوصاً ونڈلبانڈ فلسفیوں اور اُن کے ادبی کارناموں کے لیے زوسے میل ۱، ۱/۱۰۷۔

لیزی ماتوس فلسفیوں کو جلا وطن کر دیتا ہے، Athen ۱۳، ۶۱۰۔

باب ۶

ان تصورات پر جن سے اس حکیم نے اپنے فلسفے کی ابتدا کی تھی، مطلق توجہ نہیں کی، بلکہ اس کی بجائے اس سے کم بار آور نظریئے یعنی نظریۂ اعداد پر اپنا وقت صرف کیا۔ افلاطون کے بعد اُس کا بھتیجا اسپیوسی پوس صدر مدرس مقرر ہوا، اور تقریباً ۳۳۵ قم میں زینوکراٹیس نے (جو اُسی کا ہم عمر تھا) اُس کی جگہ لے لی۔ گو زینوکراٹیس باہر سے آیا تھا لیکن ایتھنزی اُس سے سفارتوں کا کام بھی لیتے تھے۔ اسکے بعد صدر مدرسی کا کام ایتھنزی پولے موں (۳۱۴ قم تا ۲۷۰ قم) اور زاں بعد کراٹیس کے سپرد کیا گیا۔ منجملہ اکادمی کے ارکان کے یوکسودوس ساکن کنیدوس جو علم ہیئت اور علم طب میں ماہر تھا، اور ہرقلیدوس ساکن ہرقلیہ جس نے بہت سی کتابیں لکھی تھیں، ممتاز تھے۔ زمانۂ مابعد میں اکادمی افلاطونی خیالات سے اور بھی زیادہ ہٹ گئی اور مسلک "ارتیابیہ" سے مل گئی جس کی بنیاد پرھون ساکن ایلس نے ڈالی تھی۔ "ارتیابی" گروہ دعاوی کے عدم تیقّن پر زور دیتے اور ہر قسم کے اثباتی کلام سے پرہیز کرتے تھے۔ اس "تعطّل حکم" سے، جسے یونانی میں ایپوخے کہتے ہیں، ایک طرح کا اطمینان قلبی حاصل ہوتا ہے، اور یہی اُس عہد کی گویا جان ہے جس میں مختلف حکمرانوں کے باہمی مناقشوں کی وجہ سے ہمیشہ جوش کی کیفیت رہتی تھی، اور لوگوں کو اس اطمینان قلبی کی آرزو رہتی تھی۔ اسی "ارتیابی" یا "وسطی" اکادمی کا بانی، وہ شخص جس نے اس کا تصفیہ کیا کہ محض اغلبیت ہی تک انسان کی پہنچ ممکن ہے، ارکےسی لاؤس تھا[۱]

[۱] اکادمی اور ارتیابیت۔ الکدیموس و دلیوفانتوس؛ ڈرو ائے سن ۳، ۱، ۳۳۷؛ پری تانس، ڈروائے سن ۳، ۲، ۱۵۵۔ پرھون، گارڈنر: "ابواب جدید" ۴۴۸۔

باب ۶

ارسطا طالیس کے اُصول کے مطابق مشائین کا مسلک عام تحقیقات موجودات کا جائے پناہ بن گیا۔ اس کا پہلا جانشین تھیو فراستوس ساکن ایرےسوس تھا جسے علم موالید ثلاثہ میں مہارت پیدا ہوگئی۔ یہ ۲۸۷ء ق م تک زندہ رہا۔ ان مشائین کے ہم عصر مفصلۂ ذیل بھی تھے: یودےموس جسنے اخلاقیات کا، ارسطوکسے نوس جس نے نظریۂ موسیقی کا اور دیکیارخوس ساکن مسانہ جس نے سیاسیات کا مطالعہ کیا۔ تھیو فراستوس نے اپنی تمام جائداد منقولہ اس مدرسے کے لئے چھوڑ دی جس کی وجہ سے اُسے استحکام حاصل ہوگیا۔ ۲۸۷ء ق م سے ۲۶۹ء ق م تک اس کا صدر ستراتون ساکن لمپساکوس تھا جس کا رجحان مادی خیالات کی طرف تھا، اور جب اس نے یہ اعلان کیا کہ سردی اور گرمی ہی ابتدائی قوتیں ہیں، تو وہ گویا قدیم یونانی فلسفے کیطرف واپس آگیا۔ مشائی فلسفے کا عملی پہلو دیمتریوس ساکن فالیروم کے ذریعے سے اسکندریہ میں غالب ہوگیا۔[۵۰]

تقریباً یہ سب فلسفیانہ مسالک ارسطا طالیس کے اصل اُصول سے پھر گئے تھے۔ سقراط کا سب سے ممتاز خیال یہ تھا کہ انسان کو اپنے فرائض منصبی کا ہمیشہ دھیان رہنا چاہیے، اور اُسے پورے غور وفکر کے بعد عمل کرنا چاہیے۔ فلاطونیئین اور مشائین برابر علمی مباحث میں مشغول رہتے: ان میں سے اول الذکر کے مباحث ثانی الذکر سے زیادہ مجردانہ ہوتے تھے اور ثانی الذکر علوم کے مختلف شاخوں کے ارتقاء اور ترقی کے ذریعے سے اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ وہ لوگ جنھیں عالم بننے کی تمنا نہیں تھی، ان سب باتوں کو بالکل بیکار سمجھتے تھے، اور یہ بات ایسے زمانے میں اور بھی زیادہ افسوسناک تھی

---

۵۰ مشائین۔ فون ولاموونتز: انتی گونوس ساکن کاریستوس، ۱۹۰۷؛ ڈرو ائےسن ۳، ۲، ۱۵۵۔

باب ۶

جب مذہب روز بروز کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ اصل میں اس کی بہت ضرورت تھی کہ فلسفہ از سر نو مسائل زندگی پر توجہ شروع کرے، اور اس ضرورت کو پورا کرنے میں اُن دو مسالک نے جن کا ہم ابھی ذکر کریں گے خاص طور پر امتیاز پیدا کیا۔ ان کا قدیم مسالک سے وہی تعلق تھا جو فرانسسکی اور دومینی کی رہبان کا بینی دکتی رہبان اور ان کے بے شمار ساتھیوں کے ساتھ تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ موخر الذکر نے بنی نوع آدم پر بہت سے احسانات کئے ہوں گے، لیکن ان سے لوگوں کی فوری ضروریات پوری نہیں ہوئیں، اور ان ضروریات کے پورا کرنے میں گداگر عیسوی راہبوں نے، جو عوام میں نشست و برخاست کرتے تھے، صحیح طور پر بڑا رتبہ پایا۔ یہی کیفیت تقریباً ۳۰۰ء ق م میں ارض یونان میں تھی اور "سقراطی" گروہ کچھ بھی ہو لیکن وہ سقراط کا پیرو نہیں رہا تھا۔ عین اس موقع پر تماشاگاہ یونان کی رواقین اور ابی قورین نمودار ہوتے ہیں، اور ان کے آتے ہی فلسفہ گویا آکاش سے گر کر دھرتی ماتا پر آجاتا ہے اور عوام الناس کی واقعی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اب یونانی مذہب سے پوری نہیں ہوتی تھیں۔

رواقی مسلک کا بانی قبرصی کیتوم کا رہنے والا زینو تھا، جو تقریباً ۳۴۰ء ق م میں پیدا ہو کر تقریباً ۲۶۵ء ق م میں راہئ ملک عدم ہوا۔[۵]

---

۵ رواق۔ زدوسے میل ۱/ ۵۲۰۔ فلسفیوں کا تعلق گوناتاس سے، ایضاً ۱/ ۱؛ ڈروائسن ۳/ ۱، ۸۹، ۱۹۷، ۲۳۰، ۱۴۴، ۱۶۴م؛ فون ولاموونز: "انتی گونوس ساکن کارستوس ۲۱۷۔"

رواق ابتدا ہی سے زندگئ عامہ میں حصہ نہیں لیتا؛ زدوسے میل ۱/ ۶۰۱۔ رواقی فلسفہ زمانۂ مابعد میں سلطنت روما کا فلسفہ مطمحیت (ونڈلبانڈ ۲۹۷) اور ابی قوریت فلسفۂ حقیقت تھا (ایضاً ۳۰۴)۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

باب ۷

وہ اپنے گھر کا کھاتا پیتا تھا اور تجارت کی غرض سے ایتھنز آیا تھا لیکن ساتھ ہی اُس کی آمد کی ایک وجہ وہ کشش تھی جو اس مدینۃ الحکما کی ذہنی زندگی میں باہر والوں کو کھینچے لاتی تھی۔ ایتھنز پہنچنے پر اُس نے پورے جوش کے ساتھ فلسفے کا مطالعہ کیا، اور خاص طور پر مسلک کلبئین کا جس کا ایتھنز کے عیش وعشرت کی زندگی سے تبائن خاص طور پر نمایاں تھا، کلبیت کے اُصول اُس کی نظر میں قابل قبول ضرور تھے لیکن اُس کے نزدیک اُن کی بنیاد حکمیات پر نہیں تھی۔ اس نے ذہنی الٹ پلٹ کا سبق میگاریوں اور فلاطونیوں سے حاصل کر کے ایک جدید فلسفے کا مکتب قائم کیا جس میں عملی اور حکمیاتی دونوں پہلو موجود تھے۔ اُس نے اپنا مرکز ستوا پوئے کیلے یا رواق بوقلمون کو بنایا جو تاف شہر میں واقع تھا۔ رواق کا محل وقوع بھی کچھ کم اہم نہ تھا۔ اکادمی اور لیکیوم دونوں فصیل سے باہر تھے، چنانچہ لوگوں کو وہاں پہنچنے کے لئے پہلے سے خاص طور پر ارادہ کرنا پڑتا تھا، لیکن رواق بوقلمون سے ہو کر ہر ایتھنزی تقریباً روزمرہ گزرتا تھا بجنسہٖ اسی طرح سے فرانسسکیوں اور دومی نیکیوں نے بینی ڈکٹیوں اور سسٹرسیوں وغیرہ کی طرح اپنی خانقاہیں دیہات اور تنہا مقامات میں نہیں بلکہ گنجان شہروں میں بنائی تھیں تاکہ اُن کے ذریعے سے اُن کے باشندوں کی حسب دلخواہ خدمت کر سکیں علمی اعتبار سے زینو کا جانشین کلیان تھیس ساکن اسوس تھا، لیکن وہ اپنے گرو کی برابری نہیں کر سکتا تھا گو اُس نے نہایت تنگدستی کی حالت میں ایک معمولی حیثیت سے ایک ممتاز رتبے تک ترقی کی تھی۔ اس انتھک محقق کے قلم سے ہمارے پاس تک زیوس کا ایک بھجن پہنچا ہے۔ رواقیوں کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ زینو اور کری سی پوس، دونوں مشرقی نژاد ہیں؛ چونکہ مشرق تبائنوں سے بھرا ہے اسلئے نظر میں عمق ممکن ہے۔ رواق کا مستقر بدنام کلیکیہ تھا۔

باب

تیسرا بڑا مجتہد کری سی پوس ساکن سئولی (کلیکیہ) بھی بڑا عالم تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ "رواق" کے پہلے تین سرگروہوں میں سے دو یقیناً نیم یونانی ملکوں کے رہنے والے تھے، لیکن اس مسلک کا نشو ونما ایتھنز ہی میں ہوا اور اس کی بنیاد ایسے مشرقیوں نے ڈالی تھی جو مشرقی تزک واحتشام اور مبالغہ آمیزی پر غور وفکر کو ترجیح دیتے تھے۔

اگر ہم رواقیوں کے اصول پر غور کریں تو ہم یہ محسوس کریں گے کہ وہ زندگی کے صحیح مسلک پر زور دیتے تھے اور اس طرح عمل کے میدان میں وہ اپنے پیش رو مسالک پر سبقت لے گئے تھے۔ رواقی ایک ایسے مفکر کی مطمحی تصویر کھینچتے تھے جس کا شیوہ غور وفکر کے ساتھ نیکی بھی ہو۔ ساتھ ہی اس مفکر کو بے نفسا بھی ہونا چاہئے اور ایسے قوانین پر عمل کرنا چاہئے جو مخلوق عالم پر مادی وروحانی اعتبار سے حکومت کرتے ہیں۔ اس کے معنی دوسرے الفاظ میں یہ ہوئے کہ اُسے فطرت اور عقل کے مطابق عمل کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنے فرائض منصبی پورے کرسکے۔ اس مسلک کے پیرؤوں نے جس تخیل پر خاص طور پر غور کیا وہ فرض منصبی کا تخیل ہے، لیکن اس میں یہ یقین کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کہ فرض سے مراد خارجی افعال کا ارتکاب ہے بلکہ ادائیگیِ فرض میں جو عنصر سب سے اہم سمجھا گیا وہ ارادہ ہے۔ یہ امر فی نفسہٖ سب سے اعلیٰ اور قابل تعریف تھا اس لئے کہ اس سے یونانیوں کو اپنے مذہب کے نقائص دور کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی تھی جس کا ایک بڑا حصہ محض رسوم پر مشتمل تھا۔ لیکن رواقی عقائد کے اس عنصر کی وجہ سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہوگئیں۔ چونکہ ہر چیز ارادے پر مبنی سمجھی جاتی تھی اس لئے رواقیوں کے لئے یہ ممکن ہوگیا کہ اپنے مسلک سے بھی نہ ہٹیں اور ساتھ ہی بظاہر ناقص اور بد اخلاق افعال سے بھی پرہیز نہ کریں۔ اسی وجہ سے بہت سے رواقی تو کلبیوں کے بہت ہی قریب پہنچ گئے ہیں۔ لیکن یہ امر بھی اتنا ہی اہم تھا

باب ۶

کہ رواقی اُصول کے مطابق اب ارسطا طالیسی معنی ہیں فرد کی سیاسی حیثیت کا لزوم باقی نہیں رہا تھا، اور اس مسلک کے پیروؤں کیلئے پولس یا مملکت میں کسی قسم کی کشش باقی نہیں رہی تھی، بلکہ یہ فی الواقع مملکت سے بالاتر بنی نوع انسان کے بھائی چارے کے تخیل تک پہنچ گئے تھے۔ اس طرح نہ صرف یونانی مملکت کا خاتمہ ہو جاتا ہے بلکہ (اور یہ وہ بات ہے جس کی طرف ذرا کم توجہ مبذول کی جاتی ہے) یونانی اپنے مذہب کو بھی خیر باد کہہ دیتے ہیں اس لئے کہ اُس کی بنیاد بھی پولس پر ہی تھی۔ سقراط سے "عالمیت" کے خیال کی ابتداء ہوئی تھی لیکن یہ رواقی ہی تھے جنھوں نے اُسے ایک خاص نظریے پر مبنی کیا۔ اُنھوں نے اس طرح وقتی طور پر مملکت کا خاتمہ کر دیا اسلئے کہ علاوہ پولس کے اس وقت کوئی ایسی مملکت نہیں تھی جو یونانی خیال سے ٹکر کھاتی۔ لیکن کچھ زمانے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ پولس کے علاوہ ایک دوسری طرح کی مملکت کا خیال ممکن ہے جو اُنکی مطمح مملکت کے قریب تر ہوگی اور ساتھ ہی محض ایک بلد تک محدود نہیں ہوگی؛ چونکہ اُس زمانے میں ایسی مملکت ملوکی ہی ہو سکتی تھی اسلئے رواقیت کے پیرو مختلف بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اُن کے افعال پر عوام الناس کے مفاد کی خاطر اثر ڈال سکیں۔ رواقیوں کے فلسفہ فطرت کو اس قدر اہمیت حاصل نہیں تھی؛ یہ فلسفہ مسئلہ ہمہ اوست پر مبنی تھا اور اس میں فطرت کے مختلف پہلوؤں کی افادی حیثیت پر زور دیا جاتا تھا۔ یہ ایک دلچسپ بات ہے کہ علاوہ براہِ راست ثبوت کے رواقی بنی نوع انسان کی یک جہتی کو بعض ناقابل ثبوت قضیوں کو ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں اسلئے کہ اس یکجہتی میں اُنھیں وہ عقل نظر آتی ہے جو دُنیا پر راج کر رہی ہے۔

عملی اعتبار سے رواقی فلسفہ ٹھیک ہو، لیکن یہ ہر شخص کیلئے کارآمد نہیں تھا اس لئے کہ اس کی بنیاد عاقلوں کی فکر پر تھی اور محض

چیدہ چیدہ لوگ ہی اس سے کماحقہٗ استفادہ حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا سب انسان نہیں تو اُن کا زیادہ حصہ عارف بن سکتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہو تو پھر ان بیچاروں کے لئے کیا باقی رہ گیا جنھیں اس راستے پر گامزن ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس سوال کا جواب رواقیوں نے مطلق کچھ نہیں دیا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کا جواب کسی فلسفی مسلک نے نہیں دیا، اگر دیا تو ایسے مذہب نے جو ہر آن یونانی مذہب سے ارفع و اعلیٰ تھا۔

اپی قوروس ساکن ایتھنز نے ایک دوسرے زاویۂ نگاہ سے عملی فلسفے کے مسائل کی طرف رجوع کیا۔ وہ ۳۴۱ھ ق م میں ساموس میں پیدا ہوا تھا۔[۵۷] پہلے تو اُس نے متی لنہ اور لمپساکوس

---

۵۷ اپی قوریت۔ اپی قوروس نے اپنی زندگی لمپساکوس میں گزاری تھی، اور اسی طرح مترودوروس اور بہت سے بعد کے اپی قوری بھی شہر پرپایوس کے باشندے تھے۔ کم از کم یہاں اُس طرح کے تباین کی جگہ جو رواق اور سلیکیہ کے حکمراں سرداناپالوس کے مابین پایا جاتا ہے (دیکھو جلد ۳ باب ۲۲)، ایک طرح کی مشابہت ملتی ہے۔ ایک ایسی مملکت کے وجود کے سبب سے جسے انھوں نے کبھی کسی قسم کی تکلیف دینے کی خواہش نہیں کی، ان کے لئے ایک دائرہ بنانا اور ایک طرح کی اعیانی زندگی بسر کرنا ممکن ہو گیا تھا جس میں ایسی خوش مزاج عورتیں بھی شامل تھیں جو وقتاً فوقتاً فلسفیانہ مباحث میں بھی حصہ لیتی رہتی تھیں، اور جن میں سب سے مشہور لیون تیون تھی۔ ایک خاص نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو رواق عیسویت سے اور اپی قوریت اسلام سے مشابہ ہے۔ رواقی اُصول اور عیسویت کا اندرونی تعلق تو ہر شخص کو معلوم ہے؛ پھر اسلامی کہف، یعنی خاموش، ساکن، نیم خفتہ مملکت پر اپی قوری رنگ نظر آتا ہے۔

باب

میں درس دیا اور اُس کے بعد یہ ایتھنز آگیا جہاں اُس کے شاگرد شہر سے باہر ایک باغیچے میں جمع ہونے لگے۔ اُس کا انتقال ۲۷۰ ق م میں ہوا۔ چونکہ اُس کا سب سے بڑا دوست مترودوروس اُس سے پہلے ہی مر چکا تھا اس لئے اُس کے بعد ہرمارخوس اُس کا جانشین ہوا۔ تھیوفراستوس کی طرح ابی قوروس نے اپنے مدرسے کی بنیاد کو باغیچے وقف کرا کر مستحکم کر دیا اور اس کے لئے اراضی، مکانات اور سرمایہ چھوڑ مرا۔ ایک معنی کر کے ابی قوروس کے فلسفے کو ارسطی فوس کے اصول کا سلسلہ سمجھنا چاہئیے۔ اُس کا مقصد رواقیوں کے مقصد سے بھی زیادہ عملی پیرایہ لئے ہوئے ہے، اس لئے کہ اُس کا مطمح نظر خود مسرت ہے جسے خوشی کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کہتا ہے کہ ہر قسم کی مسرت کے حصول کی کوشش نہیں کرنی چاہئیے اس لئے کہ بہت سی مسرتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے بعد رنج و افسوس لوازمات سے ہوتا ہے اور نتیجہ اصلی مقصد سے بالکل برعکس نکلتا ہے۔ اسی وجہ سے ایسی مسرت کا تعاقب مناسب نہیں ہے، اور مسرت کے حصول کی کوشش میں غور و فکر سے کام لینا چاہئیے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابی قوری مسلک کے پیرو رواقیوں سے کس طرح آگے بڑھ جاتے ہیں۔ رواقیوں نے غیر مشروط انداز میں یہ مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے انسان کو عاقل ہونا چاہئیے؛ ابی قوروس چاہتا ہے کہ انسان کو اس کا صحیح اندازہ ہونا چاہئیے کہ وہ کون کونسی چیزیں ہیں جن سے بغیر رنج کے مسرت حاصل ہو سکتی ہے۔ الغرض اس

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ لیکن ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئیے کہ ابی قوریت اور ابتدائی عیسویت کے درمیان ایک خارجی تعلق ہے جو دوستی کی اہمیت میں نظر آتا ہے اور جس پر حال میں ذرا زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ دیکھو مہافی: "مسائل تاریخ یونان" لندن ۱۸۹۲ء صفحہ ۲۰۶۔

فلسفے کا مقصد اعلیٰ حقیقی مسرت کا حصول ہے۔ چونکہ عقل محض
مسرت کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اس لئے یہ نسبتہً آسانی سے حاصل ہو جاتی
ہے۔ ظاہر ہے کہ بہ نسبت اس کے کہ کوئی شخص قوانین قدرت کے
عمق پر نظر ڈالے یہ اندازہ کرنا آسان ہے کہ تکلیف کا انسداد کیسے ہو سکتا
ہے۔ ابی قوریوں کے نزدیک ایک طرح کی خوشی ہر ٹھنڈے دل
سے سوچنے والے انانیت پرست کو حاصل ہو جاتی ہے، اور ایسی
خوشی اُن لوگوں کے لئے بھی ممکن ہے جو رواقیوں کے معیار کے
مطابق عقل کی کسوٹی پر پورے نہیں اترے۔ الغرض ابی قوریت بنی نوع انسان
کی اکثریت کے حسب حال ہے، لیکن اُس کے پیرو اسی کی وجہ سے
آسانی کے ساتھ بالکل غلط راستے پر لگ جاتے ہیں، اس لئے کہ
جب مقصد اعظم حصول مسرت ہی ٹھہرا تو پھر ہر نوع کے تلوّن
کے راستے کھل جائیں گے۔ وہ شخص جو اپنی مسرت کو ایسے سانچے میں
ڈھال سکے کہ اسے خود کسی قسم کی تکلیف کا سامنا کرنا نہ پڑے وہ ہمیشہ یہ
کہہ سکتا ہے کہ میں تو ابی قوروس کے قول پر عمل پیرا ہوں، گو وہ دوسروں
کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچا رہا ہو۔ زندگی کے عملی مقصد سے گزر کر
ابی قوروس مطالعۂ فطرت پر زور دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مسرت
فقدانِ کلفت کا نام ہے اور اس فقدان کی وجہ سے ذہنی اطمینان
حاصل ہوتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ کوئی چیز مذہب کے برابر
ذہنی اطمینان کو گزند نہیں پہنچا سکتی، چنانچہ ابی قوروس کا خیال ہے
کہ مذہب کا کام صرف یہی رہ گیا ہے کہ بنی نوع انسان کو خوف دلایا
جائے اور اُس کے سامنے مشکلات پیدا کی جائیں، اس لئے مناسب
ہے کہ خود مذہب ہی کا قلع قمع کر دیا جائے۔ وہ فلسفۂ فطرت سے کام لیتا
ہے اور کسی ایسے نظریۂ فطرت کو تلاش کرتا ہے جس سے یہ مقصد حل
ہو سکے۔ یہ نظریہ اُسے دیمقراطیس کے فلسفۂ ذرات میں مل جاتا ہے
جسے وہ تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ تسلیم کر لیتا ہے۔ ہر چیز ذرات کے

باہمی تصادم سے بنتی ہے اور اس پر ابی قوروس یہ اضافہ کرتا ہے کہ اس تصادم کے لئے کسی معبود کی مطلق ضرورت نہیں ہے، لیکن یہ دھوکا ہی دھوکا ہے، اس لئے کہ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بہت سے ذرات جو پہلے علیحدہ تھے، بیک وقت متحرک ہوئے تو پھر ان میں باہمی تمس آخر کیوں پیدا ہوا اور وہ آخر متحرک ہی کیوں ہوئے، یہ سب بغیر دوسرے مفروضوں کے مطلق سمجھ میں نہیں آسکتا۔ قدما کے نظریۂ ذرات نے صرف اُن لوگوں کو مذہب سے بیزار کیا جو اُس سے علیحدگی کا بہانہ ڈھونڈھا کرتے ہیں۔ انسانوں کے باہمی تعلقات کی شکلوں کے مسئلے میں ابی قوروس رواقیوں سے ایک قدم آگے بڑھ گیا۔ رواقیوں نے تو بلدیہ کو بالائے طاق رکھ کر دنیوی شہریت کے تخیل کو پیش نظر رکھا تھا اور یہ فرض کیا تھا کہ بڑی بڑی مملکتوں کے مناسب طور پر یکجا کرنے سے شہریت وجود میں آجائے گی؛ ابی قوروس کی دانست میں، افراد کے مابین بہترین تعلق دوستی کا ہو سکتا ہے، جس کے یہ معنی ہوئے کہ خانگی زندگی اور بے روک چناؤ کو مطمح نظر بنایا جاتا ہے، جو نظریۃً اور عملاً دونوں اعتبار سے ترقیٔ معکوس کے مترادف ہے، کیوں کہ بنی نوع انسان کی بقاء کے لئے مملکتی تعلقات نہیں تو کم از کم دوسرے جبری تعلقات تو یقیناً ضروری ہیں۔ اگر ابی قوروس کے مسلک کے پیرو اس قسم کے جبری نظام میں تعامل کرنا نہیں چاہتے تو پھر اُن کا خیال صرف یہی رہ گیا کہ وہ دوسروں سے کام نکال کر اپنی زندگی چین و آرام سے بسر کرنے کے خواہاں ہیں۔

اگر ابی قوریت نے ان لوگوں کی خوش قسمتی پر زور دیکر جو ایشیائی حکمرانوں کے باہمی تنازعات اور جنگ و جدال کی پروا نہیں کرتے تھے اور پُرامن خانگی زندگی سے محفوظ رہ سکتے تھے، گویا اس عہد کے عام رجحانات و میلانات کے مطابق سبق دیا تو

باب

رواقیوں نے اُس عہد کے اُس زمانے کے اُن اعلیٰ حوصلوں اور آرزوؤں کو نمایاں کیا جو زندگیٔ عامّہ کے اصلاحات پر مشتمل تھے۔ فرائضِ منصبی کے تخیل کی وجہ سے رواقیت کے پیرو مملکتوں کی صحیح تنظیم کی ضرورت کی طرف سے بیخبر نہیں ہو سکتے تھے۔ خود زینو کے متعلق انتی گونوس گوناتاس کی رائے نہایت اچھی تھی، اور یہی کیفیت ایک دوسرے رواقی پرسائیوس کی تھی جسے زینو نے اپنی جگہ شاہ مقدونیہ کے پاس اپنا قائم مقام بناکر بھیجا تھا اور جو اس سے پہلے گوناتاس کے فرزند ہالکیونیوس کا اتالیق بھی رہ چکا تھا، چنانچہ شاہ مقدونیہ نے اُسے اپنی طرف سے کورنتھ کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔ اسی طرح بوریس تھنیس کا رواقی فلسفی سفائروس کلیومنیس مصلح اسپارٹا کا مشیر کار تھا۔ خود اکادمی بھی سیاسی آرزوؤں سے کلّیتہً بیگانہ نہیں تھی۔ ہم باب ۱۰ میں اکدیموس و دیموفانتوس کا ذکر کریں گے جو میگالوپولس کے رہنے والے اور ارکےسی لاؤس کے شاگرد تھے؛ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ اپنے شہر کو خود سرانہ حکومت سے نجات دیتے ہیں، اور دوسری جانب مشائی پرہی تانس ایک سیاست داں کی حیثیت سے انتی گونوس دوسون کی خدمت کرتا ہے۔

اُس عہد کے فلسفیوں کے کاموں کی ایک خصوصیت علماء کی خدمت ہے، لیکن مستثنیات میں سے ایک ابی قوری تھے جو کسی غیر ضروری کام کو انجام دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ مشائیوں نے تاریخ ادبیات پر اپنی خاص توجہ مبذول کی، اور صرف و نحو کی بنیاد رکھنے کا سہرا رواقیوں کے سر ہے۔

ان تمام مسالک کا منبع و مآخذ ایتھنز تھا، ان سب کے صدر دفتر ایتھنز ہی میں تھے، اور ان کی وجہ سے بہت سے ایسے غیر ملکی ایتھنز میں آتے جاتے تھے جو فرائض زندگی کی بابت صاف اور

باب ۶

صریح آرا ر حاصل کرنے کے خواہاں تھے ۔ ان کی وجہ سے ایتھنز پہلے سے کہیں زیادہ ارض یونان کا مرکز بن گیا ۔ ساتھ ہی اس مدینۃ الحکماء میں ایک نئی چیز یعنی سروریۂ جدیدہ کی ابتدا ہوئی جس کی وجہ سے یہ شہر نازک خیالیوں اور حاضر جوابیوں کا مرکز بن گیا ۔ ۵۹

۵۹ سروریۂ جدیدہ اور ایتھنز کی اخلاقی حالت ۔ سب سے پہلے میں ایک اقتباس دوں گا جو زمانۂ حال کے مصنفوں کے نہایت ہی قابل لحاظ آرا ر میں سے ہے ۔ ڈر وائے سن (۲، ۲، ۱۰۲) کہتا ہے: "اُس زمانے کے ایتھنز میں خانگی زندگی، شرم وحیا بالکل ناپید تھیں یا اُن کا ذکر صرف گفتگو تک ہی محدود تھا، اور شہر کی مکمل زندگی محض لفاظی اور خوش طبعی پر ہی مشتمل ہو گئی تھی جس میں خودنمائی اور کاہل الوجودی کا پہلو بے حد نمایاں تھا ۔ ایتھنز نے یہ شیوہ اختیار کر لیا تھا کہ جو ذی اثر ہوتے اُنھیں ہدیۂ توصیف و تعریف پیش کرتا تھا جس کے معاوضے میں اُسے تحائف و وظائف سے مالا مال کر دیا جاتا تھا ۔ جیسے جیسے اس کی عددیت میں ترقی ہوئی ویسے ہی ویسے اُس کی غلامانہ روش میں اضافہ ہوتا گیا" .... "مذہب کا خاتمہ ہو چکا تھا، اور تعلیم کے ساتھ جو بے پروائی بڑھی تو اُس کے ساتھ ہی ساتھ اوہام پرستی، جادوگری، نجوم اور مردہ پرستی نے بھی ترقی کی" ان واقعات کے ثبوت میں ڈر وائے سن صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہے کہ "اُس زمانے کے ایتھنز کی تصویر کھینچنے کے لئے اُس عہد کے سروریہ کے اجزاء بالخصوص میناندر کے سروریوں سے اُس کی خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے" موم سن اس سے بھی زیادہ جوش سے کام لیتا ہے ("تاریخ روما" I R. G ، ۱۰۹ وغیرہ) اور یہی کیفیت ارسٹ کی بھی ہے (۲۰۲)، لیکن میں یہاں اُن کے اقتباسات نہیں دوں گا اس لئے کہ وہ کسی نئے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کی بجائے وہی ڈر وائے سن والا راگ الاپتے ہیں ۔ پریلر Preller نے پاؤلی کی "محیط" ۴، ۷، ۷ ، ۱ پر میناندر پر جو نفیس مضمون لکھا ہے اُس میں وہ ذرا نرمی کا برتاؤ کرتا ہے، تاہم وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ سروریۂ جدیدہ میں عورتوں کا جو ذکر ہے اس سے "روزمرہ کی متاہلی زندگی کی

سروریۂ جدیدہ ادبیات یونان کے نہایت تحیر آفریں مہولات

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ - کمال بے ضابطگی کا اظہار ہوتا ہے" چونکہ علاوہ سروریہ کے اور کسی قسم کا ثبوت پیش نہیں کیا گیا اس لئے اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ سب باتیں اس میں ملتی ہیں یا نہیں - ہم دیکھیں گے کہ اس میں یہ کچھ نہیں ملتا -
(۱) یہ واقعہ نہیں ہے کہ ایتھنز کے سروریۂ جدیدہ سے اُس کے اخلاقی تنزل کا پتا لگتا ہے - عورتوں کو بُرا بھلا کہنا (پریکلیز) یونانیوں میں قدیم سے چلا آتا تھا - اگرچہ کچھ ہم سے کہا جاتا ہے اگر اُس کے من وعن باور کرنے کے دلائل موجود ہیں، تو پھر ہمیں اُن تصاویر کو بھی جو سیمونڈیس اور ارسطوفانیس نے اپنے زمانے کے حالات کی کھینچی ہیں، اسی معیار پر منطبق کرنا پڑے گا، اور پھر ہم خواہی نخواہی اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ سنہ ۳۰۰ ق م کی عورتیں سنہ ۷۰۰ ق م کی عورتوں سے کہیں بہتر تھیں - اگر ہم مناندر کی عورتوں کا ارسطوفانیس کی عورتوں سے مقابلہ کریں تو بھی یہی بات ثابت ہوگی، یعنی یہ کہ چوتھی صدی ق م میں ایتھنز ہی کے اخلاق پہلے سے بہتر ہو گئے تھے - لیکن مناندر کے سروریوں کے نقاد اُس کی تخریب کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ بہرنہج جب ارسطوفانیس نے اپنے سرور یئے مرتب کئے تھے مملکت ایتھنز اپنے اوج کو پہنچی ہوئی تھی، جس سے یہ نتیجہ مستنبط کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ دوسرے شعبہ جات زندگی میں ایتھنز کو فروغ حاصل تھا اس لئے اگر اخلاق ایسے اعلیٰ نہیں تھے تو کوئی زیادہ ہرج نہیں تھا اور کچھ نہیں تو کم از کم قوم کے عروج میں کوئی شک وشبہہ نہیں - لیکن شومئ قسمت سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ارسطوفانیس کے ہمعصروں نے اُس پر یہ اثر نہیں ڈالا کہ ان میں کسی قسم کا علو ہے، نہ وہ آجکل والوں پر ہی یہ اثر ڈالتے ہیں - اس کے لئے دیکھو جلد ۳، باب ۱۲، حاشیۂ ۸ - ممکن ہے کہ بحیثیت شاعر کے ارسطوفانیس مناندر سے بڑا ہو، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس کے ہمعصر بھی مناندر کے ہمعصروں سے ارفع واعلیٰ ہوں گے - مذہب کے تنزل کی بابت ڈرواےسن کی جو رائے ہے اُس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی - اوہام پرستی وغیرہ ہر ملک میں ہر زمانے میں کسی نہ کسی

باب ۹

یں سے ایک ہے اور قدیم ہی نہیں بلکہ حال کے زمانے میں بھی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ شکل میں پائی جاتی ہے۔ شرم و حیا کے فقدان کی بابت جو خیالات ہیں اُن کی قیمت وہی ہے جو ایتھنز کی اسی قسم کی تنقید کی ہے جس پر باب ۲، حاشیہ ۱۰ میں بحث کی گئی تھی، اور اسی نوع کی ہے جیسے اٹلی اور سسلی کی تنقید کی۔

(۲) سنہ ۱۶۶۰ء کے بعد کے انگریزی سرو ریہ سے جو تشبیہہ دی گئی ہے، اس کی بابت دیکھو میکالے کا مقالہ اور لی ہنٹ (Leigh Hunt) کی کتاب "ویچرلے کے ناٹک" (Dramatic works of Wycherly) سنہ ۱۸۴۱ء جو اُسکے مقالوں کے سلسلے میں طبع ہوئی ہے۔ اگر مناندر کے سرور ئے سے کہیں بدتر سرو ریہ بھی مل جائے اُس سے بھی یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ لوگ اتنے بُرے تھے جتنا سرو ریہ میں بیان ہوا ہے۔ الغرض ڈرو ائے سن کا یہ مفروضہ درست نہیں ہے کہ مناندر کے زمانے کے لوگوں میں شرم و حیا نہیں تھی۔

یہی نہیں، بلکہ اس کے برعکس بہت سے ثبوت اس امر کے موجود ہیں کہ اُس زمانے کے ایتھنزیوں میں بہت اچھی ٹھوس صفات موجود تھیں اور اُنکے اخلاق کم ازکم اُتنے ہی اچھے تھے جتنے ارسطو فانیس کے زمانے میں۔ پہلا ثبوت تو اُس جنگ سے ملتا ہے جو سکندر کی موت کے بعد لڑی گئی؛ یہ ضروری نہیں ہے کہ کارہائے نمایاں فتوحات ہی پر مشتمل ہوں، بلکہ بُرے وقت مایوس نہ ہونا بھی عظمت کی دلیل ہے۔ یہ کارہائے نمایاں مفصلۂ ذیل تھے: (۱) جنگ لامیہ (باب ۲)، (۲) اولیمپیو ورس کی ماتحتی میں بغاوت (باب ۲) (۳) کلٹوں کے خلاف جنگ میں شرکت (باب ۴) (۵) جنگ خریمونیدیس (باب ۹) اب ہم سوال کرتے ہیں کہ آیا آزادی کی حمایت میں یہ مسلسل جنگجویانہ حرکت، اور وہ بھی مسلسل ناکامیوں کی فضا میں واقعاً عظیم الشان اور عالی نقش نہیں؟ دوسری دلیل وہ عظیم الشان اخلاقی انقلاب ہے جو تقریباً سنہ ۳۰۰ ق م والی فلسفیانہ تحریک سے ظاہر ہوتی ہے۔ اُس کا مظاہرہ بالخصوص رواق کی بنیاد سے ہوا۔ اس

باب ۶ | سروریہ کے معیار کا ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ اُس کے اور ارسطوفانیس کے

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ ضمن میں کلیانتھیس کی زندگی ممتاز ہے؛ دیکھو Diog. Laert. ۷، ۵۔ کلیانتھیس، ایتھنز غربت و افلاس کی حالت میں آتا ہے اور ایک مالی کے یہاں نوکر ہو جاتا ہے جہاں وہ رات کے وقت مالی کا کام کرتا ہے اور دن کے وقت زینو کے درس میں شریک ہوتا ہے۔ پھر کلیانتھیس اپنی نوع کا واحد فرد نہ تھا جسے وہی علم کی پیاس تھی اور ایثار کا مادہ تھا جس سے ہم ایک سو سال پہلے سقراط کے شاگردوں میں دوچار ہوئے تھے۔ موم سن (۱، ۴، ۶۹) اس کی بابت کہتا ہے کہ یہ "کار نیم شبی کی وجہ سے روزانہ وقت ضائع کرنے" کے مترادف تھا، لیکن ہماری رائے میں جتنے لوگ ایسا کرتے اُتنا ہی اچھا تھا۔ صرف ایک ضمن میں ڈروائے سن کا قول درست ہے کہ عددیت کے فروغ کے ساتھ ساتھ ایتھنزیوں کی غلامانہ روش میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں ہم یہ کہنا مناسب سمجھتے ہیں کہ سنہ ۳۰ ق م کے ایتھنزیوں کی موم سن نے جو ہنسی اُڑائی ہے اُس کا بدلہ اُس نے اپنی تاریخ روما کی پانچویں جلد میں سلطنت کے تحت ایتھنزیوں کی زندگی کا حال بیان کر کے کر دیا ہے؛ وہ (Anth. ۱۲، ۸، ۷ کا اتباع کرتے ہوئے) کہتا ہے کہ "غروب کے وقت بھی وہی سورج نظر آتا ہے"۔ یہ سچ ہے لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ سنہ ۳۰ ق م میں سورج کے غروب کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ الغرض ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سنہ ۲۸۰ ق م میں ایتھنزیوں کی جو کیفیت تھی وہی سنہ ۳۰ ق م میں بھی رہی۔

یہ غور کرنا ایک دلچسپ مشغلہ ہو گا کہ علمائے تاریخ کیوں اور کس طرح سنہ ۳۰ ق م کے ایتھنزیوں کی بابت ایک غلط نتیجے پر پہنچے ہیں۔ چونکہ ان علماء کی رائیں علی العموم درست سمجھی جاتی ہیں اس لئے اور بھی زیادہ ان خیالات کی تصحیح کی ضرورت ہے۔ ان کے استدلال کی بنیاد تین عناصر پر ہے، ایک تو اُس عہد کے یونانیوں کی ناقابل تردید غلطیاں دوسرے زمانۂ حال کے لوگوں کے اُس عہد کے بادشاہوں کی طرف زیادہ میلان اور اُس عہد کی جمہوریتوں سے نفرت، اور تیسرے سنہ ۲۸۰ ق م کے ایتھنزیوں کی

بقیۂ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ خصائص کا غلط اندازہ۔ جہاں تک دوسرے عنصر کا تعلق ہے میں نے صحیح نقطۂ نظر پر کافی زور دے دیا ہے (جس کے لئے دیکھو تمہید کا حاشیہ)، اور یہاں میں صرف یہ دکھانے پر اکتفا کروں گا کہ آجکل کا میلان یہ ہے کہ ان ضمنوں میں بھی جن کی بابت ذرا ملائم رائے ممکن ہے، جمہوریتوں کی جس قدر بھی تخریب کی جائے مناسب ہے۔ جب سنہ ۳۹۴ ق م میں دو اکارنانی کسی نہ کسی طرح سے راز ہائے الیوسس کے مرکز میں پہنچ گئے تو انھیں ایتھنزیوں نے سزائے موت دی (لیوی ۳۱، ۱۴)، جسے موم سن ایک سفیہانہ اور ظالمانہ خودنمائی'' کا مظاہرہ بتاتا ہے۔ (''تاریخ روما'' ۱، ۱۰۷)۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن ہے کہ موم سن کا حکم بالکلیہ بے انصافانہ نہ ہو، لیکن اس فعل کے لئے تین ایسے سخت الفاظ استعمال کرنا، خصوصاً جب یہ کارروائی کسی حالت میں خلاف قانون نہ تھی، سخت گیری نہیں تو کیا ہے؟ بہرنہج مورخ کو بادشاہوں کے رویئے پر بھی ایسی ہی سخت رائے قائم کرنی چاہئے۔ انھیں ان حکمرانوں میں ''بے عقلی''، ''خودنمائی'' اور ''ظلم'' کی بہت سی مثالیں ملیں گی، لیکن مورخ علی العموم انھیں نظرانداز کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس قسم کے الفاظ بار بار دہرانے سے پڑھنے والے کا جی گھبرا جاتا ہے اس لئے کہ یہ تو ان حکمرانوں کے صفات ہی ہیں، اور یہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ لیکن اصلی وجہ یہ نہیں ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بادشاہوں پر حکم لگانے کا جو معیار اختیار کیا گیا ہے وہ جمہوریتوں کے معیار سے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر میں صرف یہ کہنا کافی سمجھتا ہوں کہ ایک معمولی اہلیت کے شخص گوناتاس کو بہت اونچا کر کے دکھایا جاتا ہے اور فیلقوس پنجم کی لغویت آمیز تقریروں کو ''زیرک'' قرار دیا جاتا ہے۔ (دیکھو باب ۱۶، حاشیہ ۴)۔ اشخاص و افعال پر حکم لگانے میں اس طرح دہرا معیار قائم کرنے سے ایک تو آزاد مملکتوں کا معیار بلند کر کے گویا ان کے اوصاف کی تعریف غیر شعوری طور پر کی جاتی ہے لیکن ساتھ ہی پڑھنے والے کی رائے کو مختل بھی کر دیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کی نظر

باب ۶ | کے سروریوں کی بنیاد محض خیال آفرینی پر ہے اور ان میں امور مندرجہ

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گذشتہ۔ اسناد پر نہیں ہے وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ اُس زمانے کے بادشاہ ہمیشہ قابل اور نیک منش اور عوام ہمیشہ بد باطن اور بداخلاق ہوتے تھے، گو واقعًا دونوں میں ایک ہی قسم کے نقائص تھے، اور جو فرق تھا وہ یہی کہ عوام کے مقاصد بادشاہوں کے برابر خود غرضانہ نہیں تھے نہ اُن کے ذرائع میں اس قدر بدمعاشی نظر آتی تھی۔

آجکل دیموس تھنیس کے خصائص کا جو غلط اندازہ کیا جاتا ہے (جسکی بابت میں جلد ۳ میں بحث کر چکا ہوں) اس کی وجہ سے اور بھی زیادہ تیسری صدی کے متعلق مغالطہ ہو رہا ہے۔ جو شخص دیموس تھنیس کو اعلیٰ اخلاق والا اور دوراندیش اور سچا انسان سمجھتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی خیال کرتا ہے کہ اُس کے ہم عصر ہمیشہ رشوت کے لئے تیار رہتے تھے اور اُن کی توانائی میں کمی تھی۔ اُن کے لئے یہ یقین کرنا آسان ہے کہ پچاس سال جیسے قلیل عرصے میں لوگوں میں کوئی خاص اصلاح نہیں ہوئی ہوگی۔ لیکن وہ لوگ جو میری طرح اس کا یقین کرتے ہیں کہ دیموس تھنیس کے ہم عصر ایتھنزیوں میں اعلیٰ منشی پائی جاتی تھی اور وہ صراط مستقیم سے صرف اس لئے ہٹے کہ اُن کے رہبر کو حقیقت آشکارا نہیں ہوئی، یا اگر ہوئی بھی تو اُس نے اُسے ظاہر نہیں کیا، اور باوجود اپنی تمام تقریروں کے جو اُس نے جنگی معاملات پر دی تھیں وہ لڑائی کی بابت کچھ بھی نہیں جانتا تھا، ایسے لوگ یہ آسانی سے سمجھ سکیں گے کہ ۲۸۰ء ق م اور ۲۳۰ء ق م میں ایتھنزیوں کی حالت تقریبًا ایک سی ہی تھی، اُن کے حوصلے اعلیٰ تھے، لیکن اُن کے مقاصد میں تلوّن کی کیفیت پائی جاتی تھی اور بعض مرتبہ وہ اپنے خواہشات اور مکروہات میں حدود معینہ سے باہر قدم رکھتے تھے۔ اس اُصول پر دلائل مبنی کئے جائیں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب اُنھوں نے غوکیون کو قتل کرایا تو اُنھوں نے بڑی غلطی کی، یہ کہ جب امرا نے دیمتریوس ساکن فالیروم کی چاپلوسی کر کے اپنی پستی اور نکبت کا ثبوت دیا، اور جب احیا شدہ عمومیت نے اپنے

کی بابت کسی خاص قاعدے کی پیروی نہیں کی جاتی، در آنحالیکہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ اپنے آزاد کرنے والے پولیورکیٹیس کی ضرورت سے زیادہ عزت و وقعت کی تو انھیں حد سے تجاوز کرنا ہرگز مناسب نہیں تھا۔ آخری حکم جو لگایا جائے گا وہ یہ ہوگا کہ ۳۲۳ ق م سے ۳۰۱ ق م تک ایتھنز میں بہت سے بحران کے زمانے آئے جس میں کبھی ایک فریق کبھی دوسرا حد سے تجاوز کر گیا، لیکن جب یہ بحران کا زمانہ گزر گیا تو شہر پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور اپنے آپ کو اپنے گزشتہ زمانے کا اہل ثابت کیا۔ نیز ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ جو کچھ ایتھنزیوں نے عام جوش کی حالت میں کیا اُس کی بابت بہ نسبت غاصب حکمرانوں کے ہم ملائم رائے قائم کریں جنھوں نے محض نیچے درجے کے غاصبوں کا برتاؤ کیا۔ پولی بیوس بھی یونانی عنصر کو بری روشنی میں دکھانے میں ممد و معاون ہوا ہے (مثلاً ۱۸، ۴۳۴)؛ دیکھو فون سکالا: "مطالعاتِ پولی بیوس" Von Scala: Studien des Pobybios، ۲۰۸۔

سروریۂ جدیدہ کے لئے دیکھو کرسٹ ص ۱۹۹/۲۰۵؛ زوسے میل ۱، ۲۴۸/۲۶۹،

گ۔ گیزو: "مطالعۂ تاریخی و ادبی بموضوع سروریہ و معاشرۂ یونان" G. Guizot: Etude histor. et litter. sur la comédie et la sociéte grecques پیرس ۱۸۵۵ء۔

پلوٹارک نے اپنی کتاب: "مقابلۂ ارسطوفانیس و مناندر" میں مناندر کی بڑی تعریف کی ہے

تقریروں کے لکھنے والوں نے مطالعۂ خصائص میں بہت ترقی دی؛ اس کے لیے دیکھو اس کتاب کی جلد ۳ باب ۱۲۔ ساتھ ہی خطّاب ہمیشہ سروریہ نویسوں کی تصانیف کا مطالعہ کیا کرتے تھے؛ دیکھو پریلر، پاؤلی ۴، ۱۷۷۹۔ ائس خنیس کے زمانے میں سوفسطائیوں کے مسالک دوم کے خصائصی خاکے؛ بلاس: "عہد سکندری کے خطّابان یونان"، وغیرہ ۵۸۔

قدیم وسطی اور جدید سروریوں کے درمیان فرق گیزو، ص ۱۴۸/۱۵۰۔ اپنی خاموش

باب۔ سروریۂ جدیدہ میں حقیقی زندگی کا پرتو نظر آتا ہے اور ایسے قواعد معینہ

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ نے خوشامدی اور ارسطوفانیس نے شیخی باز سپاہی کی سب سے پہلی تصویر کھینچی۔

ربیک: "تاریخ نظم روما" Ribbeck ;Gesch. d. cemischen Dichtung جلد ۱، (شٹگارٹ ۱۸۸۷ء) میں رومن سروریہ آمیز ناٹک کے اشخاص اور پلاٹ کا بیان دیا ہوا ہے۔ جنھیں یونانی ادبیات سے اخذ کیا گیا تھا۔ اگر منانڈر و فیلے مون کو اُس کی ضرورت ہو تو اس بیان سے اُن کی مزید تعریف و توصیف ممکن ہے

گینرو نے اپنی کتاب "منانڈر" ۱۸۷ میں "فازما" یا "دیو" کی تحقیقات کی ہے۔

کرسٹ نے (۱۸۹) ارسطوفانیس کے "سحاب" کو "مبالغہ آمیز نقل" کا لقب دیا ہے اور میں اس سے متفق ہوں؛ یہی حکم اس ناٹک لکھنے والے کی دوسری تصانیف پر بھی لگایا جا سکتا ہے۔ نقلیں اپنی قسم کی اعلیٰ تصانیف ہوسکتی ہیں لیکن یہ نقلیں بہترین نہیں کہی جاسکتیں؛ اس سے اعلیٰ درجہ تو جدید اٹیکائی سروریہ کا ہے جس میں انسانی نقائص وعیوب کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ شانتز اپنی کتاب "تاریخ ادبیات روما" Schantz : Roem Litteraturgesch. ۱، ۳۷ میں پلوتوس کے "محبوساں" پر لیسنگ کے اتباع میں کہتا ہے کہ "یہ تصنیف بہترین ہے جو کبھی تماشا گاہ پر لائی گئی" تو پھر لیسنگ کا خیال اصلی یونانی کھیل کی بابت کیا ہوگا؟ گیوٹے کی (ڈ ایکرمان سے گفتگو، ۱۸۲۵ء) رائے بھی منانڈر کی بابت اتنی اونچی تھی کہ اُس کے خیال میں سوفوکلیس کے بعد اسی کا نمبر تھا؛ لیوبکے: "منانڈر" Luebke: Men. صفحہ ۵ - ۱۰۔ فون شلیگل اپنی کتاب: "اسباق فن تمثال وادبیات" A. W. Von Schlegel: Vorles ueber dram Kunst und Litteratur جلد ۱، سروریۂ جدیدہ کے بابت انصافانہ رائے قائم کرتا ہے۔

باب ب

کی پیروی کی جاتی ہے جن کا زمانہ مابعد میں جملہ سرودیوں میں اتباع کیا جاتا ہے۔ جزاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ خارجی اعتبار سے اس کا نشو و نما سرودیۂ وسطی سے ہوا ہے جس میں سرودیۂ قدیم کا مبالغہ آمیز اور مزاح آمیز عنصر باقی رہا۔ لیکن جسمیں سیاسی مقاصد کا پتہ نہیں تھا۔ ہم سرودیۂ جدیدہ کے داخلی ماخذ پر بعد میں بحث کرینگے یہیں اسکا افسوس ہے کہ جدید اٹیکائی سرودیۂ جس کی قدما اتنی قدر کرتے تھے، وہ محض اجزاء کی شکل میں ہم تک پہنچا ہے، اور یہ اجزاء ایسے ہیں کہ ان سے کھیل کے ارتقاء اور سانگیوں کے خصائص جیسے اہم معاملات پر بہت کم روشنی پڑتی ہے۔ ان امور کی بابت ہمیں ٹیرنس اور پلوتوس کے رومن سرودیہ جات سے معلومات حاصل ہوتی ہیں جنھوں نے یونانی سرودیۂ جدیدہ کے کھیلوں کی تطبیق کی؛ لیکن چونکہ ان رومن ناٹک نویسوں نے خود اپنی طرف سے بھی بہت کچھ اضافے کئے اس لیے یہ ممکن نہیں کہ ان کے ذریعے سے جدید اٹیکائی سرودیہ کی بابت قطعی طور پر صحیح رائے قایم کی جاسکے۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ اس موضوع پر جو کتابیں زمانۂ حال میں تصنیف ہوئیں ریں اُن میں سرودیۂ جدیدہ کو خوب لتاڑا گیا ہے، اور یہ رائے دراصل اُس غلط فہمی پر مبنی ہے جو اُس زمانے کے ایتھنز کی اخلاقی حالت کی بابت آجکل عام ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ سرودیہ کی بابت جو غلط رائے قایم کی گئی ہے اُس کی تائید اُس زمانے کی اخلاقی حالت کی بابت جو خیالات رائج ہیں اُن سے کی جاتی ہے، درآنحالیکہ یہ اخلاقی حالت اس لئے خراب تصور کی جاتی ہے کہ اس کا چربہ ان کھیلوں میں اُتارا گیا ہے! ہم مثال کے طور پر ایک واقعے کا ذکر کرینگے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ پانچویں صدی ق م کے نصف آخر کی نسبت (جسمیں ارسطوفانیس نے اپنے سرودے قلمبند کئے) چوتھی اور تیسری صدیٔ ق م میں ایتھنزیوں کی اخلاقی حالت نہایت خراب تھی، اور سرودیۂ جدیدہ کو اس خراب حالت کا گویا آئینہ بتایا گیا ہے۔ لیکن ہمارے پاس اس کا

باب ۶

کوئی قطعی ثبوت نہیں کہ چوتھی اور تیسری صدی ق م میں ایتھنزی قوم کی حالت بدتر ہوگئی تھی، بلکہ اس کے برعکس بہتر نہیں تو مساوی حالت کا استدلال بہت سے امور سے کیا جا سکتا ہے۔ بلاشبہہ فوکیون کا مجرم ٹھہرایا جانا اور دیمتریوس اکبر و اصغر کی بابت ایتھنزیوں کی غلامانہ روش کو اس حکم کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن حکم لگانے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ فوکیون کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا تھا وہ اس سلوک سے بدتر نہ تھا جو مہم ارگے نوسائے کے بعد سپہ سالاروں کے ساتھ کیا گیا تھا، اور یہ کہ دیمتریوس ساکن فالیروم کے ۳۶۰ مجسموں کی تجویز ایک خود ساختہ عدیدی مجلس ہی نے تو منظور کی تھی جو کسی طرح ایتھنز کی قائم مقام نہیں کہی جا سکتی۔ نیز اس واقعے کو بھی ملحوظ نہیں رکھا جاتا کہ اس عہد میں انتی گونوس اور دیمتریوس پولیور کی تیس کا جو اعزاز و اکرام کیا گیا اس میں نہ صرف کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی (جیسا ہم نے باب ۲ حاشیہ ۱۳ میں دکھایا ہے) بلکہ یہ سبب اس زمانے کی زوردار رائے عامہ کے مطابق تھا۔ ہم اس باب کے حاشیہ ۳ میں دکھا چکے ہیں کہ تیسری صدی ق م ہی میں ایتھنز اپنی توانائی اور جنگی قابلیت اور آزادی کی محبت کا نہایت ہی قابل لحاظ ثبوت دے چکے تھے۔ اب صرف وہ دلائل باقی رہ جاتے ہیں جو سرودیۂ جدیدہ سے اخذ کئے جاتے ہیں اور جن سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اس زمانے میں ایتھنزیوں کی اخلاقی حالت خراب تھی، لیکن یہ دلائل بھی قطعاً بیکار ہیں۔ اوّل تو ہمیں یہ کہنا ہے کہ سرودیۂ جدیدہ سے جو انتاج کیا جاتا ہے اس کا جواب زمانۂ مابعد کے اس سروری ناٹک سے ملتا ہے جو اس کا جانشین تھا، یعنی اس میں بھی بد اخلاق نوجوان عورتوں، مکّار بیویوں، بدتمیز چاپلوسوں، شیخی باز سپاہیوں کا تذکرہ ہے۔ اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کے بعد کے تمام زمانوں میں ایتھنز کی اتنی ہی خراب حالت تھی جتنی عہد زیر بحث میں علاوہ ازیں سرودیۂ جدیدہ کے اجزا سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ہمعصر

ایتھنز میں اس قسم کے ذلیل اخلاق کو اُتنا ہی بُرا سمجھا جاتا تھا جتنا کسی دوسرے مُلک یا کسی دوسرے زمانے میں۔ چنانچہ ان اشخاص تمثیلی کے وجود سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ ایتھنزیوں کے صحیح خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس نظر لئے کے مطابق سترھویں صدی عیسوی کے نصف آخر کے انگریزی سرورئے، جو اخلاقی اعتبار سے اُن یونانی سرویوں سے کہیں بدتر تھے، اور جن کے موضوع پر میکالے نے ہمارے لئے ایک نفیس مقالہ چھوڑا ہے، ان سے معلوم ہوگا کہ اس عہد کی انگریزی قوم، وہی جس نے جیمز دوم کو نکال باہر کیا، ایک اوّل درجے کی بداخلاق قوم تھی۔ اس کے برعکس جدید ایتھنزی سرویوں کی بابت جو کچھ ہمارے پاس تک پہنچا ہے اُس کا مطالعہ کرنے سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اوّل تو بحیثیت ایک فن کار کے اُس کا رتبہ نہایت اعلیٰ وارفع ہے، اور دوسرے تیسری صدی ق م میں خانگی زندگی کے اعتبار سے ایتھنزی اپنے پیش روؤں سے کچھ بدتر نہیں تھے۔ جہاں پانچویں صدی ق م میں ارسطوفانیس اپنے ہم بلدوں کی خانگی زندگی کے بدترین اور قابل نفرت حصے کا ذکر کرتا ہے، وہاں سروریۂ جدیدہ میں جس زندگی کا ذکر کیا جاتا ہے اُس میں علی العموم کوئی بُری بات نہیں پائی جاتی۔ گو ظاہر ہے کہ اس میں سروری کیفیت پیدا کرنے کے لئے لغویات اور بدکاریوں جیسے حشوات و زوائد پر زور دینا لازم تھا۔ ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ ایتھنز میں ایسے معزز خاندان بھی تھے جنھیں دوسروں کے لئے گویا نمونہ تصوّر کیا جاتا تھا، اور ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ سنہ ۳۰۰ ق م میں فلسفے کی جو نئی طرز ڈالی گئی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس عہد کے ایتھنزیوں نے خصوصاً اور یونانیوں نے عموماً کسی کوشش میں دریغ نہیں کیا۔ بلاشبہہ ہم ایک ایسے معاشرے کو جس میں کلیان تھیس کی عزّت کی جاتی ہو کسی طرح سے بداخلاق نہیں کہہ سکتے۔

باب ۶

اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ سروریہ جدید کیوں ضروری تھا یا کم از کم کیوں مناسب تھا تو ہمیں مفصلۂ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ سروریۂ قدیم میں محض مردانہ معاشرے کی ایک ایسی نقل اُتاری گئی تھی جس کے ارکان میں حاضر جوابی کا مادّہ ہو لیکن جو اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ پانچویں صدی ق م میں متمدّن ایتھنز کا معاشرہ بالکلیہ مردوں پر مشتمل تھا۔ اسپازیہ چاہتی تھی کہ اس صورت حال میں تبدیلی ہو جائے لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہوئی۔ سروریئے صرف اُن مردوں کے لئے لکھے جاتے تھے جن کی دلچسپی ادبیات وسیاسیات تک محدود تھی، اور جو عورتوں کو صرف اُن کی بُری حیثیت سے یاد کیا کرتے تھے۔ کسی معزّز عورت کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ ارسطو فانیس کے کھیلوں کو دیکھے یا اُن کے مکالمے سُنے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے لئے اُن کھیلوں میں کچھ نہیں رکھا تھا اس لئے کہ سیاسیات کی نقل جو صرف اُن ہی لوگوں کے لئے دل خوش کن تھی جو بازار میں کاروبار کرتے تھے، یا خانگی زندگی کی نقل، یہ دونوں معمولی بیبیوں کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔ ایک ایسا سروریہ جو معزّز خواتین کے لئے باعث کلفت ہو یا جس کی وجہ سے اُس کی طبیعت مسرور نہ ہو اُسے تمدّن کے ایک مخصوص عہد کی پیداوار کہا جا سکتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ہر عہد میں مفید مطلب ہوگا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ سروریہ اور ردیہ دونوں کی دلچسپی عام ہونی چاہئے اور اس میں انسانیت کا عنصر ہونا چاہئے اور یہی وہ چیز ہے جو ادبیات یونان میں نہیں پائی جاتی۔ ہر شخص، عورت ہو یا مرد، ائس خیلوس، سوفوکلیس اور یوری پیس سے محظوظ ہو سکتا تھا، لیکن ارسطو فانیس میں صرف مرد ہی دلچسپی لے سکتے تھے، اور اگر کھیل کے ساتھ اس کی تفسیر بیان نہ کی جائے تو پھر صرف پانچویں صدی ق م کے مرد ہی۔ ایتھنزی سروریہ کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اُس نے

باب ۵

سروری ناٹک کو انسانیت کے قالب میں ڈھال دیا، اور میلوں تماشوں کے لئے وہ کتابیں جو کلیون اور اس کے ہمعصروں کیلئے لکھی گئی تھیں، ہرکس وناکس کا آلۂ مسرت بن گئیں۔ سروریۂ جدیدہ میں اس تبدیلی کی جھلک نظر آتی ہے جو پانچویں صدی ق م کے بعد پیدا ہوئی تھی۔ چوتھی صدی ق م کے اواخر میں عورتوں مردوں کا ایک مخلوط معاشرہ بن گیا تھا جس میں اب بھی معزز خواتین کی بجائے نیم فاحشہ عورتوں کا عنصر غالب تھا، اور یہی وہ معاشرہ تھا جس کے لئے یہ یہ سروری ناٹک دراصل مرتب ہوئے تھے۔

قدیم، وسطی اور جدید سروریہ کے موضوعات کو گینزوونے نہایت عمدہ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ یہ مصنف کہتا ہے کہ قدیم سروریہ زندگی عامہ کا، وسطی کیفیات عامہ میں زندگی کا اور جدید خانگی زندگی کی تصویر کھینچتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ سروریۂ جدیدہ کا موضوع خانگی زندگی ہے، اور اس کے اوّلین اور عظیم ترین لکھنے والوں نے اسے کچھ اس طرز پر بیان کیا ہے کہ ان کے اصول اس وقت بھی اتنے ہی قیمتی ہیں جتنے پہلے دن تھے۔ اس کا موضوع خاص عشق ومحبت تھا اور اس وقت بھی اس قسم کے سروریوں میں یہی موضوع چلا آتا ہے۔ سروریۂ جدیدہ میں طرز تمثیل یہ ہے کہ ایک طرف تو کھیل کی بندش کو نہایت نفیس پیرائے میں وا کیا گیا ہے اور دوسری طرف اشخاص تمثیل کے خصائص کا چربہ اتار لیا گیا ہے۔ بندش اگر کسی گم شدہ عزیز کی تلاش پر مبنی ہوتی ہے اور اکثر اس کی وضع نہایت سادہ ہوتی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس جدید اٹیکائی سروریہ میں سانگیوں کے خصائص کا بیان زمانۂ مابعد کے ناٹکوں سے کسی طرح کمتر نہیں ہے۔ یہی وہ سروریہ تھا جس نے زمانۂ مابعد کے اکثر انواع خصائص تمثیلی کی بنیاد ڈالی، اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ حقائق زندگی کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کے ماں باپ، لاڈلے بیٹے،

باب

غلام، بازاری عورتیں، شیخی باز سپاہی، خوشامدی، فلسفی، یہ سب سروریۂ جدیدہ میں بالکل اسی طرح نظر آتے ہیں جیسے زمانۂ حال کے سروری کھیلوں میں سروری ناٹکوں میں بھی کیفیت انسانی خامیوں اور عیبوں، مثلاً غصہ، اوہام پرستی، بڑبڑانے اور بدباطنی کی ہے۔ ان ناٹک نویسوں کی نفسیاتی نظر کی خوبی اُن چھوٹے چھوٹے کہاوتوں سے ظاہر ہوتی ہے جو اس وقت تک اُن کھیلوں میں سے موجود ہیں۔

آخر میں ہمیں ایک کم وبیش اہم بات یہ لکھنی ہے کہ سروریۂ جدیدہ محض خارجی اعتبار سے قدیم اور وسطی سروریہ کا سلسلہ کہا جا سکتا ہے اور اس لئے میلوں اور عیدوں کے مواقع پر اُن کی جگہ لے لی جہاں تک اندرونی کیفیات کا تعلق ہے یہ دراصل یوری پدیس کے دردیہ آمیز ناٹکوں کا جانشین ہے، اور چونکہ لوگوں کو اس کا احساس محض رفتہ رفتہ ہوا اس لئے جو روایتی نفرت یوری پدیس سے تھی وہ متاندر کو منتقل ہو گئی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یوری پدیس معمولی زندگی کی روزمرہ کیفیات کے مطابق تصویر کھینچتا ہے۔ لیکن اُس کے سانگیوں کی وضع انسانی نہیں بلکہ سورمائی تھی اور یہ سورما اب بھی گویا قدیم زمانے ہی میں رہتے سہتے تھے۔ سروریۂ جدیدہ میں بندش اسی طرح سے پیش کی جاتی ہے جیسے یوری پدیس میں۔ لیکن اشخاص تمثیل اب میکے نائے یا آرگوس میں نہیں بلکہ ہمعصر رھوڈز یا ایتھنز میں رہتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ نیا اسلوب پُرانے اسلوب سے زیادہ صحیح اور دلچسپ ہو گا۔ بہت سے امور میں سروریۂ جدیدہ ابی قوریت کا گویا تتمہ ہے، اور بہر نہج اس کا مقصد حیات بہ نسبت رواقی ہونے کے زیادہ تر ابی قوری ہے۔

اس سروریہ کا نمونہ فلے مون معلوم ہوتا ہے جو اپنی زندگی کے اوائل میں سولی یا سرقوسہ سے ایتھنز آیا اور اولمپیاد ۱۱۲ (۳۳۰ ق م) سے وہاں رہکر تمثیلی نظم کہنے لگا۔[۹]

[۹] فلے مون بمقابلہ کرو لاڈے وگ Ladewig پاؤلی جلد ۵ میں۔ اس کا بیان دیکھو صفحہ آئندہ

مناندر نے اپنا کاروبار دو اولمپیاد لعبد تک سنبھالا۔ مختلف ادبی مقابلوں میں فلےمون جیت جاتا تھا اور آجکل یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ اسی زمانے کی بڑی بڑی ممتاز شخصیتوں کا یہ قدیم انداز سے مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس نے اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ ایتھنز سے باہر بسر کیا اور منجملہ دوسرے مقامات کے ماگوس ساکن سرنہ کے ساتھ بھی رہا۔ وہ تقریباً ایک سو سال کا ہوکر اولمپیاد ۱۲۹، ۳ (سنہ ۲۶۲ ق م) کے قریب مرگیا، اور اس کی نسبت مشہور ہے کہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک برابر کام پر لگا رہا۔ اس کے ناٹکوں کی پلوتوس نے جو تطبیقیں کیں ان سے اس کے کھیلوں موسومہ "سوداگر" و "خزانہ" کا حال معلوم ہوتا ہے۔

لیکن مناندر فلےمون سے بھی زیادہ ہر دل عزیز ہوگیا۔ یہ اولمپیاد ۱۰۹، ۳ (سنہ ۳۴۲ ق م) میں ایتھنز میں پیدا ہوا تھا۔ وہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ زوسےمیل ۱، ۲۵۹ میں۔

مناندر کیفی زیا نامی دیموس کا باشندہ تھا مقابلہ کرو پہلر پاؤس ، جلد ۴ میں۔ گیزو، دنی: "سروریۂ یونان" Denis: La Comédie Grecque جلد ۲ پیرس سنہ ۱۸۸۶ء؛ مختصر بیان زوسےمیل ۱، ۲۵۳ میں: ۵ لیوبکے H.Leubke "مناندر"، برلن سنہ ۱۸۹۲ء

دوسرے سروری مصنّف۔ دفی لوس ساکن اسنوف زوسےمیل ۱، ۲۶۰

فلپی دیس پیاینیہ نامی دیموس کا باشندہ تھا، اور نہ صرف شاعر تھا بلکہ امیر اور سیاس بھی تھا اور لیزی ماخوس کے دربار میں اس کا نام تھا۔ وہ ایتھنز کا محسن تھا۔ زوسےمیل ۱، ۲۶۲ میں اس کی بابت ایک تجویز نقل کرتا ہے؛ ہکس ۱۶۰۔

پوسی دی پوس ساکن کاساندریہ؛ زوسےمیل ۱، ۲۶۴۔ واٹیکان میں اس کے اور مناندر کے نشستہ مجسمے اب تک موجود ہیں۔

اپولودوروس ساکن کارسیتوس، زوسےمیل ۱، ۲۶۴

ابی قوروس کا ہم عمر تھا اور لڑکپن میں یہ دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے اور ان کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ اس پر فلسفیوں میں سے تھیوفراسطوس نے سب سے زیادہ اثر ڈالا، اور ابی قوریت گویا ایک ایسی ذہنی تحریک تھی جس کی فضا میں اُس نے اپنی زندگی بسر کی اور ناٹک لکھے۔ وہ دیمتریوس ساکن فالیروم کا بھی دوست تھا جسے طرز زندگی کو ملحوظ رکھ کر ابی قوری کہا جا سکتا ہے۔ مناندر ایک خوش پوش شخص تھا اور اُسے زندگی کا حظ حاصل کرنے میں خاص ملکہ تھا۔ اُسے بطلیموس اوّل نے اسکندریہ طلب کیا لیکن اس سے ایتھنز نہیں چھوٹتا تھا۔ وہ اولمپیاد ۱۲۲، ۳ (سنہ ۲۹۰ ق م) میں صرف ۵۱ سال کی عمر میں مر گیا۔ مناندر کو خصائص کے بیان میں خاص مہارت تھی اور اپنے زمانے کے عادات و اطوار کا خاکہ کھینچنے میں اُسے کمال حاصل تھا۔ جو لوگ اُس کے ناٹکوں کو دیکھتے تھے وہ محسوس کرتے تھے کہ اُس کا مقصد یہ ہے کہ وہ زندگی کے اہم مسائل پر غور کریں، اور جو لوگ تمدن یافتہ تھے وہ اُس کے کھیلوں کو دوسرے ناٹکوں پر ترجیح دیتے تھے۔ خود وکلاء کو اُس کے کھیلوں سے سبق حاصل ہوتا تھا۔ اُس کے بہت سے ناٹکوں سے ہم ٹیرنس کی تطبیقوں کے ذریعے سے واقف ہیں، مثلاً "اندریہ" "برادران"، "خود مکلف" اور "زنخہ"۔ اس نے "تائیس" نامی ایک سروریہ لکھا جس کی وجہ سے یہ نام "بازاری عورت" کے مترادف ہو گیا، اور دانتے نے اُسے گویا اپنا کر لیا۔ اُس کی ایک مدخولہ تھی جس کا نام گلی کرا تھا جسے اُس نے ایک سروریہ میں داخل کر کے ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا۔

سروریہ جدیدہ کے دوسرے مصنفوں کی بابت ہمیں بہت ہی کم معلومات حاصل ہیں اس لئے اس مقام پر اُن پر بحث نہیں کی جاتی۔ جہاں فلسفے کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد یونانیوں نے

کس طرح اعلیٰ ترین مسائل وجود کو حل کرنے کی کوششیں کیں، وہاں سرور یہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے، اور بالخصوص ایتھنز یوں نے کس طرح سے عملی دُنیوی ادراک کے مسلّمہ اُصول پر عمل کر کے روزمرّہ کی زندگی سے ایک مسرّت آفریں اور سبق آموز عنصر اخذ کیا۔ فلسفہ ترقی کا جانشین ہے، سرور یہ آرام وہ استحفاظ کا، اور دونوں نے ان خیالات پر جن پر وہ مبنی تھے، اعلیٰ ترین سطح پر پہنچا دیا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے ایتھنز نے اپنے معاصرین میں وہ حیثیت برقرار رکھی جو اُسے زمانے سے حاصل تھی۔ چھٹی صدی ق م میں اُس نے حصول ادراک کے لئے سولون کے ذریعے سے رہبری کے فرائض انجام دیئے اور نفاست میں اگارستہ کے ہاتھ کے لئے جو دو امید وار سکیون آئے تھے اُنکی وساطت سے یونان کے لئے شمع ہدایت بنا۔ اس کے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں کہ پانچویں صدی ق م میں ایتھنز ادراک و نفاست دونوں میں یکتائے روزگار تھا۔ چوتھی صدی ق م کے اختتام اور اور تیسری صدی ق م کی ابتداء میں وہ ان میدانوں میں ستل پون، تھیوفراستوس زینو، ابی قوروس، فلیمون اور مناندر کے ذریعے سے رہبری کرتا ہے، اور اس کے ذریعے سے تمام ہمعصر یونان پر اور عام طور پر بنی نوع انسان پر اثر ڈالتا ہے۔ اس سے مقابلہ کیا جائے تو شاہی پائے تختوں کے کارنامے ہیچ معلوم ہوں گے؛ دُنیا کیلئے کالی ماخوس اور اپولونیوس ابی قوروس اور مناندر کی خاکپا کے برابر بھی نہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ حکمیات کا نشو و نما مصر میں ضرور ہوا، اور ارسطاطالیس نے جو کام ایتھنز میں شروع کیا تھا اُسے اُس کے شاگردوں نے اسکندریہ میں کمال کو پہنچایا۔ اس لئے اگر حکمیات میں مصر ایتھنز پر سبقت لے گیا تھا تاہم وہ ادبیات و فنون میں یونان کا رہبر نہیں تھا، بلکہ اس میدان میں رھوڈز اُس پر سبقت لے گیا تھا۔

الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فنون میں پھر ایک جمہوریہ ہی ہے جسے

باب ۶

اوّلیت کا فخر حاصل ہے۔ لیکن یہ واقعہ کہ فنون کا نشو و نما ایتھنز میں نہیں بلکہ ایک ایشیائی شہر میں ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کے لئے فلسفے اور شاعری کی طرح صرف فراست ہی کی نہیں بلکہ بڑی حد تک مادّی وسائل کی بھی ضرورت تھی، اور ان چیزوں میں ایتھنز رھوڈز کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ اس ضمن میں زمانۂ مابعد تک ردِّ عمل شروع نہیں ہوا۔ رھوڈزی فنون کا رجحان اعلیٰ کی طرف تھا؛ جب سادگی کی طرف میلان ہوا تو ایتھنز از سرِ نو مدینۃ الفنون بن گیا۔ اس پر ابواب ۲۲ و ۲۳ میں بحث کی جائے گی[۱۱۰]

---

[۱۱۰] اس عہد کا مقابلہ زمانۂ حال سے: پ. گارڈنر: "ابواب جدید" ۴۹ ۴۔ عیش و عشرت اور کشت و خون، ۱ ۵ ۴، ۵۲ ۴۔

پ. گارڈنر نے (۱ ۵ ۴ وغیرہ) اُس زمانے کے یونانیوں کی معاشری تبدیلی کا حال بیان کیا ہے؛ عورتوں کی حیثیت، انجمنیں، فطری حسن کا احساس، فنون میں فطرت کی نقل، بربریوں کے اصناف۔

باب ہفتم

اگاتھوکلیس

جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو مغربی یونان میں کیا کیا واقعات رونما ہو رہے تھے؟ مشرقی اور مغربی یونان میں بہت کچھ یکسانی پائی جاتی ہے، لیکن اوّل الذکر کی بہ نسبت یہاں کے واقعات ذرا زیادہ پردۂ اخفا میں ہیں۔ یہاں بھی جانشینان سکندر کے خصائص اور خودغرض حکمرانوں کی بے پروایانہ تشدّد کی جھلک نظر آتی ہے، بلکہ سچ پوچھو تو اسمیں شدّت کی زیادتی ہے، اور ساتھ ہی مشرق کے رھوڈز اور ایتھنز کی طرح کوئی جمہوری ملت نہیں ہے کہ اس تشدّد کے خلاف تمدّنی اور ذہنی ترقی کی پشت پناہی کر سکے۔ ظاہر ہے کہ "یونان کبیر" اور سسلی وہ ممالک ہیں جن پر اب ہماری توجہ مرکوز ہوتی ہے، اور خاص طور پر ہم سسلی کیطرف ناظرین کے خیال کو ملتفت کریں گے جو ہمیشہ اپنے ہمسایۂ "یونان کبیر" سے ممتاز رہتا تھا۔ یہاں جانشینان سکندر اور تابعین کی جگہ اگاتھوکلیس نظر آتا ہے، اور یہ صقالوی خودسر اپنا دائرہ مشرق میں ماوراے اطالیہ اور مشرق میں ماوراے صقالیہ، ایپائروس و قرطاجنہ تک وسیع کر دیتا ہے، جس کے باعث اُسے زمانۂ قدیم کی سب سے ذی اثر شخصیتوں

باب

میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں ہمیں مغرب کے متعلق جو کچھ تھوڑا بہت کہنا ہے وہ سب اُس کی جانبازیوں اور کارناموں پر مشتمل ہے اس کے بعد ہماری توجہ ایک بالکل دوسری نوع کے شخص یعنی پرھوس کی طرف مبذول ہوجائے گی۔ اگاتھوکلیس کے حالات سے از ۳۱۷ سنہ ق م تا ۲۸۹ سنہ ق م کا زمانہ بھرا ہوا ہے، گو آخر میں چل کر یہ حالات بہت ہی جزوی رہ جاتے ہیں، اور اس کے بعد پرھوس ۲۷۴ سنہ ق م تک ہماری رہبری کرتا ہے۔

اگاتھوکلیس، کارکی نوس ساکن رھےگیوم کا بیٹا تھا اور سسلی کے شہر تھرمائے (موجودہ تریمینی) میں اپنے باپ کی جلاوطنی کے زمانے میں پیدا ہوا تھا[1] تھرمائے سے کارکی نوس سرقوسہ گیا اور یہاں پہنچ کر اُس کا بیٹا اگاتھوکلیس ذی اثر داماس کا منظور نظر بن گیا، اور اسی تقرب سے وہ اُس لشکر میں جو اکراگاس کے خلاف لڑ رہا تھا، خلیارخ مقرر ہوگیا۔ داماس کے انتقال کے بعد اُس نے اسکی بیوہ

---

[1] میں یہاں اگاتھوکلیس کے متعلق زمانۂ حال میں جو لکھا گیا ہے اُس کا حوالہ دیتا ہوں: گروٹ، باب ۹۷، ہولم: "تاریخ سسلی بزمانۂ قدیمہ" Holm: Gesch. Sicilien Alterthum، ۲، $\frac{۲۱۹}{۲۲۷}$ و $\frac{۴۷۴}{۴۸۵}$؛ میلتزر: "تاریخ قرطاجنہ"، ۱؛ شوبرٹ: "تاریخ اگاتھوکلیس" Schubert: Gesch. des Agathokles بریزلاؤ ۱۸۸۷ء، جس میں اسناد کا تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ دیکھو میری تنقید: "جریدہ ادبیات المانیہ" Dentsche Litteraturzeitung ۱۸۸۸ء میں؛ نیز نیسے Niese ۱، $\frac{۴۳۰}{۴۸۶}$۔

قدیم زمانے اور حال کے زمانے میں مؤرخوں نے جو نقطۂ نظر اختیار کیا اسپر تمائیوس کا بڑا اثر پڑا ہے، اور تمائیوس اس خاص معاملے میں انصاف سے کام لیتا ہے۔ دیکھو تحت باب ۴۳، حاشیہ ۸۔

اگاتھوکلیس کی تاریخ کا آخری حصّہ غیر متیقّن ہے، اس لئے کہ ہماری خاص سند یعنی دیودوروس کی تاریخ صرف ۳۰۱ سنہ ق م تک جاتی ہے۔

سے نکاح کر کے خود اپنا اقتدار اور اپنی دولت دونوں بڑھا لی۔ لیکن وہ خاموش شہری زندگی سے کسی طرح مطمئن نہیں تھا۔ جب وہ اس سرقوسی لشکر میں خلیارخ تھا جو کروتونیوں کی مدد کے لئے برتیوں کے خلاف روانہ ہوا تو وہ راستے میں اپنے سپہ سالار سوستراتوس سے لڑ پڑا اور سرقوسہ پہنچ کر اُس پر بہت سے الزامات قائم کئے۔ جب اُس نے دیکھا کہ شہر والے اُس کی شنوائی نہیں کرتے تو وہ سرقوسہ چھوڑ کر چلدیا، اور اجیر سپاہیوں کی ٹولیوں سمیت اٹلی اور سسلی میں کبھی کسی حکمران کی خدمت میں اور کبھی خود اپنے آپ چھاپے مارنے لگا۔ وہ کروتون پر قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوا اور تارنیتیوں نے اُسے اس وجہ سے برخاست کر دیا کہ انھیں اُس کی کارروائیوں پر شک و شبہہ سا ہو گیا تھا۔ الغرض سوستراتوس اور اُس کے پیرووں کے زوال کے بعد وہ سرقوسہ واپس آیا لیکن اس پر بھی اُسے چین نہیں آیا اور سرقوسہ کی خدمت سے دست کش ہو کر دشمنانِ سرقوسہ کے ساتھ مل گیا۔ لیکن اُس کا مستقل ارادہ یہ تھا کہ خود سرقوسہ میں اپنی قوت کو مستحکم کر لے اور اُس نے اس مقصد کو قرطاجنی سپہ سالار ہملکار کے ذریعے اسے پورا کیا۔ یہ شخص اُس وقت سسلی میں کمان کر رہا تھا؛ اور اُس نے اگاتھوکلیس کو صرف اس لئے مدد دی کہ اپنے خیال میں وہ اُس کے ذریعے سے گویا خود اپنا راستہ صاف کر رہا تھا۔ قصہ مختصر اگاتھوکلیس سرقوسہ آتا ہے اور وہاں کا سپہ سالار بن جاتا ہے۔ برسرِ اقتدار ہوتے ہی اُس نے چار ہزار سرقوسیوں کے سر قلم کر کے اپنی حکومت کی بنیاد کو اور بھی زیادہ مستحکم کر لیا۔ اس کے بعد اُس نے اعلان کیا کہ اب عدیدی اتشرد کے خلاف طبقۂ اسفل کی حمایت کروں گا، اور اس چال سے آخر کار ۳۱۷ ق م میں اُس نے اپنے اقتدار کو عموم سرقوسہ سے تسلیم کرا ہی لیا۔ وہ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک سرقوسہ پر حکومت کرتا رہا۔ اُس نے اپنے عہد میں امیروں اور تعلیم یافتہ طبقوں

باب

پر نہایت سختی کا برتاؤ کیا اور عوام النّاس کے مفاد کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔
اس کی بہت جلد یہ آرزو ہو گئی کہ اپنی سلطنت کے حدود کو وسیع کرے
سب سے پہلے تو اُس نے مسانہ پر قبضہ کرنے کی کوشش کی، لیکن
قرطاجنیوں نے اُس کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا اور نہ صرف اُسے
زک دی بلکہ سرقوسی جلاوطنوں نے اکراگاس، گیلا اور مسانہ کی مدد سے
ایک محالفہ قائم کیا اور مخالفوں نے اسپارٹی اکروتاتوس ولد شاہ کلیومنیس
کو اپنا سپہ سالار بنایا۔ سسلی کے راستے میں اکروتاتوس تارنتوم اُترا
جہاں والوں نے صرف اُس کی مدد کا وعدہ ہی نہیں کیا بلکہ واقعاً مدد بھی
بھیجی تھی، حالانکہ وہ ۳۲۰ سنہ ق م میں روما اور سامینوم کے مابین صلحکار
کی حیثیت سے پڑ چکا تھا اور اس طرح گویا سسلی کے حالات کی وجہ
سے بہت کچھ مصروف کار رہتا تھا۔ لیکن اکروتاتوس کو سراسر ناکامی ہی ہوئی
(۱۴ـ۳۱۳ سنہ ق م)۔ وہ چاہتا تھا کہ سسلی میں خود اپنی سلطنت قائم کرے
اور اسی مقصد کے حصول کے لئے اُس نے سرقوسی جلاوطنوں کے
رہبر سوسترالوس کو جان سے مروا ڈالا۔ لیکن اس واقعے کی وجہ سے
عوام النّاس کے خیالات میں ردّ عمل پیدا ہو گیا۔ اُسے شہر بدر کر دیا
گیا اور آخر کار اگاتھوکلیس کی مخالفت کا خاتمہ ہو گیا اور جزیرے کے
مشرقی شہروں نے سرقوسہ کی سیادت کو تسلیم کر لیا۔ لیکن امن و امان
کا زمانہ زیادہ دن تک نہیں رہا۔ صلحنامے پر دستخط ہملکار کے
بیچ میں پڑنے کی وجہ سے ہوئے تھے، لیکن قرطاجنی سینٹ نے
اُس کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا، اور یہ کہہ کر کہ اس میں قرطاجنی
مفاد کا فی ملحوظ نہیں، وہ اگاتھوکلیس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئی۔
اس کی دیکھا دیکھی صقالوی مخالفوں نے بھی کمر ہمّت باندھ لی اور
متفق ہو کر جنگ کی سفارش کی۔ پہلے تو کامیابی کا سہرا اگاتھوکلیس
ہی کے سر رہا اور اُس نے مسانہ پر قبضہ کر لیا، لیکن چونکہ اکراگاس
کی حفاظت قرطاجنی کر رہے تھے اس لئے وہ اُسے مغلوب نہیں کر سکا۔

باب

بہرحال ۳۱۲ ق م میں اُس نے دینوکراتیس اور اُس کی فوج کو، جو سرقوسی عدیدیوں سے روانہ کی تھی گالاریہ کے مقام پر شکست دی۔ لیکن اس کے بعد اُسے ایک بڑی بھاری زک ملی۔ وہ قرطاجینوں سے کوہ ایکنوموس پر، جو جنوبی ہمرا پر واقع ہے، جنگ آزما ہوا، اور جس طرح دیونی سیوس نے گیلا میں شکست کھائی تھی اسی طرح اُسے بھی اسی مقام پر نیچا دیکھنا پڑا۔ دیونی سیوس ہی کی طرح وہ سیدھا سرقوسہ گیا، لیکن بجائے اس کے کہ وہ خود قرطاجینوں کے خلاف شہر کی حفاظت کرے، اُس نے شہر کو اپنی قسمت پر چھوڑ دیا اور وہاں سے خود دشمن کے ملک میں جاکر اُس پر حملہ کر دیا۔

یہ جانبازی جانشینان سکندر کے عہد کے شایان شان تھی، اور تاریخی اعتبار سے قابل یادگار تھی۔ سب سے پہلے تو اگاتھوکلیس نے بہت سے امیر سرقوسیوں کو تہ تیغ کرایا اور اُن کے مال و اسباب کو ضبط کر لیا۔ اس کے بعد اُس نے اپنے بھائی انتاندر کو صوبہ دار سرقوسہ بنا کر اور خود چھ سو جہاز ساتھ لے کر چل دیا لیکن یہ کسی سے نہیں کہا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ وہ قرطاجنی بیڑے کو، جو اُس وقت سرقوسہ کی بندرگاہ کی ناکہ بندی کر رہا تھا، دھوکا دے کر افریقہ میں راس ہرمائیوم (راس بون) پہنچا جو قرطاجنہ کے مشرق میں واقع ہے اُس نے یہ بہانہ کیا کہ اُس نے اس مقام پر کامیابی کے ساتھ اترنے کی دمیتر اور پرسی فونے سے منت مانی ہے اور بیڑے کو، جو اب اُس کا سد راہ بن گیا تھا، جلا کر خود ایک زرخیز حصۂ ملک میں ہو کر جس میں سے اُس نے بہت کچھ مال غنیمت حاصل کیا، قرطاجنہ کی طرف بڑھا۔ شہر اس کے حملے کے واسطے تیار نہیں تھا، اور اس سے بھی بدتر یہ کہ اُس کے باشندے باہمی جنگ و جدال میں مبتلا تھے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ اگاتھوکلیس کو اس صورت حال کی اس سے پہلے سے خبر ہو گی۔ بہر نہج باشندوں نے حتی الامکان مدافعت کی

باب

کوشش کی - اُنھوں نے ایک بڑا لشکر جمع کیا اور ہانو اور بومالکار کو اپنا سرگروہ مقرر کیا - وہ دو ایسے خاندانوں کے افراد تھے جو درا صل ایک دوسرے کے مدمقابل تھے، اور قرطاجنی سنیات نے اُنھیں اس لئے سپہ سالار بنایا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو حد سے نہیں بڑھنے دیں گے - لیکن اس ترکیب کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا - ہانو تو لڑائی میں کام آیا اور بوملکار لڑنے کی بجائے پیچھے ہٹ گیا، چنانچہ فی الوقت اگاتھوکلیس کھلے ملک کا مالک بن بیٹھا - قرطاجنیوں نے اپنے معبودوں کے سامنے انسانوں کی قربانیاں کرکے اُن کے غصّے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی، اور ہملکار سے، جو سسلی میں کمان کر رہا تھا مدد کی درخواست کی - لیکن اگاتھوکلیس برابر بڑھتا ہی گیا - اُس نے ہدرالمیتوم پر قبضہ کر لیا - خود قرطاجنیوں نے اُس کی مدد کرنی شروع کردی اور لبیہ کا ایک سردار مسمی ایلی ماس اُس سے مل گیا - یہ مفاہمت زیادہ دن تک قائم نہیں رہی اس لئے کہ ایلی ماس نے علم بغاوت بلند کردیا لیکن اُسے شکست دے دی گئی اور اس کا خاتمہ کردیا گیا -

جزیرۂ سسلی میں قسمت کبھی اس طرف کبھی اس طرف پلٹا کھاتی تھی - ۳۰۹ ق م میں اپی پولائے میں ایک سخت طوفان برپا ہوا جسکی وجہ سے ہملکار سرقوسیوں کے پنجے میں آگیا اور اس کا کام تمام کردیا گیا - سرقوسیوں نے اُس کا سر اگاتھوکلیس کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ اُسے قرطاجنیوں کو دکھائے - ساتھ ہی اگاتھوکلیس کے دشمنوں نے بھی سسلی میں حرکت شروع کی - اکراگاس نے زینودیکوس کی سیادت میں ایک لشکر جمع کیا، اور اُسے اندرون جزیرہ میں کچھ کامیابی بھی ہوئی - افریقہ میں اگاتھوکلیس کی بھی یہی کیفیت تھی - وہاں اُس کے بیٹے ارکاگاتھوس اور کسی چھوٹے سے افسر کے درمیان جھگڑا ہوا اور یہ خیال ہونے لگا کہ شائد فوج قرطاجنیوں کے قبضے میں چلی جائیگی،

باب ۷

لیکن محض اپنی مستقل مزاجی کی وجہ سے اگا تھوکلیس پھر فوج کو اپنی طرف لے آیا اور قرطاجنیوں کو شکست دے دی۔

۳۰۸ ق م میں افریقی محاذ جنگ ذرا اندرون ملک کی طرف ہٹ گیا، جس پر چالاک جانباز نے والی سرنہ یعنی مقدونوی او فیلاس سے گفت وشنود شروع کر دی۔[۲] اُس نے اُس سے کہا کہ میں تمھیں مال غنیمت کا ایک حصہ دوں گا، اور اگا تھوکلیس سے ملنے کے لئے او فیلاس[۲] تونس کی طرف بہت سے سپاہیوں سمیت، جو مختلف اطراف واکناف سے آئے تھے، بڑھا۔ لیکن وہ پہنچا ہی تھا کہ اگا تھوکلیس نے اُسے مروا ڈالا، اور اُس کے سپاہیوں کو اپنے لشکر میں شامل کر لیا۔ لیکن اسی زمانے میں اس جانباز کے ایک بڑے مقدومعاون شخص کا کام تمام ہو گیا۔ بوملکار نے یک بیک قرطاجنہ پر قبضہ کرنے کی اسی طرح سے کوشش کی جیسے اگا تھوکلیس نے قرطاجنہ لینے کی کی تھی، لیکن جب وہ آدھا شہر فتح کر چکا تو وہ گرفتار ہو گیا اور اُسے فی الفور ملک عدم کو پہنچا دیا گیا۔ قرطاجنہ کے شہری اپنی پرانی ہمت اور استقلال کو نہیں بھولے تھے۔ بوملکار کے خاتمے کی وجہ سے جانباز سسلی کے خاص سہارے یعنی باہمی تنازعات کا خاتمہ ہو گیا اور اُسے شہر کے فتح کرنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ بلاشبہ ابتداء میں تو اس نے اپنی طاقت اس قدر محسوس کی کہ یوٹیکا کی تسخیر کے بعد یعنی ۳۰۷ ق م میں وہ تھوڑے سے سپاہی لے کر سسلی گیا تاکہ وہاں کی نازک حالت میں اصلاح کرے، اور افریقہ میں اپنے لشکر کے ایک بڑے حصے کو اپنے بیٹے ارکا گا تھوس کی کمان میں چھوڑ دیا۔ لیکن اس

۱؎ ایتھنز میں قرطاجنی سفرا اگا تھوکلیس کا کاٹ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔

۲؎ اگا تھوکلیس کا حلیف او فیلاس ایتھنز میں، "مجموعۂ نوشتہ جات اٹیکا" C.I.A. ۲، ۲۳۵ = ہکس ۳ ۱۴۲ مع تفسیر کے۔

باب

بیٹے کی قسمت میں شکست ہی لکھی تھی، چنانچہ وہ اپنے باپ کو واپسی کے لئے لکھنے پر مجبور ہوا۔ اگاتھوکلیس نے قرطاجنی بیڑے اور اکراگاس کی فوج کا خاتمہ کردیا۔ بہت سے امن پسند شہریوں کو مروا ڈالا اور ۳۰۶ ق م میں افریقہ چلا گیا۔ وہاں اس نے جانشینان سکندر کی طرح اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا (دیکھو باب ۲) اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو کسی طرح سے ان سے کمتر نہیں سمجھتا تھا؛ لیکن بادشاہ ہونے کے بعد اس نے افریقہ میں جو کچھ کیا وہ اس سے کم تھا جو اس نے اپنی سپہ سالاری اور خودسری کے زمانے میں کیا تھا۔ وہ قرطاجنیوں سے جنگ آزما ہوا، لیکن یہاں اسے ہی شکست ملی، اور جو واقعات اس کے بعد رونما ہوئے ان کی وجہ سے اس کے مقاصد ہی کا سرے سے خاتمہ ہوگیا۔ لڑائی کے بعد رات کے وقت پانچ ہزار لبیہ والے جو اگاتھوکلیس کے لشکر میں تھے، اس کا ساتھ چھوڑ کر قرطاجنی کیمپ میں چلے گئے۔ لیکن اس کیمپ میں اس وقت آگ لگ رہی تھی، اور جب لبیہ والے موقع پر پہنچے تو تعجب سے بھرے ہوئے قرطاجنیوں نے سمجھا کہ وہ حملہ آوروں میں سے ہیں، اور گھبرا کر سب کے سب قرطاجنہ بھاگ گئے۔ اب لبیہ والے اگاتھوکلیس کے پڑاؤ میں پہنچے لیکن یہاں بھی انھیں دشمن ہی سمجھا گیا اور صبح کے وقت تک برابر یہی گڑبڑ رہی، یہاں تک کہ آخر کار صبح ہونے میں غلطی معلوم ہوئی اور لڑائی ختم ہوئی! لیکن اب لبیہ والوں نے اگاتھوکلیس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس کے ساتھ ہی کامیابی کا موقع ہاتھ سے نکل گیا۔ اب وہ بالکل مایوس ہوگیا اور اس نے اب اپنے بیٹے ارکاگاتھوس کو افریقہ میں چھوڑ کر خود سسلی واپس جانے کا ارادہ کرلیا۔ یہ سن کر ارکاگاتھوس نے یہ خبر مشہور کردی، جس پر غضبناک سپاہیوں نے اگاتھوکلیس کو قید کرلیا لیکن ہوشیار خودسر نے ترکیبیں چل کر آزادی حاصل کرلی اور کیمپ سے نکل کر سیدھی سسلی کی راہ لی۔ سپاہیوں نے اس کے دو بیٹوں کو جو افریقہ میں رہ گئے تھے، جان سے

باب ۷

ھرواڈالا اور قرطاجنیوں کے ساتھ اچھے شرائط پر صلح کرلی - یہاں اگاتھوکلیس کی افریقی مہم کا خاتمہ ہوگیا - یہ مہم نہایت عجیب وغریب تھی، اور اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ وہ شہر جو دوسرے ملکوں میں اپنے اقتدار کو قائم کئے ہوئے تھا، اُس کی حکومت خود سرزمین افریقہ میں محض جبر پر مبنی تھی لیکن اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ قرطاجنی شہری قوت کی گویا کان تھے جو کسی خارجی جانباز کے حملوں سے، خواہ وہ کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو، اور نہ اپنے کسی غزلق کی غداری سے مغلوب ہو سکتے تھے - قرطاجنہ کو اجیر سپاہیوں کا کوئی خود غرض سرگروہ مغلوب نہیں کرسکتا تھا، اور یہ غلبہ ایک قوی مملکت کو ہی حاصل ہونے والا تھا جو ایک خاص اخلاقی اصول پر مبنی تھی، اور یہ مملکت رومانتی -

سسلی پہنچ کر اگاتھوکلیس نے اپنی زندگی کے نئے دور کو بڑے بڑے مظالم سے شروع کیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں رعب قائم کردے - اس بہانے سے کہ اُس کی زندگی کے خلاف سازشوں کا بازار گرم ہے - اُس نے اپنے حلیف شہر سیگستہ کے باشندوں کو شکنجے میں کسا اور جان سے مارا، اور اُس کے بھائی انتاندر نے اُن سرقوسی خاندانوں کو جو اُس کے ساتھ افریقہ گئے تھے، تہ تیغ کردیا - اس کے بعد اُس نے دینوکراتیس کے ساتھ (جو سرقوسی مہاجرین کا سردار تھا) گفت وشنود شروع کردی، اور جب اُس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا تو اُس نے قرطاجنیوں کے ساتھ صلح کرلی جن کے پاس اب جزیرۂ سسلی میں دریائے ہالی کوس کے مغرب والا ملک باقی رہ گیا تھا - معلوم ہوتا ہے کہ جب اُسے افریقہ میں شکستیں مل رہی تھیں تو اس وقت اُس نے رفتہ رفتہ قرطاجنیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کیا ہوگا، ورنہ سرقوسہ کے طویل محاصرے کے بعد اس قسم کا صلح نامہ قطعاً ناممکن تھا - یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں نے ایکدوسرے سے مفاہمت کرلی ہوگی -

اب چونکہ اگاتھوکلیس کے لئے تمام سسلی پر قبضہ کرنا ممکن نہیں تھا اس لئے اپنے پیش رو دیونی سیوس کی طرح اسنے اپنا منھ مشرق اور اٹلی کی طرف موڑا۔ اُس نے ۳۰۴ءقم میں لیپارا کو تاراج کیا اور اس کے بعد اپنی توجہ کورسائرا کی طرف مبذول کی۔ ۳۰۳ءقم میں اس جزیرے پر اسپارٹی کلیونی موس نے (جو اُسی اکروستاتوس کا بیٹا تھا جس نے کچھ مدت تک تارنتیوں کی خدمت کی تھی) قبضہ کر لیا تھا۔ دیمتریوس نے اس سے جزیرے کو لے لیا، لیکن اس کے بعد کاساندر نے یہاں سے اُسے ہٹا دینے کی کوشش کی۔ اب اگاتھوکلیس ایک نئے بھیس میں تماشاگاہ پر نمودار ہوتا ہے، مقدونیوں کو شکست دیدیتا ہے اور خود اپنے طور پر کورکائرا کو تاراج کر دیتا ہے۔ پرھوس شاہ مولوسیاں اس وقت بطلیموس والئ مصر کے (جس کے ساتھ اگاتھوکلیس نے اپنی بیٹی لاناسا کا نکاح کر دیا تھا) زیر حمایت تھا، اور یہ اب اس جزیرے پر قابض ہو گیا، اور اُس بیڑے کو ساتھ لے کر جس پر سرقوسہ کا خود سر اپنی بیٹی کو اُس کے شوہر کے پاس لے جا رہا تھا کروتون پر حملہ کیا اور اُسے مسخر کر کے تاراج کر دیا۔ ایک دوسرے موقع پر اس نے ہپونیوم پر قبضہ کر لیا۔ اُس کا سمندر پر اس قدر اقتدار بڑھا ہوا تھا کہ لوگ اب اُسے "مالک جزائر" کا لقب دینے لگے تھے۔ اس نے لاپی گیون اور پیوکیتیوں سے مل کر بحری قزاقی کا کاروبار ایک وسیع پیمانے پر پھیلایا جو فریقین کے لئے نہایت سودمند تھا۔ اسکے بعد اُس کے داماد پرھوس نے اُسے کچھ ناخوش کرنا شروع کر دیا جس کے بعد اگاتھوکلیس نے دیمتریوس سے گفت و شنود شروع کر دی اس لئے کہ وہ اس محالفے کے لئے اتنا ہی تیار تھا جتنا کسی دوسرے محالفے کیلئے۔ دیمتریوس نے اوکسی تھے مس کو، جو اُس کا رازدار تھا، اگاتھوکلیس کے پاس بطور سفیر کے بھیجا اور خود لاناسا کے ساتھ نکاح کر لیا۔

بہتر سال کی عمر میں اگاتھوکلیس نے پھر قرطاجنہ کے ساتھ لڑائی کا

باب

خیال کیا، لیکن اُسے اُس کے پوتے ارکاگاتھوس نے، جس پر اُس نے اپنے بیٹے اگاتھوکلیس کو ترجیح دی تھی، زہر دے دیا۔ کہتے ہیں کہ ادکسی تھےمس نے اسے چتا پر موت سے پہلے ہی رکھوا دیا تھا (۲۸۹ ق م)۔

سرقوسہ کی متبذل حالت کا اندازہ اس واقعے سے پورے طور پر عیاں ہوتا ہے کہ ایک ایسے حکمران کا سفیر، جس کی حالت خود اپنے مُلک میں دگرگوں تھی، خودسر کے بسترِ مرگ پر ایسا برتاؤ کرے۔ دو ہی سال بعد دیمتریوس کے قبضے سے مقدونیہ نکل جاتا ہے، اور مایوسی کی حالت میں فیلہ اپنی جان لے لیتی ہے۔ لکھا ہے کہ بسترِ مرگ پر اگاتھوکلیس نے اپنی بیوی (جو شائد مصر کے بادشاہ کی سوتیلی بیٹی تھی) اور اپنے بچوں کو دیمتریوس کے مدمقابل بطلیموس کی حمایت میں دے دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خودسر کے دربار اور خاندان میں دو فریق ہو گئے، ایک بطلیموس (اور پرصوس) کا فریق اور دوسرے دیمتریوس کا فریق۔ یہ خودسر دیمتریوس کے لئے مصر سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے، لیکن جب وہ مصر کی خاطر دیمتریوس سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہتا ہے تو دیمتریوسی فریق، جس میں خود اُس کا پوتا شامل ہے، اُس کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

قدیم زمانے کے فنِ خطابت کا یہ نہایت تحیر آفریں کارنامہ ہے کہ اس بڈھے گنہگار کی زبان سے اُس کے بسترِ مرگ پر ایسی اخلاقی تقریریں کرائی ہیں جن سے سننے والوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اُس نے آخر وقت میں سرقوسہ کو آزادی بخش دی، اور اگر فی الواقع اُس نے یہ کیا تو پھر وہ ہمارے نزدیک ایک چالاک خودسر ہی نہیں بلکہ ایک اعلیٰ درجے کا سانگی بھی تھا، اس لئے کہ علی العموم موت کے وقت، خصوصاً ایسی موت کے وقت جیسی اگاتھوکلیس کی ہوئی، اکثر لوگ سوانگ بھرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک بُرائی میں اگاتھوکلیس اور بطلیموس کیرانوس دونوں برابر تھے۔ اگاتھوکلیس

باب ۷

سنے جنگ اور امن دونوں میں اپنے فائدے کو ملحوظ رکھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے چالاکی میں کیرالنوس کو بھی مات کر دیا۔ ایک نوع کرکے اس کا مقابلہ سیزر بورجیا سے کیا جا سکتا ہے۔ اُسے عوام الناس پسند کرتے تھے، اور ان میں اور اُس میں بہت سی باتیں مشترک بھی تھیں۔ وہ نقالی سے اُنھیں خوش کیا کرتا تھا، اور جب عموم خوش ہوتے تو وہ نہایت اطمینان سے مرفہ الحال شہریوں کے مال کو تاراج کر سکتا تھا، اُنھیں شکنجے میں دے سکتا تھا اُنھیں قتل و غارت کر سکتا، یعنی بغیر عوام الناس کے رنجیدہ کئے ہزاروں انسانوں کا خون بہا سکتا تھا۔[۲۳]

یہ مسئلہ تصفیہ طلب ہے کہ اُس نے یونانی تمدن کو نقصان پہنچایا یا فائدہ۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ ایک یونانی ہی تھا جس نے سسلی سے نکل کر خود برّاعظم افریقہ میں قرطاجنیوں سے جنگ آزما ہوا، اور یہ یقینی امر ہے کہ اس سے اقصائے مغرب تک یونان کی شہرت ہو گئی ہو گی۔ ممکن ہے کہ اُس نے سسلی میں خارجی اعتبار سے ایک حد تک یونانی عنصر کو قوت پہنچائی ہو، لیکن ڈیونی سیوس کی طرح اس کی وجہ سے بھی اٹلی میں تو یونانیت کو نقصان ہی پہنچا، اور ڈیونی سیوس وہ شخص ہے جس کے عہد حکومت سے اُس کی پوری زندگی مطابق کی جا سکتی ہے۔ لیکن دونوں اشخاص کے خصائص جداگانہ ہیں۔ اگا تھوکلیس سے مقابلہ کیا جائے تو ہمیں ڈیونی سیوس تقریباً سچا، کم از کم قابل فہم اور ایک حد تک دل خوش کن شخص معلوم ہو گا، اس لئے کہ ڈیونی سیوس کی توانائی،

---

[۲۳] فرڈیننڈ شاہ نیپلز (۱۷۵۹ تا ۱۸۲۵) بھی عوام الناس سے اسی قسم کا برتاؤ کرتا لیکن وہ اگا تھوکلیس سے مختلف تھا۔ اگا تھوکلیس کے زمانے کے سرقوسیوں اور آج کل کے نیپلزیوں کے خصائص ایک سے ہی ہوں گے، گو آج کل کے سسلی والے ذرا زیادہ سنجیدہ ہیں جنھیں نہ اگا تھوکلیس خوش کر سکتا ہے نہ فرڈیننڈ۔ ہمارے نزدیک یہ فرق عربوں کے اثر سے پیدا ہوا ہے۔

فہم، اور اخلاقی حالت کے درمیان، ارادہ، ذہنیت اور قوت قلبی کے مابین ایک طرح کی یکسانی نظر آتی ہے، اور ہم اُسے ذلیل انسان نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس کے برعکس اگاتھوکلیس بحد فریس، بحد صاحب توانائی تھا لیکن طبعًا بے حد ذلیل بھی تھا، اور اُس نے دیونی سیوس کی طرح کبھی حاضر جوابی کی کوشش نہیں کی۔ اگر اُس نے ملائمت اختیار کی تو پھر اُس کی گفتگو بالکل سوقیانہ ہو جاتی۔ اُس نے سسلی کو بڑے بھاری اختلال میں پھنسا ہوا چھوڑا۔[۹۴]

---

۹۴ اگاتھوکلیس کے سکّے؛ ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات" $\frac{۱۵۸}{۱۶۰}$۔ انھیں تین عہدوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: (۱) ۳۱۷ سنہ ق م سے ۳۱۰ سنہ والی مہم افریقہ تک، (۲) ۳۱۰ سنہ ق م سے مہم کے اختتام ۳۰۶ سنہ ق م تک، (۳) ۳۰۶ سنہ ق م سے اعلان بادشاہی ۲۸۹ سنہ ق م تک۔ عہد اول میں سونے اور چاندی کے سکّے مسکوک ہوئے یعنی اٹیکائی معیار کی چو درہمیاں جن کے ایک طرف عورت کا سر اور دوسری طرف چوکڑی بنی ہوئی ہے، اور کورنتھی استاتر جس پر پالاس اور پیگاسوس کی شبیہہ تھی۔ ان کے علاوہ تانبے کے سکّے بھی مسکوک ہوئے۔ یہ نہیں ہے کہ ان سب سکّوں پر خود سرکا نام کندہ ہو، لیکن ہر ایک پر لفظ "سیراکوزیون" اور مثلث کی علامت ہے جس سے مثلثی جزیرہ مراد ہوگا۔ یہ پہلی مرتبہ ہے کہ سسلی کے لئے اور سسلی میں یہ علامت استعمال ہوئی ہے۔

دوسرے عہد میں ان کے علاوہ ایک طلائی سکّہ یعنی اٹیکائی چو درہمی بھی

دیکھو صفحہ آئندہ

باب ہشتم

پرھوس اٹلی اور سسلی میں

اگاتھوکلیس کے انتقال سے کچھ مدت بعد اس سے ایک بہتر شخص پرھوس تماشا گاہ یونان پر نمودار ہوتا ہے اور اس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نظر آتی ہے۔ اس کے ایک طرف زنانہ سر اور دوسری طرف فتحمند اپولو علامت فتح گاڑھتا ہوا نظر آتا ہے؛ اس پر لفظ "اگاتھوکلیوئس" کندہ ہے۔ اس کے علاوہ تانبے کے سکے بھی ہیں۔

تیسرے عہد میں سونے اور تانبے کے سکے مع الفاظ "اگاتھوکلیوئس بازی لیوس" ونیز چاندی کے پیگاسوس والے سکے جن پر کوئی الفاظ کندہ نہیں۔ ان کا وزن ۱۳۵ گرین نہیں بلکہ ۱۰۸ گرین ہے۔

اگاتھوکلیس کے سکوں پر بہت کچھ غور ہوا ہے۔

اگاتھوکلیس کے عہد میں سسلی کا کوئی مصنف اپنے ملک میں نہیں رہ سکتا تھا، اور باہر والے اُس کی حد اختیار سے باہر ہی رہتے تھے۔ اُس زمانے کے صقالوی مصنف دکیارخوس ساکن مسانہ (جو ایک اہم مصنف جغرافیہ و سیاسیات تھا (جسکے لئے دیکھو میری کتاب "تاریخ صقالیہ قدیمہ" ۲، $\frac{۲۶۵}{۲۷۷}$) اور تمائیوس ساکن توروسے یرزم تھے۔ ان میں سے موخر الذکر کے لئے دیکھو عقب، باب ۲۳، حاشیہ ۸۔

باب

ذریعے سے وہ دور اُفتادہ مُلک ایپائروس کا بھی تاریخ عالم میں اضافہ کرتا ہے[1]۔ ایپائروس میں ایک مقام دودونا نامی ہے جس میں زمانۂ دراز سے زیوس کا بت خانہ تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمدّن یونان کا ایک قدیم مرکز ہوگا؛ لیکن امتداد زمانہ سے اس تمدّن نے اس سے گریز کر کے دوسری شاہراہیں اختیار کرلی تھیں اور یہ اپنے راستوں کو چھوڑ دیا تھا۔ جو قبیلے ایپائروس میں رہتے تھے، جیسے مولوسی، خایونی، تھسپروتی وہ سب مقدونیوں کی طرح موروثی حکمرانوں کے ماتحت تھے، انکا تمدّن مقدونوی وضع کا تھا، اور اُن ہی کی طرح وہ جنگ کے دلدادہ تھے؛ بس فرق اتنا ہی تھا کہ بجائے زراعت کے وہ گلّہ بانی میں زیادہ مصروف نظر آتے تھے۔ فیلقوس شاہ مقدونیہ کے اولمپیاس کے ساتھ نکاح اور سکندر اعظم کی جانبازیوں کی وجہ سے مولوسیوں کے بادشاہوں کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔ جب اولمپیاس کا بھائی اٹلی میں کام آیا تو اُس کی جگہ اُس کا چچیرا بھائی ایاکی داس تخت نشین ہوا، لیکن اُسے کاساندر نے شکست دے کر اس کا خاتمہ کردیا۔ اُس کے نوعمر بیٹے پرھوس کو الیریائی بادشاہ گلاوکیاس نے بچالیا اور بارہ برس کی عمر میں تخت ایپائروس پر بٹھادیا۔ لیکن اُسے پھر جلاوطن کردیا گیا، اور وہ وہاں سے فرار ہو کر اپنی بہن دئی دامیہ کے شوہر دیمتریوس پولیورکیٹیس سے جا ملا جس کی صفوں

---

[1] اسناد۔ خود پرھوس نے "یادداشتیں" مرتب کی تھیں؛ میولر، جزو ۲، ۴۶۱؛ تمائیوس نے بھی پرھوس پر کچھ لکھا تھا، میولر، ۱، ۲۳۱؛ علاوہ ازیں ایک شخص مسمی زیونو کی بھی ایک تصنیف پرھوس کے موضوع پر تھی "سسلی اور اٹلی میں مہمات"، میولر، ۳، ۴۷۱۔ ہمارے لئے پلوٹارک کی نوشتہ سوانح عمری خاص طور پر اہم ہے؛ دیکھو حواشی باب ۱، بالا ان کے علاوہ جو اسناد ہیں وہ پرھوس کے سوانح حیات کے خاکوں پر مشتمل ہیں، اور یہ مقدونیہ، یونان، روما اور سسلی کی تاریخوں میں نظر آتے ہیں، لیکن انکے اقتباسات یہاں بے سود ہیں علاوہ ازیں دیکھو پاؤلی، ۶، ۱، ۳۱۲ تا ۳۲۰۔

میں وہ میدان اپسوس میں لڑا، اُسے خاص یونان میں مدد دی اور اس کے اور بطلیموس کے باہمی صلح نامہ ہوا تو اُس کی طرف سے بطور یرغمال کے مصر گیا۔ مصر پہنچ کر یہ خوبرو، تنومند اور جری نوجوان بادشاہ کا منظور نظر بن گیا، اور اُس نے اس کی سوتیلی بیٹی سے شادی بھی کرلی۔ اس کے بعد شاہ مصر نے اُسے واپس ایپائرس بھیج دیا جہاں پہلے تو اپنے عزیز نیو بطلیموس کے ساتھ مل کر اور موخرالذکر کے قتل کے بعد تنہا ایپائروس پر حکومت کرنے لگا (دیکھو باب ۲، بالا)۔ اُس نے کاساندر کے بیٹے سکندر سے مخالفہ کرکے شمال میں پاراویہ اور تیم فایہ، اور جنوب میں امبریسیہ اُس کے ہاتھ آیا، چنانچہ اُس نے موخرالذکر شہر کو اپنا صدر مقام بنا کر اس کی خاطر خواہ تزئین کی۔ اُسے اگاتھوکلیس کے ذریعے سے کورکائرا ملا، وہ اس طرح سے کہ جب اُس کا ساتھ چھوڑ کر لاناسا دیمتریوس سے جا ملا اور اُسے یہ جزیرہ نذر کردیا تو تارنتوم کے بیڑے کی مدد سے پرھوس نے اُسے دیمتریوس سے واپس لے لیا۔ وہ چند روز تک شاہ مقدونیہ بھی بنا، لیکن لیزی ماخوس نے اُسے اُس ملک سے باہر نکال دیا۔ یہ جری اور بہادر حکمران، جسے ہنی بعل اپنے زمانے کے بہترین سپہ سالاروں میں شمار کیا کرتا تھا، اب اٹلی کی طرف مائل ہوا، اور سوچنے لگا کہ جو بات اُس کے رشتہ دار سکندر سے بھی نہیں ہوئی تھی کیا وہ بھی اُسے پوری نہیں کرسکتا؟ اس مہم میں اُسکے تمام ہم عصر حکمرانوں نے اُس کا دل بڑھایا تاکہ انھیں ایک خطرناک مدمقابل سے انھیں نجات ملے۔ الغرض تارنتوم کے معاملات کی وجہ سے پرھوس کو اٹلی میں مداخلت کرنے کا بہانہ مل گیا۔

تارنتوم کے مشہور آفاق عیش و عشرت کے باوجود اُس کے باشندوں کو بیمانۂ کبیر کی سیاسیات سے بھی دلچسپی تھی، اور انھوں نے سرزمین اٹلی میں اپنے ممتاز رتبے کو قائم رکھا تھا۔ اب اس موقع پر تارنتوم والوں کو اجیر سپاہیوں کے کسی بیرونی سردار کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

باب ۸

آرخی داموس شاہ اسپارٹا، سکندر شاہ ایپائروس اور اسپارٹی کلیومنیس سب نے تارنتوم کو مدد دی، لیکن یہ مدد کچھ دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ اب انھیں پہلے سے کہیں زیادہ خطرہ تھا اور پرھوس جیسے شخص کی مدد سے زیادہ کسی چیز سے انھیں مسرت نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس وقت روما کے ساتھ ایک جھگڑے میں مبتلا تھے اور سامنیوم کو شکست دے کر رومن فوجیں وینوزیہ اور تھوری تک بڑھ آئی تھیں اور تارنتوم پر دو سمتوں سے چڑھائی کر رہی تھیں۔ ان کے اور رومنوں کے درمیان ایک قدیم عہد نامہ تھا جس کی رو سے رومنوں کو راس لی کی نیوم کے مشرق میں جہازرانی کی اجازت نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود ۲۸۲ ق م میں ایک چھوٹا سا رومن بیڑا تارنتوم کے سامنے نمودار ہوا جسے تارنتوم والوں نے اپنی نہایت ہی سخت توہین تصور کیا۔ لیکن بجائے بندرگاہ کی ناکہ بندی کرنے اور روما سے احتجاج کرنے کے انھوں نے اس بیڑے پر حملہ کر دیا۔ چار جہازوں کو ڈبو دیا، ایک گرفتار کر لیا اور رومن قیدیوں کو تہ تیغ یا فروخت کر دیا۔ اس کے بعد وہ تھوری گئے اور وہاں کے رومن حربی محافظ اور اعیان کو نکال باہر کر کے شہر تاراج کر دیا۔ اس طرح تارنتوم والوں نے ایسے حقوق پامال کر دئیے تھے جن کی پامالی کو متمدن اقوام نظر امعان سے نہیں دیکھتیں، اور جو مزید حقوق کی پامالی کے لئے ایک بہانہ بن جایا کرتے ہیں۔ تارنتوم کو اب اچھے یا بُرے نتائج کے لئے تیار رہنا تھا، اور روما اور تارنتوم کی قوت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ زیادہ مشتبہ نہیں رہ سکتے تھے۔ روما نے نہایت ہی لائقانہ اور عاقلانہ برتاؤ کیا اور صرف اُن واقعات کی طرف سے اطمینان چاہا جو تارنتوم اور تھوری میں ہوئے تھے۔ اس کا تارنتوم والوں نے صاف انکار کر دیا جس کا ظاہر ہے انھیں پورا حق تھا، لیکن ساتھ ہی اُنھوں نے رومن سفیر کی توہین و تذلیل بھی کی۔ الغرض

فریقین کے درمیان جنگ بالکل ناگزیر ہوگئی۔ رومنوں نے تارنتوم میں تفوق حاصل کرنے کی ایک آخری کوشش کی اور اپنے کانسل، کوئن ٹس ایمی لیوس باربولا کو ایک لشکر لیکر بھیجا اور تارنتیوں سے کہلوایا کہ اب بھی ان ہی شرائط پر صلح کرلو۔ اب تارنتوم کی اعیانی صلح پسند جماعت برسراقتدار ہوگئی تھی، اور اُس کا ایک رکن آگِس سپہ سالارِ افواج مقرر ہوگیا تھا لیکن عین اس موقع پر پرہوس کا وزیر، یعنی تھسالوی کی نیاس، تارنتوم پہنچا اور اعلان کیا کہ اُس کا آقا، جس کے ساتھ تارنتوم کی عمومی مدت سے گفت وشنود کر رہے تھے، عنقریب اٹلی میں اپنی فوج روانہ کرے گا۔ اس پر جدید سپہ سالار سے فوج کی کمان لے لی گئی اور تارنتوم پرهوس کا جانبدار بن گیا[۵۲]

سب سے پہلے اُس کا سپہ سالار میلو تین ہزار آدمیوں کو لیکر آیا اور ۲۸۰ ق م کے موسم بہار میں خود پرهوس بیس ہزار ہوپ لیت، تین ہزار سواروں، دو ہزار تیر اندازوں۔ اور بیس ہاتھیوں کو لے کر

---

[۵۲] تارنتوم اور روما۔ اینے (Ihne) نے اپنی کتاب "تاریخ روما" Roem. G. ۱، ۸، ۱ ھ میں جن واقعات کا اعادہ کیا ہے اُن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تارنتی رومن بیڑے کے آنے کو اپنے حقوق شکنی سمجھنے میں ٹھیک تھے، لیکن ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے لئے مناسب طرز کار یہ ہوتا کہ بندرگاہ کی ناکہ بندی کر دیتے اور روما سے شکایت کرتے۔ ممکن ہے کہ رومن سفیروں کی اسی طرح سے تذلیل نہ کی گئی ہو جیسے لکھا ہے، لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ تارنتی بہت ہی بدمغز ہو گئے تھے۔ علی العموم اس قسم کی باتیں بنائی نہیں جاتیں بلکہ ان میں مبالغہ کیا جاتا ہے۔ اینے کا خیال ہے کہ سیبارس کی طرح تارنتوم کو بدنام کیا گیا تھا، ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہو، لیکن دونوں میں "تا نہ باشد چیزکے مردم نگوید چیزہا" والی مثل صادق آتی ہے۔ گو ممکن ہے کہ ہر شخص کے متعلق جس واقعے کا اعادہ کیا جاتا ہے وہ درست نہو۔ لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ وہ شخص اس واقعے کا اہل ضرور ہوگا۔

باب ۵

سرزمین اٹلی میں آموجود ہوا۔ اُس نے آتے ہی تارنتوم والوں کو فوجی قواعد سکھانا شروع کی، لیکن گو نہ صرف تمام عمومی سامان تفریح بلکہ جملہ مجالس حکماً بند کردی گئی تھیں اور (اگر ہم زمانۂ حال کی اصطلاح استعمال کریں تو) تارنتوم گویا "حالت محاصرہ" میں تھا، تاہم وہ اس نسائیت پسند قوم کے تیار کرنے میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوا۔ پرھوس کو یہ خیال دلایا گیا تھا کہ اٹلی کے یونانیوں میں بڑا جوش و خروش پھیلا ہوا ہے، لیکن یہاں اس جوش کا شائبہ بھی نہ تھا، اُس سے وعدہ کیا گیا تھا کہ سامنیوم والے، لوکانی، بروتی سب اٹھ کھڑے ہونگے، لیکن یہ بھی نہیں ہوا۔ رومنوں نے اپنے کانسل والی ریوس لیوی نیوس کو فوج دے کر (جس میں دو رومن لیجن اور تقریباً پچیس ہزار حلیف سپاہی تھے) لوکانیہ روانہ کیا۔ فریقین میں ہرقلیہ (بدریائے سیرس) کے مقام پر جنگ ہوئی۔ رومن مختلف کمپنیوں میں لڑے، جس کی وجہ سے حملے اور مدافعت دونوں حالتوں میں انھیں نسبتہً آزادی مل جاتی تھی؛ اس کے برعکس پرھوس کی فوج ٹھوس مقدونوی جتھوں میں صف بستہ تھی۔ پرھوس نے سات مرتبہ رومن حملے کی مدافعت کی اور ٹس سے مس نہیں ہوا، اور اس کے بعد وہ خود حملہ کرنے کی غرض سے آگے بڑھا۔ رومن فوج ہاتھیوں سے ڈر کر پسپا ہوگئی اور اُن کے سپاہیوں میں سے سات ہزار تو میدان میں کام آئے اور دو ہزار گرفتار ہوئے۔ لیکن پرھوس کے چار ہزار بھی کام آئے اور خود اُس کے منہ سے یہ نکل گیا کہ یہ فتح میرے لئے نہایت گراں گزری ہے۔ اب اُسے یونانی آبادی میں سے خاصکر نئے حلیف مل گئے۔ لوکری کے رومن حرس کا خاتمہ کردیا گیا، لیکن دوسری طرف رھیگیوم والوں نے روما سے مدد کی درخواست کی اور رومنوں نے انکے پاس ایک کمپانوی لیجن روانہ کردی۔ لیکن ان کمپانیوں نے خود اپنے طور پر رھیگیوم پر قبضہ کرلیا، کرولوتن کے رومن رسالے کو تہ تیغ

کیا اور کولونیہ کو تاراج کر دیا۔ اسی طرح اسی زمانے میں مامرتی نیوں نے
مسانہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اٹلی کے اصلی باشندوں میں سے بہت سے
سامنی، لوکانی اور بروتی، پرھوس کے علم کے نیچے آگئے، لیکن یہ استدلال
صحیح ہے کہ یہ اکثر و بیشتر بے قاعدہ طور پر لڑنے پر اکتفا کرتے تھے۔

پرھوس برابر بڑھتا ہی گیا؛ لیکن ساتھ ہی اس نے کنیاس کو
روما بھی روانہ کیا تاکہ رومنوں سے صلح کے لئے تحریک کرے اور
یہ شرط پیش کرے کہ روما، اٹلی کے یونانیوں کو آزادی دے دے۔
کنیاس نے کوشش کی کہ رومن سیناتیوں کو رشوت دے کر کام
نکال لے، لیکن اُسے اس کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس کے
دل میں رومن سینات کی بڑی وقعت تھی اور وہ عادتاً سینات کو
مجلس ملوک کا لقب دیا کرتا تھا۔ اُس نے اپنی انصافانہ تحریک کو
چکنی چپڑی باتوں سے اس قدر وقعت دے دی کہ سینات
ڈانواڈول ہو گئی، اور اگر بوڑھا اپیوس کلودیوس جو کسی زمانے میں
سینسر رہ چکا تھا، انھیں حب وطن کے نام سے نہ پھسلاتا تو شائد
وہ سر تسلیم خم کر دیتی۔ لیکن اُس کے کہنے سے سینات نے کسی قسم
کی گفتگو کرنے سے اس وقت تک انکار کر دیا تاوقتیکہ پرھوس، اٹلی
سے چلا نہ جائے۔ اب روما سے یہ صدا اُٹھتی ہے کہ اٹلی روما کے
لئے ہے۔ یہ سب قصے سن کر پرھوس کمپانیہ ہو کر چلا لیکن راستے
میں اُسے کاپوا اور نیپلز کو چھوڑتا ہوا شاہراہ لاتیوم ہو کر اناگنیا
پہنچا۔ رومنوں نے اُس پر حملہ نہیں کیا، لیکن اُس نے یہ محسوس کیا
کہ اگر میں آگے بڑھوں گا تو میرے رسل و رسائل منقطع ہونے کا اندیشہ
ہے، چنانچہ اناگنیا سے وہ کمپانیہ واپس آگیا۔ اب فریقین میں قیدیوں
کی رہائی کی بابت گفت و شنود شروع ہوئی، جس میں پرھوس، سینات
اور سفیر فابریکیوس سب نے نہایت قابلیت سے ایک دوسرے
کے ساتھ برتاؤ کیا۔ لیکن اس پر بھی امن ابھی دور تھی، اور ۲۷۹ ق م میں

ایک دوسری لڑائی میں جو مشرق میں اسکولوم کے قریب ہوئی (جہاں پرھوس غالباً شہر دینوسیہ پر قبضہ کرنے کے لئے گیا ہوگا) رومیوں کو شکست ہوئی لیکن اُن کی فوج قلعہ بند کمپیو میں بھاگ گئی جس کی وجہ سے اس شکست اور اسپارٹیوں کی لیوکترہ والی شکست میں ایک طرح کی مماثلت پائی جاتی ہے۔ لیکن پرھوس نے اپنی کامیابی سے کچھ فائدہ حاصل نہیں کیا، اور اس کی بجائے اُس نے اپنی توجہ ایک جدید مہم کی طرف مبذول کرلی جو ایک طرح سے رومن مہم سے متعلق تھی؛ اُس نے اب سسلی کا رخ کردیا۔

سسلی پہلے ہی سے ایسے مدبّر کی تلاش میں تھی جو اس جزیرے کے مسلسل اختلال کا خاتمہ کرسکے۔ اگاتھوکلیس کی موت کے بعد اُس کے قاتلوں اور ہکے تاس کے مابین، جسے سرقوسیوں نے اپنا سپہ سالار مقرر کیا تھا، نزاع چلا آتا تھا۔ قرطاجنی واپس آگئے لیکن اگاتھوکلیس کے کمپانی اجیر سپاہیوں کو واپس کردیا گیا، اور جب وہ واپس جارہے تھے تو راستے ہی میں اُنھوں نے مسانہ فتح کرلیا اور اس کے بعد اس شہر پر مامرتینیوں کے نام سے حکومت ہونے لگی (۲۸۸ قم) اُنھوں نے اپنے دائرۂ اقتدار کو سسلی کے اندرونی حصے تک پھیلادیا اور جنوبی ساحل تک چھاپے مارنے لگے جہاں اُنھوں نے گیلا اور کاماریتہ تاراج کیا۔ ۲۸۸ قم سے ۲۷۹ قم تک سرقوسہ ہکے تاس کا محکوم رہا اور اس کے علاوہ دوسرے شہروں پر بھی خودسروں کی حکومت ہوگئی جن میں سے اہم ترین فیشاس والیٔ اکراگاس تھا جس نے جنوبی ہمرا کے کنارے پر گیلا کی جگہ ایک شہر اپنے نام پر آباد کیا۔ ہکے تاس کے زوال کے بعد تھوئے نون اور سوسسٹراتوس میں سرقوسہ کی سیادت کے لیے جھگڑا ہوا اور موخرالذکر اورتی گیا پر قابض ہوگیا۔ اس موقع پر ایک دوسرا قرطاجنی بیڑا بندرگاہ سرقوسہ میں داخل ہوا، اور شہر کی اب بجنسہٖ وہی کیفیت ہوگئی جو

باب۸

اس واقعے سے ساٹھ برس پہلے تموکلیون کی آمد پر تھی۔ لیکن اب اس وقت یونان میں آزادی کا پتا نہیں تھا اور کوئی آزاد مملکت ایسی باقی نہیں تھی جس سے مدد طلب کی جاتی۔ لیکن پرھوس اٹلی میں ضرور تھا، چنانچہ تھوئے نون اور سوسسترالوس دونوں اس سے مدد کے خواستگار ہوئے۔ مقصد پیش نظر وہی تھا جو پہلے تھا، یعنی قرطاجنیوں کی قوت کیسے توڑی جائے۔

عجیب وغریب بات یہ تھی کہ جب پرھوس نے اُن کی طلب پر لبیک کہا تو اُس نے در اصل گویا روما ہی کے خلاف جنگ چھیڑی، گو اس وقت اُس کی حیثیت پہلے سے مختلف تھی۔ ۲۷۹ء ق م میں روما اور قرطاجنہ کے مابین ایک عہد نامے پر دستخط ہوئے تھے جس کی ایک شرط یہ تھی کہ فریقین میں سے کوئی دوسرے کے بغیر پرھوس کے ساتھ مخالفہ نہیں کرے گا، لیکن ایک دوسرے کی مدد کرنے کے شرائط اس قدر پیچیدہ تھے کہ ان سے کوئی نتیجہ نکلنا عملاً نہایت دشوار تھا، اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی مدد کرنا چاہتا ہی نہ تھا۔ رومیوں اور قرطاجنیوں کی متحدہ فوج نے ریگیوم پر قابض ہونا چاہا لیکن انھیں مطلق کامیابی حاصل نہیں ہوئی، اور جب قرطاجنی آبنائے کی نگرانی کر رہے تھے تو پرھوس لوکری سے سیدھا تورومی نیوم گیا جس کے حاکم تمن داریون نے اسے اسی طرح خوش آمدید کہا جیسے اندروماخوس نے تموکلیون کو کہا تھا (۲۷۸ء ق م)۔ وہاں سے وہ سرقوسہ کی طرف چلا جہاں سے قرطاجنی بیڑا واپس چل دیا، اور تھوئے نون اور سوسسترالوس نے شہر کے وہ حصے جن پر وہ قابض تھے، اُس کے حوالے کر دیئے۔ اس ابتدائی کامیابی کی وجہ سے جزیرے کے دوسرے یونانی شہر پرھوس کے طرفدار بن گئے۔ اکراگاس پر قبضے کی خاص اہمیت تھی، اور سوسسترالوس کے ذریعے سے یہ بھی مسخر ہو گیا جسے مرکز

باب ۸

بنا کر پرہوس نے جزیرے کے قرطاجنی حصے پر مہمات سر کرنا شروع کیں۔ اُس نے اُس کے اہم ترین حصوں کو مغلوب کر لیا جن میں سے پالرمو اور ایریکس کے درمیان ہیرکتے کا پہاڑی قلعہ بھی تھا جو افرودیت کے بت خانے کے لیے مشہور تھا۔ لیکن وہ بحری قلعہ للی بیوم (موجودہ مارسالہ) کا کچھ نہیں کر سکا۔ اُس نے دیکھا کہ اس قلعے کو صرف طویل اور دشوار محاصرے کے ذریعے سے زیر کیا جا سکتا ہے، چنانچہ جب قرطاجنیوں نے شرط پیش کی کہ للی بیوم کو چھوڑ کر پرہوس باقی تمام جزیرے پر قابض ہو جائے، تو اُس نے اس پر آمادگی ظاہر کی۔ اُس نے یہ سوچا کہ اس کے بعد میں فوراً اٹلی واپس جا سکوں گا جہاں اسی اثناء میں کانسل فابری کیوس نے خلیج تارنتوم کے شہر ہر قلیہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ صقالوی یونانیوں نے ضد کی کہ وہ اس شرط کو مسترد کرائے، چنانچہ اُس نے پوری قوت اور ترکیبوں کے ساتھ للی بیوم پر حملہ کر دیا۔ لیکن اُسے اس کی تسخیر میں مطلق کامیابی نہیں ہوئی۔ اب اُسے چاہیے تھا کہ اگاتھوکلیس کی طرح میدان جنگ افریقہ کو منتقل کر دے، اور وہ چاہتا بھی یہی تھا، لیکن اس تدبیر کو کامیاب بنانے میں اُسے بڑی بڑی تیاریاں کرنی پڑتیں اور سسلی والوں کو بھی اس سے لازماً نقصان پہنچتا جس کے لیے وہ تیار نہیں تھے۔ اب پرہوس نے اپنے احکام کی تعمیل کرانے کے لیے واقعی مالک کا چولا پہن لیا۔ اس کی وجہ سے جزیرے میں بے چینی کے آثار نمودار ہو گئے، اُس کے حکم کی خلاف ورزی کی گئی، سوسسترا توس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ مجبور ہوا کہ مخالفانہ طرز عمل کی پاداش میں تھوئے نون کو جان سے مروا ڈالے۔ لیکن اس قسم کے افعال اُس کی توانائی پسند ذہنیت کے خلاف تھے، اور اس کا جبلی میلان بہ نسبت سیاسی مصالح کے جرأت و ہمت اور جانبازانہ افعال کی طرف تھا۔ اُسے یہ ناپسند تھا کہ محض قوت کے خوف یا مکاری

باب ۹

اور چالبازی سے حلیفوں کو یکجا رکھے اور ایسی مہمات، اُسے خوشگوار نہیں معلوم ہوتی تھیں جن میں وہ حاکم مطلق نہ ہو۔ الغرض وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ تاشکرے صقالویوں کی خاطر اتنی تکالیف برداشت کرنا بڑی بھاری غلطی ہے۔ اُس کے اطالوی حلیف بہت دن سے اُسکی واپسی کے مشتاق تھے، چنانچہ ۲۷۶ق م میں اُس نے سسلی کو خیرباد کہہ دیا۔ لکھا ہے کہ جزیرے سے قدم اُٹھاتے وقت اُس کی زبان سے یہ الفاظ جاری تھے کہ ہم رومنوں اور قرطاجنیوں کی آویزش کے لیے کیسا نفیس میدان چھوڑ رہے ہیں!

سرقوسہ سے تارنتوم پہنچنے کے لیے پرھوس کو قرطاجنی بیڑے میں ہوکر لڑ کر نکلنا پڑا، اور یہاں سے وہ رھے گیوم کی عملداری میں ہوکر رھے گیوم کے مامرتینی اور کمپانی سپاہیوں کی صفوں کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ کروتون اور لوکری اُس وقت رومنوں کے زیر اقتدار تھے، چنانچہ پرھوس نے لوکری پر دوبارہ قبضہ کر کے اُسے تاراج کر دیا۔ اُس نے تارنتوم پہنچ کر وہاں کی فوج کو منظم کیا اور اُسے لے کر شمال کی طرف چل دیا۔ جب وہ بینے ونتوم پہنچا تو اُسے مارکوس کوریوس کی ماتحتی میں ایک رومن لشکر ملا جو ایک مضبوط مقام پر پڑا ہوا تھا۔ اُس نے اس پر حملہ کیا لیکن اُسے ہی شکست ملی (۲۷۵ق م) اس کے بعد اُس نے اپنی اکثر فوج لی اور تارنتوم میں میلو کو ایک محافظ دستے سمیت چھوڑ کر خود ایپائروس واپس چلا گیا۔

ہم پرھوس کی باقی ماندہ زندگی کا حال اگلے باب میں بیان کریں گے، اور یہاں صرف تارنتوم کے انجام کے ذکر پر اکتفا کریں گے رومن فوج شہر کی فصیل کے روبرو اور ایک قرطاجنی بیڑا بندرگاہ سے باہر پڑا ہوا تھا، اور چونکہ میلو شہر پر قابض تھا اس لیے دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی شہر کا معاملہ طے نہیں کر سکتا تھا۔ یہ واقعات ۲۷۲ق م کے یعنی اُس سال کے ہیں جب پرھوس کا انتقال ہوا ہے۔ بہرحال جب

باب ۵

میلو نے اپنے آقا کی وفات کی خبر سنی تو اُس نے ایپائروس واپس جانے کی ٹھان لی، اور رومنوں سے ایک عہد نامہ کیا جس کے بموجب شہر اور قلعہ دونوں اُن کے قبضے میں چلے گئے۔ اب شہر کا اعیانی فریق جو روما کا طرفدار تھا، شہر کا حاکم بن گیا اور اُس کے افراد کے ساتھ رومنوں نے نہایت ملائمت کا برتاؤ کیا۔ ۲۷۱ ق م میں روما نے ریجیوم بھی فتح کر لیا، اور جن کمپانیوں نے غیر وفادارانہ طور پر شہر پر قبضہ کیا تھا انھیں سخت سزائیں دی گئیں۔

جہاں اگاتھوکلیس نے دیونی سیوس کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کی اور سسلی میں یونانیوں اور قرطاجینیوں کے باہمی مناقشوں کو جاری رکھا وہاں پرھوس بھی قرطاجینیوں کے ساتھ لڑا لیکن اس کی زندگی کا سب سے دلچسپ واقعہ اُس کی اور روما کی آویزش ہے۔ جہاں تک سپہگری کا تعلق ہے جانشینانِ سکندر میں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ اُس نے مغرب کی سب سے بہادر اور جری قوم کے ساتھ جنگ آزمائی کی، لیکن گو ابتدا میں اُسے بہت کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن آخر کار اُسے ہی نیچا دیکھنا پڑا۔ یہ جنگ آئندہ کی مقدونیہ، یونان اور روما کے جنگوں کا پیش خیمہ تھی۔

ہم تاریخ کے اس خاکے کو یہاں چند فقروں پر ختم کر دیتے ہیں اور جو کچھ کہا گیا ہے اس کا ملخص اور اُس سے استناج ناظرین کے سامنے پیش کریں گے۔ مختلف اشخاص اور اُن کے حالات زندگی کے اعتبار سے اگاتھوکلیس اور پرھوس کی شخصیتیں بے حد دلچسپ ہیں، اور اُن کی زندگی کے واقعات اُن کی انفرادی حیثیت سے بالکل مماثل ہیں۔ وہ دونوں عہد جانشینانِ سکندر کے قائم مقام ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ پرھوس ایک قدیم شاہی خاندان کا فرد ہے اور اگاتھوکلیس فوج کا سپہ سالار ہے۔ جو چیز ہماری دلچسپی کو دوبالا کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ مشرق میں ان دونوں کا کوئی بھی ثانی نہیں؛ یہاں پرھوس کی طرح کوئی شخص ایسا

باب

نظر نہیں آتا جو کسی قدیم خانوادۂ شاہی کا رکن ہو اور نہ اگاتھوکلیس کیطرح کوئی ایسا شخص نظر آتا ہے جس نے طبقۂ اسفل سے جان بازانہ ترقی کی ہو۔ اس کے برعکس یہاں جتنے بھی حکمراں ہیں وہ سب کے سب سکندر کے سپہ سالاروں کے، یعنی ایسے لوگوں کے جانشین ہیں جو خود تو حکمراں نہیں تھے لیکن جنھوں نے حکمرانوں کے ذریعے سے اپنی قدر و منزلت بڑھائی تھی۔ مغرب میں ہمیں بڑے بڑے تباین نظر آتے ہیں، یعنی ایک تو ایک قدیم خاندان شاہی کا فرد ہے اور دوسرا ایک کمھار کا لڑکا ہے۔ ایک اور بات ہے جو مغرب کی سرشت سمجھنی چاہیئے، وہ یہ کہ ایک عالی منش بادشاہ اپنی مہم سے اس لیے دست بردار ہوتا ہے کہ اُس کی طبیعت اس طرف نہیں آتی کہ وہ اپنے مخالفوں کی سخت گیری کرے۔ لیکن "راہگیر خودسر" آخر تک اپنی قوت کو قائم رکھتا ہے۔ ان دونوں کی جلت پھرت کا انداز بھی قابل لحاظ ہے! جانباز اگاتھوکلیس دوسرے جانبازوں سے ایسی مملکت (یعنی قرطاجنہ) کے خلاف ہتھیار اُٹھاتا ہے جن کی خدمت میں دوسرے جانباز بھی موجود ہیں، اور وہ اس مملکت کو اس لیے مغلوب نہیں کرسکتا کہ اس کے شہری اب بھی اپنی مملکت کے لیے جان دینے کے لیے تیار ہیں؛ پرھوس جو ایک قدیم خاندان شاہی کا فرد ہے، وہ بہادر وفادار ایپائروسیوں کو لے کر اطالوی اور صقالوی حلیفوں اور اجیر سپاہیوں کے ساتھ سسلی میں قرطاجنیوں کے خلاف لڑتا ہے اور تھوڑی ہی سی مدت میں اُنھیں ایسی زک دیتا ہے کہ دیونی سیوس اور اگاتھوکلیس نے بھی نہیں دی ہوگی۔ اس کے بعد وہ میدان سے ہٹ جاتا ہے اور پھر ایک مرتبہ روما کا مقابلہ کرتا ہے، لیکن یہاں اُسے شکست مل جاتی ہے۔ ہم اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قرطاجنہ کسی جانباز کے ہتھے چڑھتا نظر نہیں آتا، اور روما کو ایسے بہادر سپاہی بھی نیچا نہیں دکھا سکتے جو محض اپنے اخلاقی مقاصد کی وجہ سے ایک دوسرے سے ہمکاری

باب ۶

پر کمربستہ ہیں۔

ان سب باتوں سے قرطاجنہ اور روما کے مابین جو آویزشیں ہوئیں، اُن کے نتیجے کی بابت جو رائے قائم کی جا سکتی ہے وہ بالکل عیاں ہے [۱]

---

۳ ہ پرھوس کے سکہ جات۔ ہمیں پرھوس کے سکے مختلف ممالک مثلاً ایپائرس، مقدونیہ، اٹلی اور سسلی سے ملتے ہیں۔ اُس کے طلائی سکے اور ۹۰ گرین کے نقرئی سکے سرقوسہ کی ساخت کے ہیں، اور یہی کیفیت اُس کے بہترین تانبے کے سکوں کی ہے۔ (دیکھو ایونز: "سواران" حاشیہ ۱۷۵، اور ہیڈ: "سرقوسہ" Head : Syrac. ۵۶)۔ "معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی چودرہمیاں اور اٹیکائی معیار کی دو درہمیاں لوکری میں بنی ہوں گی۔ اُس کے مقدونوی تانبے کے مقدونوی سکوں کے ایک طرف مقدونوی ڈھال ہے اور اُس کے ایپائروسی سکوں پر زیوس کا سر کندہ ہے لیکن یہ موخر الذکر اتنے نفیس نہیں ہیں" (ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات ۲۷۳)۔ ہیڈ مفصلۂ ذیل سکوں کو پرھوس کی طرف منسوب کرتا ہے:- (۱) طلاء:- ایک طرف پالاس کا سر ہے، دوسری طرف نیکے بڑھتی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کے ایک ہاتھ میں پتوں کا گھیرا اور دوسرے میں فتح کی یادگار ہے؛ یہ سکہ سرقوسہ میں بنا ہوگا۔ (۲) نقرہ:- ایک طرف دودونی زیوس کا سر، دوسری طرف نشستہ دیونے؛ یہ چودرہمی ہے (لوکری، دیکھو اوپر)۔ ایک طرف اکی لیس کا سر، دوسری طرف

(بقیہ بر صفحہ آیندہ)

بابِ نہم

مشرقی ممالک اور یونان ۲۸۰ق م سے ۲۴۶ق م تک۔
شام اور مصر کے مابین آویزشیں پرھوس کی وفات
انتی گونوس گوناتاس، جنگ خرمیونڈیز

ان واقعات کے بیان کرنے میں جو عہد اوّل کے دوسرے حصے

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ تھےتس ہپوکیمپ پر بیٹھی ہوئی، دو درہمی (لوکری، دیکھو اوپر) پرسی فونے کا سر، دوسری طرف پالاس نیزہ ہاتھ میں لیے ہوئے (۹۰ گرین وزن، اس لیے یہ سرقوسہ میں بنی ہوگی، دیکھو اوپر)۔ (۳) تانبا:- بہت سے نمونے ہیں جن میں سے نقاب پوش فتیہ کی شبیہہ والا کیمی ہے۔ شاید ایک نقرئی درہم جس پر صرف لفظ "بازی لیوس" کندہ ہے اور کوئی نام نہیں ہے، پرھوس کا ہی سکہ ہوگا، دیکھو امہوف: "سکہ جات یونان" (Imhoof : Monnoies grecques) ۴۳۹، ہیڈ: "سرقوسہ" صفحہ ۵۶۔ نیز دیکھو یادداشت ہائے باب ۱۲۔

مقدونیہ میں، جہاں پرھوس نے کچھ دن حکومت کی (یعنی (۱) $\frac{۲۸۷}{۲۸۶}$ق م میں (۲) ۲۸۴ق م میں مغربی مقدونیہ میں (۳) $\frac{۲۷۴}{۲۷۲}$ق م میں تمام مقدونیہ میں) نقرئی

(بقیہ برصفحۂ آیندہ)

باب ۹

ہیں (یعنی ۲۸۰ ق م سے ۲۲۲ ق م تک) ہوئے، ہم سب سے پہلے اپنی نظر مشرق کی طرف، یعنی اُن مملکتوں کی طرف دوڑائیں گے جن کے ابتدائی حالات ہم نے پانچویں باب میں بیان کیے ہیں اور جن میں بحیرۂ ایڈریاٹک سے سرحد ہندوستان تک کے ممالک شامل ہیں۔ یہ زمانہ ان ملکوں کی سیاسیات میں رومنوں کی براہ راست مداخلت پر ختم ہو جاتا ہے۔ روما کی مداخلت سے ان ملکوں کی سیاسی حالتوں میں بہت سی تبدیلیاں ہوتی ہیں، لیکن اس مداخلت کی ابتدا تک، یعنی زمانۂ زیر بحث میں مقدونیہ، شام و مصر صف اوّل میں آجاتے ہیں اور خاص طور پر چھوٹی چھوٹی مملکتوں کے وجود کی وجہ سے ایک دوسرے کا توازن قائم ہو جاتا ہے۔ ہمیں اس عہد کے مختلف واقعات کا، بالخصوص اُن واقعات کا جو مشرق میں پیش آئے، علم ضرور ہے، لیکن وہ نامکمل ہے، اور اُن کی سنویت ایک حد تک غیر متیقن ہے۔ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ جہاں تک حکمرانوں کے باہمی تنازعات کا تعلق ہے، تاریخ کو اس عدم یقین سے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچتا۔ اس یا اُس حصۂ دنیا میں سیلوکوس یا انطاکوس یا بطلیموس کو فتح ہوئی یا شکست، یہ امر اُن معاصر کے لیے بھی

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ سکندری سکے ملے ہیں جو شائد پرہوس ہی نے مسکوک کرائے ہوں گے۔ میولر: "سکہ جات سکندر اعظم" Mueller : (Numism. d' Alex. le Gr.) ہیڈ: "سکہ جات متقدمین" (Head : Coins of the Ancient تصویر ۲۶، ۲۷ تا ۲۹ میں پرہوس کے بعض نہایت نفیس سکوں کی نقلیں دی ہوئی ہیں۔

پرہوس کے سکے بہت وافر ہیں، اور اُس کے فطری خصائص کی طرح اتنے منظم نہیں جیسے آگاتھوکلیس کے سکے۔

سسلی میں پرہوس کی مہم کے لیے دیکھو میلتزر: "تاریخ اہل قرطاجنہ" Meltzer Gesch. der Karthager جلد ۲، برلن، ۱۸۹۶ء، صفحہ $\frac{226}{245}$

باب ۹

جو میدان کارزار کے قریب نہ تھے، نا قابل لحاظ تھا۔ لیکن اگر تین بڑی طاقتوں کی بجائے کوئی عظیم الشان سلطنت قائم ہو جاتی تو اُس کی اوّل درجے کی اہمیت میں کس کو کلام ہوتا۔ لیکن ایسی کوئی سلطنت قائم نہیں ہوئی۔ ساتھ ہی یہ بلا شبہہ بہت کچھ قابل افسوس ہے کہ تیسری صدی ق م میں یونانی مملکتوں کے متعلق ہمیں اس قدر کم معلومات حاصل ہیں [۱]۔

---

[۱] ۲۸۰ سنہ ق م سے ۲۲۰ سنہ ق م تک کی تاریخ کے اسناد۔ یہاں بھی واحد کتاب جس میں مختلف واقعات سلسلہ وار لکھے ہیں جسٹی نوس کی ہے جس پر میں باب ۱ کے حواشی میں تبصرہ کر چکا ہوں۔ اس کی کتاب ۲۴ میں بطلیموس کیرانوس اور غالوی حملے کا ذکر ہے جس میں لفاظی اور خطابت کا عنصر نمایاں ہے۔ باب ۴ کا ماخذ غالباً تمائیوس ہے؛ ڈروائے سن ۲، ۲، ۲۴ ۳ وغیرہ کتاب ۲۲: غالوی ایشیا میں، انتی گونوس ویرھوس۔ کتاب ۲۶: ارسطوتیموس کے مظالم ایلس میں؛ انتی گونوس کے ہاتھوں غالوی اجیروں کا قتل عام، لیکن اس کے موقع کا ذکر نہیں کیا گیا؛ سریۃ۔ کتاب ۲۷ میں ۲۲۶ سنہ ق م تک کا ذکر ہے، اور اس میں جن واقعات کا اعادہ کیا گیا ہے وہ صاف نہیں۔ کتاب ۲۸ ۲۲۰ سنہ ق م تک جاتی ہے، اور اس میں (خوں ریزیوں کی وجہ سے) ایپائروس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے؛ اراتوس کا اس کی غیر دلچسپ شخصیت کی وجہ سے ذکر ہی نہیں۔ جسٹی نوس نے اس قسم کے لوگوں کے لیے اپنی کتابیں لکھیں جیسے آجکل گشتی کتب خانوں سے لے کر کتابیں پڑھتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض کتابوں میں "تمہیدیں" ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کی ترتیب تروگوس میں بھی ٹھیک نہیں سمجھی گئی تھی؛ دیکھو فون ولاموو تز: "انتی گونوس ساکن کاریستوس" ۲۲۶۔ جسٹی نوس اور "تمہیدوں" میں جو مواد ہے وہ اس قدر بے ترتیب ہے اور اُس کے فقرے اس قدر مشکوک ہیں کہ ہمیں ایک ایسی اشاعت کی بہت ضرورت ہے جس میں تاریخی تفسیر بھی ساتھ ساتھ ہو۔ اگر ایسی تفسیر ہو تو اُس کی وجہ سے ان تصانیف پر قیمتی عناصر بہ نسبت کسی مسلسل بیان کے زیادہ نمایاں ہو جائیں گے۔

دیکھو صفحہ آئندہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ دیودوروس کی تصانیف میں سے کتاب ۲۲ (۲۸۰/۲۶۵ سنہ ق م) کتاب ۲۳ (۲۶۴/۲۵۱ سنہ ق م) کتاب ۲۵ (۲۴۱/۲۱۹ سنہ ق م) سنوی اعتبار سے اسی عہد سے متعلق ہیں، لیکن جو اجزا ہم تک پہنچے ہیں اُن میں صرف مغربی ممالک کا حوالہ ہے، اور ان میں اراتوس، آگس اور کلیومینس کا ذکر بھی نہیں ہے۔ اس تالیف کی ترتیب کا مطالعہ کرنے کے لیے یہ واقعہ غیر اہم نہیں ہے؛ دیکھو جلد ۳، ص ۱۵/۱۶، نیز حواشی باب ۱۵۔ ۲۸۰/۲۲۰ سنہ ق م کے زمانے کے واقعات سے دیودوروس بالکل خالی ہے جس کی وجہ سے اُس زمانے کے واقعات اس قدر پردۂ خفا میں ہیں کہ اُن کا ثانی ملنا مشکل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض مرتبہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ میں چھٹی صدی ق م کا بیان پڑھ رہا ہوں۔

پلوٹارک صرف پرحوس، اراتوس، آگس اور کلیومینس کی سوانح عمریوں میں مسلسل بیانات پیش کرتا ہے۔ مقابلہ کرو شلتز: "مآخذ سوانح حیات ہائے آگس، کلیومینس و اراتوس" (Schultz : Quibus ex Fontibus fluxerint Agidis Cleomenis, Arati Vitae) برلن ۱۸۸۶ء۔ لیکن پلوٹارک سنوی تسلسل کی مطلق پروا نہیں کرتا۔

پولی بیوس کا ذکر ہماری اس کتاب کے ابواب ۱۵ و ۲۶ میں کیا گیا ہے، اور حالات زیر بحث میں اُس سے بہت ہی کم مدد ملتی ہے۔ ۲۲۸ سنہ ق م کے بعد کے زمانے کی بابت وہ صرف مغربی معاملات کے بیان پر اکتفا کرتا ہے۔

نوشتہ جات، بالخصوص نوشتہ جات پرگامم، سکہ جات۔ فلنڈرز پٹری نے مصر میں جو پاپی روس جمع کیے تھے؛ بابل کے مسیحی نوشتے۔

ان مصنفوں میں سے جن کی تصانیف ناپید ہو گئی ہیں لیکن جو زمانہ بعد کے مؤرخوں کے ہمعصر مآخذ تھے، اہم ترین اراتوس اور فلارخوس ہیں۔ اراتوس کے لیے دیکھو میولر F. H. G. ۳، ۲۱/۲۲ اور زوسے میل ۱، ۶۲۷/۶۳۰، جو قدیم تصانیف کے اقتباسات دیتا ہے اور حواشی سے بھی حالات کو صاف کرتا ہے؛ اسیں دیکھو

(دیکھو صفحہ آیندہ)

باب ۹ | زمانے میں انتی گونوس گوناتاس مقدونیہ میں (۲۸۰ - ۲۳۹ ق م) انطاکوس اول

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - ۳۴ ۵، ۴۲، ۵ ۴۷، ۵۵ ب - پولی بیوس اور پلوٹارک ہی ایسے مصنف ہیں جنھوں نے اراتوس سے کام لیا - اُس نے ایسے مدبروں کی طرح (جیسے گیزو Guizot) جو اپنے مقاصد میں ناکام ہو گئے ہوں اور جو اپنے افعال کو بہترین روشنی میں لانا چاہتے ہوں، ایک خود نوشتہ تذکرہ چھوڑا۔

فیلارخوس؛ میولر LXXVII وغیرہ؛ ۳۳۴/۳۵۸؛ زوسے میل ۱، ۶۳۰/۶۴۳ - غالباً فیلارخوس نیوکراتس کا باشندہ تھا - اس نے ۲۸ جلدوں میں خطابانہ انداز سے کلیومینس کی موافقت میں "واقعات" تالیف کیے؛ مقابلہ کرو پولیائے نوس ۲، ۵۶ - فیلارخوس پلوٹارک اور تماگتیس کی اور اس لیے تروگوس کی اولین سند ہے - چونکہ اُس نے بہت سے نادر واقعات بیان کیے ہیں شائد اسی سے ہو اس کے بہت سے اجزا باقی رہ گئے ہیں۔

عیسائی مورخوں کی تحریروں میں بھی بعض واقعات ملیں گے، مثلاً یوسے بیوس کے وقائع - اس نے شاہی مہمات کا حال ایک حد تک پورفی ریوس سے لیا تھا، جس کے لیے دیکھو کرسٹ ؟ ۵۳۶؛ میولر ۳، ۶۸۸/۷۲۷؛ شیورر: "تاریخ یہودیان" Schuerer : Gesch. des jued. Volkes ۱، ۱۲۸؛ یوسے بیوس کی شیونے Schoene والی اشاعت۔

فی الجملہ اس زمانے کے متعلق اس قدر قلیل معلومات ہیں کہ ڈروائے سن (۲، ۳، ۲۲) کہہ اٹھتا ہے کہ "اس کی تاریخ مرتب کرنا نہایت ہی دشوار گزار کام ہے" اُس کے زمانے سے جن اسناد کا انکشاف ہوا ہے، جن میں سے پرگامم کا نوشتہ ممتاز ہے، ان کی وجہ سے تحقیقات کے لیے جدید مواد ہمارے ہاتھ آیا ہے، لیکن اس کی وجہ سے یہ نہیں کہ علماء میں کسی قسم کی ہمراہی پیدا ہو گئی ہو۔

ان علماء کی تصانیف میں ڈروائے سن کی کتاب "تاریخ تابعین" Droysen : Gesch: der Epigonen، اشاعت دوم ۱۸۷۸ء، اہم ترین ہے۔ اس میں ڈروائے سن نے بہت تھوڑی سی اینٹوں سے ایک بڑا ایوان تیار

دیکھو صفحہ آیندہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ۔ کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس سے خود اسی کو اتنی بے اطمینانی ہوئی ہے جس کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا ہے۔ اس ایوان کی تعمیر صرف اسی طرح ممکن تھی کہ اس میں طرح طرح کے قیاسات کا مسالہ لگایا جائے، اور ان قیاسات کو ڈروائے سن اکثر ظاہر کر دیتا ہے۔ ان واقعات کو بیان کرنے میں جو اس کے دماغ سے منکشف ہوتے ہیں، ڈروائے سن بہت کچھ وقت لیتا ہے مثلاً اس نے جنگ خریمو نیدیز کا جو بیان صفحہ ۲۲۵ سے صفحہ ۲۴۴ تک دیا ہے اس کے واقعات ہماری اسناد میں مشکل سے دو سطروں سے زیادہ دیئے ہوئے ہیں ہمارے لیے یہ غور کرنا باعث اضافۂ معلومات ہے کہ اس موقع پر نیز اسی طرح کے دوسرے مواقع پر وہ اس تاریک موضوع پر مختلف سمتوں سے حملہ کر کے خود اپنے نظریئے کو کس طرح صاف کر دیتا ہے۔ یہ کتاب نہایت قابل تعریف مضامین کا ایک ذخیرہ ہے جسے صرف ڈروائے سن ہی جیسا آدمی جمع کر کے قابل مطالعہ بنا سکتا تھا۔

شورن: "تاریخ یونان از قیام معاقدۂ ایتولیہ و اکائیہ تا مسماری کورنتھ"
Schorn : Geschichte Griechenlands von der Enstehung des aetol. und ach. Bundes bis auf die Zerstorung von Corinth بون ۱۸۳۳ء۔ ہرٹسبرگ کی کتاب:
"تاریخ یونان زیر سیادت روما" Hertzberg : Gesch. Griechenlands unter der Herrschaft der Roemer جلد ۱، ہالے (۱۸۶۶ء) میں ہمارے موضوع کا صرف خاکہ دیا ہوا ہے۔

مشرقی معاملات پر کلیس Cless نے پاؤلی کی "محیط" میں، بالخصوص "سلیوکیان" و "بطالسہ" کے تحت ذکر کیا ہے۔ ساتھ ہی ان کے لئے پرگامم کے نوشتوں کی تفسیر مولفۂ فرینکل، فون گٹشمٹ Von Gutschmidt کے مضامین جن میں سے چند کو ف ریول F. Ruehl نے جمع کیا ہے، مضامین کیوپ Koepp بابلون Babelon گیبلر Gaebler ("ایرتیھرائے" برلن، ۱۸۹۲ء) وغیرہ بھی دیکھنے چاہئیں۔ کلنٹن کی کتاب Fasti hellenici اور "یونان کی ملکی و ادبی سنویت از اولمپیاد ۱۲۴ تا وفات آگسٹس" دیکھو صفحہ آئندہ

باب ۹

اور بطلیموس "فلادیلفوس" (۲۸۵ تا ۲۴۶ ق م) مصر میں حکمراں تھے، ہم بالفعل صرف سیاسی واقعات کے بیان تک اپنے آپ کو محدود کریں گے، اور اس عہد کی تاریخ تمدن کو باب ۱۲ کے لیے چھوڑیں گے جس میں اس کے ساتھ ساتھ ۲۸۵ تا ۲۲۲ ق م) کے تمدن کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اول تو مشرق کو لیجئے، یہاں شامی حکمرانوں کی صورتیں مصری بادشاہوں کی کامیابی کی وجہ سے مسخ ہو گئی ہیں۔ بلاشبہہ انطاکوس "سوتر" ایک نہایت قابل شخص تھا، اور اُس نے ایک مشکل صورت حال سے اپنے آپ کو عزت کے ساتھ نکال لیا تھا؛ رہا انطاکوس "تھیوس" تو اُس کی جتنی شہرت تھی ممکن ہے کہ وہ اس سے زیادہ قابل ہو۔ لیکن دُنیا ان دونوں کی وجہ سے اتنی متاثر نہیں ہوئی جتنی بطلیموس فلادیلفوس سے۔ جسمانی اعتبار سے یہ بادشاہ نہایت کمزور لیکن ذہنی لحاظ سے نہایت تندرست اور تیز تھا، اور یہ

بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ The Civil and Literary Chronology of Greece from the 124th Ol. to the death of Augustus جس کے تتموں میں مختلف شاہی خاندانوں کا بھی ذکر ہے قابل دید ہیں۔ ہم نے ان خاندانوں کا جو ذکر کیا ہے اُن کا اثر ناظرین پر حسب دلخواہ نہیں پڑے گا اس لیے کہ ہم تمام بادشاہوں کے خطابات کا ترجمہ نہیں کر سکے ہیں اور انھیں اصلی یونانی شکل میں رہنے دینے پر مجبور ہوئے۔ ان خطابات سے ان بادشاہوں کی شکل نہایت مقدس معلوم ہوتی ہے۔ قدمائے تاریخ کے طعنہ آمیز پیرائے کو فوراً پہچان لیا جب انھوں نے دیکھا کہ "باپ کا عاشق" کس طرح اپنی ماں کو قتل کرا دیتا ہے، یا جس شخص کو وہ "مہربان پیٹو" کا لقب دیتے ہیں اُس کے مظالم کی داستان کس طرح سننے میں آتی ہے لفظ ایپی فانیس کا صحیح مطلب، جس کے معنی "درخشاں اور چشم دید معبود" کے ہیں ہماری زبان میں بیان ہونا ناممکن ہے۔ یونانیوں کے نزدیک بطلیموس پنجم کے افعال کا سنجیدہ اعادہ اور ساتھ ہی اُس کا لقب "معبود ذی مرتبت" اعلیٰ درجے کا طعنہ نہیں تھا تو کیا تھا۔

اُس کام کے لیے نہایت موزوں تھا جس کی اُس کے زمانے کے مصر کو بغایت ضرورت تھی۔ وہ میدان جنگ کی بہ نسبت میدان تدبیر میں زیادہ ہوشیار تھا، اور یہ صفت اُس زمانے کے مصری حکمرانوں کے لیے نہایت ہی مناسب تھی۔ وہ اپنے دوسرے ہمسروں کی طرح بالکلیہ مطلق العنان تھا، لیکن جب اُس نے دیمتریوس ساکن فالیرم کو اس جرم کی پاداش میں مصر بالائی کو جلا وطن کر دیا کہ اس نے اسکی تخت نشینی کی مخالفت کی تھی، تو اس سے اُس نے ایک طرح پر اُس نوادر خانے کو تقویت پہنچائی جسے دیمتریوس نے تیار کیا تھا۔ اُس کی جلت پھرت اور اُس کے حوصلوں میں، خواہ وہ نیک ہوں یا بد، اُس کی دوسری بیوی (جو اُس کی بہن بھی تھی، یعنی) ارسی نوئے نے اُسے ہمیشہ عملی مدد پہنچائی، اور وہ ہمیشہ اُس کی عزت کرتا رہا۔ اُس نے یہاں تک کیا کہ سکوں میں اپنی شبیہہ کے ساتھ ارسی نوئے کی بھی شبیہہ بنوائی اور اسی لیے یہ فلادیلفوس یا "خواہر پرست" مشہور ہوا۔ اُس کی دیکھا دیکھی مصر میں بھائی بہن کے باہمی نکاح کا رواج خاندان شاہی میں پڑ گیا اور باہر کی شاہزادیوں سے مناکحات سے جو خارجی خرابیاں پیدا ہو جاتی تھیں اُن سے انسداد ممکن ہو گیا، لیکن ساتھ ہی شاہی نسل میں اس کی وجہ سے جو اسقام پیدا ہوئے وہ نہایت ہی کریہہ تھے۔ اس رواج سے بطلیموس کے جانشینوں کی ذہنی تنگ نظری کا وافر ثبوت ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اُس نے ارسی نوئے سے اس لیے نکاح کیا تھا کہ لیزی ماخوس کے ذریعے سے تھریس و ایشیائے کوچک میں اس عورت کے بہت سے دعاوی تھے، لیکن ہمارے نزدیک اس کا اصلی سبب خود اُس کے خصائل اور شخصی اسباب ہی ہوں گے۔ اس "خواہر پرست" کی دور اندیشی اس سفارت سے ظاہر ہوتی ہے جو اُس نے ۲۷۳ ق م میں روما کو روانہ کی، اور جو مخالفہ ان دونوں کے درمیان ہوا وہ ان ملکوں کے مابین دیرینہ دوستانہ مراسم کا پیش خیمہ

باب ۹ | تعلیقات ۲

۲ بطلیموس خلادلفوس ("خواہر پرست") یا بطلیموس دوم۔ دیکھو کلیس حسب بالا؛ مہافی: "یونان کی زندگی" ۱۹۹ وغیرہ؛ "شہنشاہی" ص ۱۱۲/۱۹۲، خصوصاً ۱۶۲۔ ارسی نوئے کے لیے دیکھو پاؤلی وسووا (Pauly Wissowa) کا مضمون، جلد ۲، ۱۲۸۲/۱۲۸۹، وینز مہافی: "شہنشاہی" ۱۵۷۔ ڈرواسے سن کے خیال میں ارسی نوئے سے بطلیموس نے جو نکاح کیا وہ سیاسی مصالح پر مبنی تھا (۳، ۱، ۲۶۷ وغیرہ)، لیکن میرے نزدیک اس کی اصلی وجہ یہ تھی کہ دونوں کی شخصیتیں ایک سی تھیں اور دونوں کا مقصد اعلیٰ یہ تھا کہ ان کے اقتدار میں وسعت ہو، سازش کا موقع ملے اور عیش و عشرت سے زندگی بسر ہو۔ وہ ایک دوسرے کو خوب سمجھتے تھے، ایک دوسرے کی مدد کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے اور ایک دوسرے کے قصوروں سے درگزر کرتے تھے۔ ویڈے مان کے خیال کے مطابق دونوں میں ۲۷۳ ق م میں نکاح ہوا ہوگا۔ مصر میں بہن بھائی کی شادی کے لیے دیکھو ارمان: "مصر" Erman: Aegypten ۲۲۱۔

الفیوم میں جو فوجی چھاؤنی قائم کی گئی تھی وہ بطلیموس دوم ہی کے عہد میں قائم کی گئی ہوگی۔ اس کی بابت پٹری پاپیروس میں جس کی مہافی نے ادارت کی ہے معلومات ملیں گی (دیکھو اسی کتاب کا باب ۵، حاشیہ ۱۳، بالا)۔ جس شہر کے اطراف میں یہ سپاہی، جن میں سے اکثر سوار تھے، پڑے ہوئے تھے، اسے کروکوڈائلوپولس کہتے تھے اور اس کا نام بعد میں تبدیل ہو کر ارسی نوئے ہو گیا تھا۔ اغلب امر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ ارسی نوئے ہی نے وہ اراضی منتقل کی ہوگی جس پر یہ شہر (موجودہ مدینۃ الفیوم) واقع ہے۔ استرابو (۱۷، ۱، ۹۰۸) کہتا ہے کہ صرف اسی شہر میں زیتون کے درخت اور انگور کی بیلیں نظر آتی تھیں، یعنی یہی مصر کا وہ رقبہ تھا جس میں یونانی طرز پر زراعت ہوتی تھی۔ بطلیموس اول و دوم نے بطلیمائس میں یونانیوں اور مقدونیوں کو آباد کر لیا تھا؛ مہافی: "پٹری پاپیروس" ۱۸؛ دیکھو بالا، باب ۵، حاشیہ ۱۳۔ لیکن شہر بطلیمائس بالائی مصر میں بہت دور تھا

دیکھو صفحہ آیندہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور السّیوط سے بھی اوپر تھا؛ الفیوم اسکندریہ کے قریب تھا، اور اعیانی سواروں کے لئے ایک عمدہ فرودگاہ بن سکتا تھا، چنانچہ اس مقام پر اُن کے تفریحی مساکن بنے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان خانگی کاغذات سے ہماری تاریخی معلومات میں بہت کچھ اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس سرکاری کاغذات، شک و شبہہ سے بالاتر نہیں ہیں، مثلاً وہ لوح جو ناویل Naville کو اس شہر میں، جسے "پتھوم" فرض کیا گیا تھا، دستیاب ہوئی (دیکھو ہفتہ وار "جریدۂ لسانیات" .Philol. Woch سنہ ۱۸۹۰ء صفحہ ۱۹۶) اس لوح میں صرف اُن نہروں کے اور شہروں کے نام ہی نہیں لکھے ہوئے ہیں جو بطلیموس دوم نے بنائے تھے بلکہ اُس میں یہ بھی مندرج ہے کہ اُس نے ایران سے وہ سب معبود واپس لے لئے جو ایرانی مصر سے چرا لے گئے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ کبھی سوس یا ایران میں تھا بھی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم اُن بابلی ماخذ سے جن کا ہم نے اگلے حاشیے میں ذکر کیا ہے، اس کی تفہیم کر سکیں؟ نیز دیکھو باب ۱ حاشیہ ا۔

خلادیلفوس نے عمونیوں کے صدر مقام "رباط عمون" کا نام بدل کر خلادیلفیہ رکھ دیا؛ استیفان ساکن بیزنطہ؛ ڈروائے سن ۳، ۲، ۴، ۳۰؛ پاڈلی ۵، ۶۲ ۱۴؛ بیڈ بکر ۷ ۱۸۔

بطلیموس "خواہر پرست" بیزنطہ کی طرفداری کرتا ہے اور بیزنطینی اُس کے نام پر ایک بت خانہ بناتے ہیں (جو پیرا کے ساحل پر فندقلی کے قریب واقع تھا) فرک Frick پاڈلی میں ۱، ۲، ۹۰ ۲۶۔۔۔ ۴ کلٹوں کا بیان، Callim. Del ۱۷۰ وغیرہ۔ مقابلہ کرو کیوپ؛ "جنگ سوریہ" Koepp : De Syr. Kriege وغیرہ؛ Rhein. Mus. ۳۹، ۱۱۲۔

بطلیموس "خواہر پرست" کے زمانے میں نئوکراتس کے "پان ہیلیون" میں اضافے؛ فلنڈرز پٹری: "دس سال"، صفحہ ۴۳۔ "خواہر پرست"، معماروں کے

ہوا ہو، چنانچہ اس کی ناکامی کی مثال سرنہ سے دی جا سکتی ہے جہاں کا صوبہ دار اس کا سوتیلا بھائی ماگاس تھا بلاشبہہ اپنے خسر انطاکوس اول کے کہنے سے ماگاس مصر سے باغی ہو گیا، اور مارماریکا کے صوبے کے سرحدی شہر پارتی تونیوم پر قبضہ کر لیا۔ لیکن فلادیلفوس نے ترکیب چل کر مارماریکا کے باشندوں کو، بلکہ شاید قرطاجنیوں کو بھی بھڑکایا اور آخر کار باغی اپنا مقبوضہ علاقہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ تاہم سرنہ برابر اسی کے

بقیۂ حاشیۂ صفحۂ گزشتہ۔ کام میں ذاتی دلچسپی لیتا تھا۔ Jos. Ant. ۱۲، ۲، ۷، ۱۰۔

بطلیموس "خواہر پرست" کے مالیات کے لئے دیکھو "بطلیموس فلادیلفوس کے مالی قوانین" اشاعت پ۔گ۔گرینفل P. G, Grenfell: The Revenue Laws of Ptolemy Philadelphus جس کی تمہید مہافی نے لکھی تھی؛ اکسفرڈ، ۱۸۹۶ء مع متن و تصاویر کے۔

سکہ جات: "فہرست نوادر خانۂ برطانیہ" بطلیموس دوم ابتداء میں اپنے والد کی طرح روپیہ مسکوک کرتا ہے۔ اس کے بعد بطلیمائس، یافہ، غازہ، صور، سیدا کی چودرہمیاں آتی ہیں؛ دیکھو ہیڈ: "تاریخ مسکوکیات" ۷۱۴۔ انواع:۔ ایک طرف بطلیموس اول کا سر، دوسری طرف بجلی پر عقاب تانبے کے سکوں کے ایک طرف عموَن کا سر بنا ہے۔ بطلیموس دوم کے زمانے میں نفیس نقرئی اور طلائی سکے ملتے ہیں اور مدت دراز تک جاری رہتے ہیں:۔ ۱۔ بطلیموس دوم اور ارسی نوئے دوم کے سر، اور دوسری طرف بطلیموس اول اور بیری نیس اول کے سر؛ ایک طرف الفاظ "ادیلفون" اور دوسری طرف "تھیون"۔ یہ امر قابل یاد ہے کہ "اد" سے مراد زندہ اور "تھے" سے مراد مردہ حکمران ہی سے ہو سکتی تھی، لیکن دونوں مل کر دونوں حکمرانوں کے لئے استعمال ہو سکتے تھے۔ ۲۔ ایک طرف ارسی نوئے دوم کا نقاب دار سر، دوسری طرف بجلی پر دو عقاب؛ "ارسی نوئس فلادیلفوئے"۔ فلادیلفوس نے روما کو جو سفارت روانہ کی اس کا بیان Liv. Epit. ۱۴؛ Eutr. ۲، ۱۵ میں ہے۔

قبضے میں رہا اس لئے کہ اُس کی فوج کے چار ہزار کلٹی سپاہی اُس سے باغی ہو گئے جس کی وجہ سے فلادیلفوس اس کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکا۔ اُس نے آخر کار دریائے نیل کے ایک جزیرے میں اُس نے ان اجیروں کی ناکہ بندی کر لی اور اُنھیں بھوکا مار ڈالا۔ فلادیلفوس نے اپنے بیٹے یوئرگی تیس کی نسبت ماگاس کی لڑکی بیرے نیس سے کر کے خیال کیا کہ اب تمام پیچیدگیوں کا خاتمہ ہو جائے گا، لیکن اس میں اُسے دھوکا ہوا۔ ہم یہ فرض کرنے میں حق بجانب ہیں کہ اس موقع پر شام کی طرف سے مداخلت ہوئی، اور مقدونیہ نے بھی کچھ مدت کے بعد معاملات سرینہ میں مداخلت کر دی۔ ۲۵۸ ق م میں ماگاس کے انتقال پر اُس کی بیوہ اپاما نے مقدونیہ کو "خوبرو" دیمتریوس سے جو گوناتاس کا سوتیلا بھائی تھا، کہلوایا کہ اگر اُس کی بیٹی بیرے نیس سے نکاح کر لے۔ اگر اپاما بطلیموس جیسے قبول صورت حکمراں سے سازش نہ کرتی تو سرینہ بطلیموس کے پنجے سے بالکل نکل جاتا۔ اس سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مصری فریق نے دیمتریوس کا خاتمہ کر دیا اور بیرے نیس یوئرگی تیس کے نکاح میں آگئی۔ آخر کار سرینہ پر مصر ہی کا پرچم لہرایا۔

بطلیموس فلادیلفوس کے تعلقات شام ایشیائے کوچک اور مقدونیہ کے ساتھ، بالخصوص ان ملکوں کے ساتھ جو سلیوکیوں کے قابو یا نگرانی میں تھے، اور خود سلیوکیوں کے ساتھ جو ان کے دفتری تعلقات تھے ان کی کیفیت صریح طور پر معلوم نہیں، اور جہاں تک مقدونیہ کا تعلق ہے ہم تھوڑی بہت معلومات یونان کی تاریخ سے اخذ کرتے ہیں۔ انطاکوس اول کو ۲۸۰ ق م میں بتھی نیہ والوں نے شکست دی تھی لیکن اس کے بعد اسی بادشاہ نے ایک بڑی لڑائی میں غالویوں کو نیچا دکھایا تھا، گو ہمیں اس کا مطلق علم نہیں کہ اُس نے کب اور کس طرح اس کامرانی کے بعد "سوتر" یا "منجی" کا لقب اختیار کیا۔ اس کے بعد اُس نے مصر پر حملہ کیا تاکہ کیلوسوریہ اور فنیقیہ پر قابض ہو جائے،

لیکن مصری فوج اور بحری قزاقوں کی مدد سے بطلیموس نے اسے شکست دے دی۔ اس کے بعد مصر کے بادشاہ نے ایک لشکر شمالی ایشیائے کوچک کی طرف روانہ کیا، لیکن اسے متھراداتیس اور اریوبارزانیس اور گالاتیوں نے نیچا دکھایا۔ ہمیں اس کا علم نہیں کہ اس شکست کی وجہ سے انطاکوس اوّل کو کیا کیا فائدے حاصل ہوئے، لیکن ہمیں یہ ضرور معلوم ہے کہ اپنی حکومت کے آخری زمانے میں وہ ان ہی ممالک میں ناکام ہوا تھا اور یومنیس شاہ پرگامم نے اسے ساردس کے قریب شکست دے دی تھی۔ الغرض جب اس کا بیٹا انطاکوس "تھیوس" ("معبود"!) تخت پر بیٹھا تو اسے ایشیائے کوچک میں اپنی حیثیت تسلیم کرانے میں کافی مشکل پیش آئی ہوگی۔ انطاکوس اوّل نے شمالی بربریوں سے دریائے مارگوس ("مرغاب") کے نخلستان مارجیانا کی حفاظت کرنے کے لئے پندرہ سو استادیا (تقریباً ۵۰۰ میل) لمبی ایک فصیل بنوائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اپنی سلطنت کی حفاظت پر خاص نظر تھی[3]

[3] شام کی تاریخ کے لئے مقابلہ کرو ولکن Wilcken کے ان نفیس مضامین کا جو اس نے انطاکوس اول و دوم پر پاؤلی وسوا جلد امیں لکھے ہیں۔

انطاکوس اول "سوتر" کی جانبازیاں Trog. Prol. ۲۴۔ انتی گونوس گوناتاس اور انطاکوس کی آویزشیں: ڈرواۓسن ۳، ۱، ۱۹۰؛ Memn ۱۵، ۱۸۔ گالاتیوں پر غلبہ App. Syr. ۶۵؛ Leic. Zeux ۸، ۱۱۔ ڈرواۓسن ۳، ۱، ۱۸۶، ۲۵۸؛ مہافی: "یونانی زندگی"، ۲۰۹۔ جدید الیوم کا شکریہ انطاکوس کو "مجموعہ نوشتہ جات یونان" C. I. Gr. ۳۵۹۹ = ہکس ۱۶۵۔

بابلون Babelon یہ فرض کر لیتا ہے کہ انطاکوس اول کی موت کے بعد تک اسے خطاب "سوتر" نہیں ملا؛ دیکھو فوکارٹ: "جریدۂ مراسلات یونان" Foucart : Bull. Corr. hellénique ۹ (۱۸۸۵ء) صفحہ ۳۸۷؛ اس کے اعزاز میں

باب ۹

ہمیں بطلیموس فلادیلفوس اور انطاکوس دوم "تھیوس" کی جنگ کی بابت، جسے، دوسری جنگ شام کہتے ہیں، اتنی ہی کم معلومات حاصل ہیں جتنی اسی بطلیموس اور انطاکوس اوّل والی جنگ شام کی بابت ہے۔ روتیموس کی تفسیر "دانیال" میں ایک مختصر بیان اول الذکر جنگ کا دیا ہوا ہے، اور بعض مورخوں نے اس میں دوسرے بیانات شامل

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ایک میلا بھی لگا کرتا تھا۔ اغلباً اتالوس اول کو بھی "سوتر" کہتے تھے؛ فرنیکل ۳۴/۴۵ ۔

نام نہاد پہلی شامی مصری جنگ کا ذکر صرف پوسانیاس ۱/۷ میں نظر آتا ہے۔ پول (Poole) نے "فہرست نوادر خانۂ برطانیہ"، "بطلیموس XXIX) اُس کا تعلق بطلیموس اور ماگاس کی جنگ کے ساتھ ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بطلیموس دوم اس جنگ کے بعد فنیقیہ کا مالک بن گیا، چنانچہ ۲۶۸ سنہ ق م کے بعد اسی ملک میں اُس کی ٹکسالیں تھیں۔ میں کیوپ (Koepp) سے متفق ہوں کہ تیسری صدی ق م کے ابتدا سے ہی فنیقیہ پر مصر کا قبضہ تھا۔

بابل کے پجاریوں نے جو علم ہیئت کے مسائل حل کئے تھے ان کی اور دوسرے امور کی میخی تحریریں اس وقت تک موجود ہیں جو انھوں نے ۲۷۳/۲۷۴ سنہ ق م میں قلمبند کیں (ایپنگ و شٹراس مائر: "جریدۂ اشوریات" Epping und Strassmaier: Zeitschrift f. Assyriologie) صفحہ ۲۲۰ وغیرہ۔ ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائے فرات کی دوسری جانب بھی ایک مصری رسالہ تھا؛ نیز انہیں بادشاہوں اور دوسرے لوگوں کی سیاحت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

یومنیس کے ہاتھوں انطاکوس کی شکست سترابو ۱۱، ۵۱۶۔ اس فصیل سے جو ۱۵۰۰ استادیس یا تقریباً. ۱۹ میل طویل تھی، دیوار چین کی یاد تازہ ہوتی ہے، اور ممکن ہے کہ اسی سے وہ قصہ نکلا ہو جسکے بموجب سکندر اعظم نے ریگستان کے کنارے کنارے ایک فصیل تعمیر کی تھی۔ اس کتاب کے لکھنے کے وقت اس ضلع میں روسیوں نے آبپاشی کے طریقوں کا احیاء کرکے اُسے کاشتکاری کیلئے گویا ایک نمونہ بنادیا ہے۔ ہندوستان سے تعلقات؛ گٹشمٹ: "ایران" ۲۸۔

کر کے ایک مسلسل کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے (دیکھو حاشیہ ۴)۔
علاوہ ازیں ہمیں انطاکوس "تھیوس" کے متعلق صرف اس کا علم ہے کہ وہ عیش پرست اور سخت شراب خوار تھا، اور اس نے معاملات سلطنت کو نالائق منظوران نظر کے قبضے میں چھوڑ دیا تھا۔ نیز ہمیں اس کی تھریسی مہم کا حال بھی معلوم ہے۔ الوہی لقب اس لئے ملا کہ اس نے ملطیوں کو ان کے خودسر تمارخوس کی چنگل سے چھڑایا تھا، اور وہ ایونیہ کے شہروں میں عام طور سے ہر دلعزیز تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان بلدیات کو فرمانروائے شام سے مدد لینے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ انھیں اپنے ہمسایوں اور مصریوں سے آزاد ہونے کی خواہش تھی۔ شام اور ایشیائے کوچک میں جو لڑائیاں اس وقت ہوئیں ان کے نتیجے کا استدلال مصر کے خارجی تعلقات کے دو بیانات سے کیا جا سکتا ہے، یعنی تھیوکری توس کے سترھویں گیت سے، جو اس نے فلادیلفوس کی مدح میں لکھا تھا، اور اس قصیدے سے جو بطلیموس یوئرگی تیس کے اعزاز میں مرتب کیا گیا تھا۔ تھیوکری تیس کہتا ہے کہ فلادیلفوس کے قبضے میں فنیقیہ، عرب، شام، لبیہ، اینتھیوپیہ، اقوام پمفیلیہ، کلیکیہ، لیکیہ، کاریہ اور جزائر مدور تھے؛ درآنحالیکہ قصیدۂ یوئرگی تیس میں مذکور ہے کہ جب وہ تخت نشین ہوا ہے تو اس کے قبضے میں مصر، لبیہ، شام، فنیقیہ، قبرص، لیکیہ، کاریہ اور جزائر مدور تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھیوکری توس قبرص کو، اور قصیدۂ یوئرگی تیس کلیکیہ اور پمفیلیہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اول الذکر میں قبرص کیوں چھوڑ دیا گیا ہے، اس لئے کہ اگر یہ جزیرہ فلادیلفوس کے قبضے سے کچھ مدت کے لئے نکل بھی گیا تھا تو بھی اس کا حوالہ دینے میں مضائقہ نہ تھا، لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ تھیوکری توس کے نزدیک کلیکیہ اور پمفیلیہ فلادیلفوس کے قبضے میں تھے لیکن قصیدے والے نوشتے میں اس کا ذکر نہیں، تو اس سے یا تو یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہ آخر کار فلادیلفوس کے قبضے سے نکل گئے ہوں گے ورنہ تھیوکری توس نے

شاعرانہ مبالغے کو کام میں لا کر کلیکیہ اور پمفیلیہ کے چند محافظ رسالوں کی وجہ سے جو صرف وہاں کے ساحلی علاقے میں پڑے ہوئے تھے، فلادیلفوس کو ان ممالک کا مالک قرار دیا۔ اگر ہم تھیوکری توس کی نظم کی صحیح تاریخ سے واقف ہوتے تو اس سے فلادیلفوس کی تاریخ پر زیادہ روشنی پڑتی؛ لیکن موجودہ معاملات کے تحت ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ مدحیہ قصائد اُس کے ابتدائی زمانے کے متعلق ہوں گے۔ الغرض یہ فرض کر کے کہ تھیوکری توس نے صرف تھوڑی ہی سی مبالغہ آمیزی کی ہوگی اس سے مشکل سے اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ اُس زمانے میں فلادیلفوس کی قوت ایشیا میں رو بانحطاط تھی، جس کا اصلی سبب یہ تھا کہ ایشیا ہی میں نہیں بلکہ یورپ میں بھی سیاسی بساط میں تبدیلی ہو رہی تھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ صرف یورپی سیاسیات کا اثر ایشیا کے معاملات پر پڑا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ غالویوں کا حملہ خاص طور پر شام کے لئے نقصان رساں اور مصر کے لئے سودمند تھا۔ بلاشبہہ انطاکوس اول نے ایشیائے کوچک پر قبضہ رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن اُس کے عہد حکومت کے اوائل میں اُسے بتھینیوں نے اور اواخر میں پرگامم نے شکست دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلی بار تو دریائے رھیین داکوس اور دوسری مرتبہ دریائے کئے کوس کی وادی میں ہو کر نکل جانا چاہتا تھا، لیکن اُسے دونوں مرتبہ زک پہنچی۔ اس میں شک نہیں کہ اُس نے غالویوں کو شکست ضرور دی، لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور وہ پہلے ہی طرح سے آزاد رہے۔ اُدھر اُس کا بیٹا ایک لشکر کو ہمراہ لے کر تھریس پہنچ گیا، لیکن ہمیں اُس کی اس مُلک میں کسی مستقل فتوح کا علم نہیں۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مصر کو مغربی ایشیا میں اچھی حیثیت حاصل تھی، اور اگر اُس کے باوجود اُسے اس مُلک میں پسپا ہونا پڑا تو اس کا سبب (علاوہ ایسے مقامی حالات کا جن کا ہمیں علم نہیں) مصر و مقدونیہ کے

باہمی تعلقات ہوں گے۔ ہمارے کانوں میں ان واقعات کی بابت کچھ کچھ پڑتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مصر کا اثر مقدونیہ سے کہیں زائد تھا۔ ان اسباب کی بنا پر ہم سب سے پہلے یورپ کا ذکر کریں گے، اور اس کے بعد شام و مصر کو لیں گے۔[۹۷]

---

[۹۷] انطاکوس دوم "تھیوس" انطاکوس اول کا دوسرا بیٹا تھا۔ اُس کا ایک بیٹا، سلیوکوس، اس سے بڑا تھا لیکن اُس پر باپ کے خلاف بغاوت کا الزام لگا کر سزائے موت دے دی گئی؛ پاؤلی وِسووا ۱۱، ۲۴۵۲ (مضمون وِلکن (Wilcken)

دوسری جنگ شام و مصر۔ دانیال کی ہیئے رونی موس نے جو تفسیر لکھی ہے اُس میں بیان ہے کہ یہ لڑائی انطاکوس دوم نے بطلیموس دوم سے لڑی تھی (۱۱، ۶)۔ تھریگے (Thrige) اور دوسروں کو اُس کے محل وقوع میں شک ہے ہم ڈرواٸے سن سے متفق ہیں (۳، ۱، $\frac{۳۱۸}{۳۲۴}$) کہ ایسی جنگ ضرور ہوئی، اس لیے کہ ہم صرف اسی طرح سے مصری مقبوضات کے اس فرق کو سمجھ سکتے ہیں جو تھیوکری توس ۱۷، ۸۶ کے نزدیک بطلیموس دوم کے اور بطلیموس سوم کی تخت نشینی کے وقت کے درمیان نظر آتا ہے ("مجموعۂ نوشتہ جات یونان" ۵۱۲۷ = ہکس ۱۷۳؛ جہانیٔ "سلطنت" ۱۷۹۔ یہ نوشتہ اس "توصیف ممالک عیسوی" میں محفوظ ہے جو کوزموس اندیکوپلوستوس نے جو ۵۲۵ء میں مرتب کی تھی (Cosmos Indicopleustos: Topographia Christiana)۔

ایک بابلی تختی میں اس ہبہ کا ذکر ہے جو انطاکوس دوم نے لاؤدیس اور اُس کے بیٹوں کے نام کیا تھا اور جو انھوں نے بابلی بت خانوں کو کر دیا؛ دیکھو "جریدۂ اشوریات" Zeit sch. f. Assyriologie ۷، ۲۲۳۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ارادوس کا سال $\frac{۲۵۹}{۲۵۸}$ ق م میں شروع ہوتا ہے جس سے یہ استاج کیا جاسکتا ہے کہ شمالی فنیقیہ میں انطاکوس کا اقتدار بطلیموس کے اقتدار سے زیادہ تھا۔ دیکھو بابلون LVII؛ نیز اس کتاب کا باب ۱۹، حاشیہ ۲۔

فیلارخوس : Ath. ۱۰، ۴۳۸ اور پی تھر موس Ath. ۲، ۲۸۹ سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ انطاکوس "دو تھیوس" کے خصائص کا تاریک پہلو معلوم ہوتا ہے۔ ڈرواے سن ۳/۱/۳۱۱ نے اس پر کچھ ملمع کیا ہے، بلکہ وہ اُس کے درباریوں ارسطوس و تھےمیسون کے رویئے کے عملی اسباب دریافت کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ ہمارے نزدیک .Memn ۲۳ (جنگ بیزنطہ) سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ انطاکوس دوم نے تھریس میں کوئی کارنمایاں انجام دئے۔ اگر پولیائے نوس (۴، ۱۶) کی رائے درست ہے اور اُس نے دریائے ہیروس کے شہر کیپ سے لا پر قبضہ کیا تھا، تو محض اس واقعے سے یہ استدلال لازمی نہیں ہے کہ نہ صرف لیزی ماخیہ بلکہ اسٹے نوس اور مورونیہ نے بھی اس کے ساتھ اتحاد عمل کر لیا ہوگا، نہ اس سے ڈرواے سن کا یہ انتاج لازم آتا ہے کہ "تھریس کے جنوب میں بیزنطہ سے مقدونیہ تک کا تمام ملک آخرکار شام والوں کے قبضے میں آگیا تھا"، اور ہماری دانست میں یہ انتاج بجائے باوثوق ہونے کے انسان کو سخت حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ لیوی ۳۳، ۴۰ میں بیان ہوا ہے کہ انطاکوس سوم نے تھریس کا جو دعویٰ کیا ہے اُس کی بنا اُس نے یہ قرار نہیں دی کہ اُس پر انطاکوس دوم کا قبضہ تھا بلکہ اس کا دار و مدار اس واقعے پر ہے کہ سلیوکوس نے لیزی ماخوس کو شکست دی تھی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انطاکوس دوم کا تھریس پر کبھی قبضہ نہیں ہوا۔

تمارخوس خود سرماطہ کو انطاکوس دوم شکست دیتا ہے اور اس کے بعد اُس کے خطابات میں "تھیوس" کا اضافہ ہوجاتا ہے! .App. Syr ۶۵ تروگوس (تمہید ۲۶) کے مطابق بطلیموس والی مصر کا بیٹا، جو آخرکار الیفی سوس میں کام آیا، وہ تمارخوس کا حلیف تھا؛ .Ath ۱۳، ۵۹۳۔ معلوم ہوتا ہے کہ بابلون نے جو استدلال کیا ہے وہ غلط ہے (CCXXIX حاشیہ ۲)۔ انطاکوس دوم ایونیہ کے بلدیات میں ہردلعزیز تھا، "مجموعۂ نوشتہ جات یونان" ۳۱۳۷ = ہکس ۱۷۶ = ڈٹن برگر ۱۷۱؛ اُس نے ساموس اور پرینے کے مابین تحکیم کی "مجموعۂ نوشتہ جات یونان"